اے دل رازداں

مِصباح مُشتاق

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

اے دل راز داں

مصباح مشتاق

انتساب

ہر اس شخص کے نام

جو رشتوں کو نیک نیتی سے نبھاتا ہے اور دوسرے کے درد کو

اپنا درد سمجھتا ہے۔۔ کیونکہ جذبات تو سب ہی رکھتے ہیں مگر

احساس ہر کوئی نہیں کرتا۔۔

پیش لفظ

الحمد اللہ! اپنے پہلے ناول 'پتھر کر دو آنکھ میں آنسو' کی کامیابی کے بعد اور اپنے ریڈرز کی حوصلہ افزائی سے میرے اندر لکھنے کا جنون اور تقویت پا تا گیا اور بلآخر رب تعالیٰ کی مہربانی سے 'اے دلِ رازداں' ناول اپنی تکمیل کو پہنچا۔

الفاظ کبھی بھی پوری طرح سے دل کے جذبات کے ترجماں نہیں ہوتے، کہیں نہ کہیں وہ سچائیاں جو دل میں پنہاں ہوتی ہیں لفظوں میں ڈھل کے بھی کچھ تشنگی دل میں چھوڑ جاتی ہیں... 'اے دلِ رازداں' ناول بھی انھی جذبات کی عکاسی کرتا ہے جو بیاں ہو کر بھی 'دل میں رہ جاتے ہیں'۔

یہ ایک ایسی کہانی ہے جو حقیقت پہ مبنی ہے کیوں کہ مجھے فرضی کہانیاں لکھنے سے زیادہ وہ کہانی لکھنا اچھا لگتا ہے جس کا تعلق حقیقت سے ہو... 'پتھر کر دو آنکھ میں آنسو' بھی حقیقی کہانی تھی اور اب 'اے دلِ رازداں' میں نے خود ان کرداروں کو اپنی آنکھوں کے سامنے زندگی کی حقیقتوں سے لڑتے دیکھا ہے... شب و روز ان کی تکلیف کی شدت کو ان کے ان کہے لفظوں سے محسوس کیا ہے... وہ خاموشیاں سنی ہیں جس میں کوئی درد کی شدت سے سسک سسک کر زندگی سے رحم کی بھیک مانگتا ہے... اور پھر تقدیر کے سب اتار چڑھاؤ کس طرح انسان کو بے بس کر دیتے ہیں... 'اے دلِ رازداں' ان سب کی کہانی ہے جو جذبات میں بہتے ہوئے ڈوبتے بھی ہیں ... مگر کنارے پا ہی لیتے ہیں

نشیب و فراز ہم سب کی زندگی کا حصہ ہے اچھے برے حالات سے ہم سب ہی گزرتے ہیں مگر فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ کچھ لوگ برے سے برے حالات میں بھی حوصلہ نہیں ہارتے اور کچھ لوگ سہاروں کے اتنے عادی ہو جاتے ہیں کہ مشکلات کا تنہا مقابلہ کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے اور ایسے لوگ ہر تکلیف میں ریت کی دیوار کی طرح ڈھے جاتے ہیں کیوں کہ کسی انسان کا سہارا اتنا ہی عارضی ہوتا ہے جتنا وہ مشکل وقت... دونوں کبھی دیرپا نہیں ہوتے اور یہی سیکھا ہے میں نے اپنی زندگی میں کہ دکھ چاہے کتنا بھی بڑا اور جان لیوا کیوں نہ ہو، اپنے آنسو خود پونچھو اور جب بہتر محسوس کرو، تو لوگوں میں گھل مل جائو... تکلیف سہنے کے لیے خود کو کسی

دوسرے شخص کی تسلی اور دلاسے کا عادی کبھی نہیں بنانا چاہیے... یہ بالکل ایک طرح سے سلو پوئیزنگ سا کام کرتا ہے... آپ رفتہ رفتہ دوسرے کے ہاتھ میں اپنی کمزوریاں رکھتے جاتے ہیں اور وہ دھیرے دھیرے ان سے فائدہ اٹھا کے آپ کے اعتبار کی بنیادوں کو کھوکھلا کرتا جاتا ہے اور پھر ایک دن ایسے کھوکھلے رشتوں کا ملبہ بلآخر انسان کے اپنے ہی شکستہ سے وجود پہ گر جاتا ہے... عادتیں ... ادھوری رہ جائیں، تو اندر ہی اندر کھا جاتی ہیں انسان کو، اس لیے ہمیشہ اچھی عادتوں کا عادی ہونا چاہیے

محبت، نفرت سب کچھ فطری ہے انسان چاہے یا نا چاہے ہر جذبے سے واسطہ کہیں نہ کہیں پڑتا ضرور ہے کبھی کوئی جذبہ اپنی تکمیل کو پہنچتا ہے تو کوئی ادھورا رہ جاتا ہے اور اکثر ادھورے رہ جانے والے جذبات ہمارے دل میں دفن ہو جاتے ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ دل میں چبھتے بھی ہیں تکلیف بھی دیتے ہیں اور کبھی غیر محسوس طریقے سے تمام تر احساسات پر چھا جاتے ہیں اور اس وقت ایک انجانہ سا درد زندگی کی ہر خوشی پہ حاوی ہونے لگتا ہے اور یہی وہ لمحے ہوتے ہیں جب درد لفظوں میں ڈھل کے کہانی بن جاتا ہے۔۔۔ غزلیں تخلیق ہوتی ہیں۔۔۔ نظمیں لکھی جاتی ہیں۔۔۔

مگر اسے محسوس بس وہ شخص کر سکتا ہے جو اپنے دل میں بھی کسی ادھورے جذبے کا درد لیے پھرتا ہے۔۔۔

یہ تحریریں، یہ سب کہانیاں سحر انگیز تبھی بنتی ہیں جب پڑھنے والے کے تمام تر احساسات کو اپنی گرفت میں کرتی ہیں۔۔۔ اسے ہر کردار کے کسی نہ کسی پہلو میں اپنا عکس دکھائی دیتا ہے۔۔۔ 'اے دل رازداں' جو کہ حقیقت پر مبنی کہانی ہے آپ کے احساسات کو ضرور چھو کے گزرے گی۔۔۔ اس کہانی نے مجھے کئی بار اشک بار کیا۔۔۔ لکھتے ہوئے دل کانپ جاتا تھا کہ جو لوگ حقیقت میں زندگی کی ان تلخیوں سے گزرے ہیں۔۔۔ ان کا صبر واقع ہی قابل ستائش ہے

میرے لکھنے میں وہ پختگی وہ تجربہ نہ سہی، لیکن ایک بات کے لیے اپنے رب کی ہمیشہ شکر گزار رہوں گی کہ اس نے مجھے احساس کی دولت دی ہے۔۔۔ مجھے ان کہے جذبات کو محسوس کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں تحریر کرنے کا، الفاظ میں ڈھالنے کا ہنر دیا۔۔۔ اتنی صلاحیت دی کہ میں قلم اٹھاوں، تو محسوس ہونے والا ہر احساس لفظ در لفظ تحریر کر سکوں اور میں اپنے رب تعالی کی بے حد شکر گزار اس لیے بھی ہوں کہ اس نے مجھے آپ سب پیار کرنے والے... اتنی عزت دینے والے ریڈرز دیے... خاص کر کہ اس وقت جب میں اپنی پہچان بنانے کے عمل سے گزر رہی ہوں۔۔۔ میرے پاس تجربہ نہیں، مگر میرے پاس وہ سب حوصلے ہیں، وہ سب پزیرائی ہے، جو مجھے آپ سب سے ملی۔۔۔ میرے پاس میرے ماں باپ کی دعائیں ہیں۔۔۔ میرے بہن بھائیوں کا پیار ہے

اور سب سے بڑھ کر میرے پاس میرا رب ہے، جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔۔۔ جسے چاہے عزت دے۔۔۔ جسے چاہے ذلت دے

اور میں دل کی اتھہ گہرائیوں سے اپنے فیس بک آفیشل پیج کی ایڈ مینز عائشہ سدوزئی (فائزہ)، امامہ مغل، اقراء دلاور، چودھری ارسلان (اقراء)، موناافتخار کو شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ سب نے جس طرح سے پیج مینج کیا اقتباس اتنی خوبصورتی سے ایڈٹ کیئے ۔۔ آپ سب کے پیار اور تعاون کے بغیر میں کچھ بھی نہیں۔۔ اللہ آپ سب کو اپنے خاص کرم سے نوازے۔

اور میری کچھ قریبی دوستیں جنہوں نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا اور مجھے سپورٹ کیا بشرہ بخاری، مروا شیخ، مدیحہ عابد، رخسانہ یونس میں آپ سب کی بہت مشکور ہوں۔۔

اب جب یہ قلم میرے ہاتھوں میں میری پہچان اور میری طاقت بن کر آ ہی چکا ہے تو میرا آپ سب سے وعدہ ہے کہ میری تحریریں ہماری معاشرتی برائیوں کی اصلاح کے لیے ہوں گی... میں اس قلم کے ذریعے وہی پیغام سب کو دوں گی، جو ہماری باہمی ... نفرتوں کو محبت میں بدل دے گا... بشرطیکہ ہم سب اپنی اپنی اصلاح کریں... اپنی غلطیوں کو سدھاریں

محبت میں بہت طاقت ہوتی ہے... وہ ہر تلخ لہجے کو اپنے رنگ میں ڈھال سکتی ہے... ہم کئی کہانیاں پڑھتے ہیں... کرداروں سے متاثر ہوتے ہیں... یہ کردار قطعاً فرضی نہیں ہوتے... یہ سب ہمارے اردگرد موجود ہوتے ہیں... کچھ اپنی اچھائیوں سے پہچانے جاتے ہیں، تو کوئی اپنی بری عادات اور بداخلاقی سے نمایاں ہوتے ہیں... ایک چیز جو میں نے ہمیشہ سے سیکھی اور اپنی زندگی میں عادت بنا کے شامل کی... وہ یہ کہ نیک نیتی سے رشتے جوڑے اور نبھائے... کبھی یہ پرواہ نہیں کی کہ محبت کے بدلے تلخ لہجہ مل رہا ہے... یا بے حساب ... تکلیفیں... جو ملا۔۔ بس لے لیا

ظلم کرنے والا اپنی عادت سے مجبور بھی ہو، تو بھی یک طرفہ دکھ دے دے کر بھی ایک روز تھک ہی جائے گا... جن لوگوں پہ محبت اثر نہیں کرتی... وہ اپنے اندر پلنے والے حسد اور نفرت سے ہی ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں اور جو لوگ محبتیں بانٹتے ہیں، وہ کبھی نہیں بکھرتے۔۔۔

یہی پیغام ہے آپ سب کے لیے اور یہی التجا بھی ۔۔۔

”محبت بانٹنے والے بنیں اور تلخ لہجوں کو تسخیر کر لیں“

اپنی دعاوں میں یاد رکھیے گا... اللہ تعالی ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔۔۔(آمین)

آپ کی قیمتی آراء کی منتظر۔۔۔

مصباح مشتاق

misbahmushtaq21@gmail.com

صبح کے سات بج چکے تھے اور مایا ابھی تک اٹھنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اتنے میں اس کی امی اس کے کمرے میں داخل ہوئیں اور اس کے منہ سے لحاف ہٹا کر بولیں۔

"مایا! کالج نہیں جانا کیا؟ تمھاری گاڑی آنے میں آدھا گھنٹا نہیں رہتا۔ کتنی بار تمھاری آپی تمھیں جگا کر گئی ہیں۔ حد ہوتی ہے ہر بات کی۔ اٹھ جاؤ اب جلدی سے۔"

مایا ہڑبڑا کر اٹھی۔ لحاف ایک طرف ہٹا کر سامنے دیوار پر لگی گھڑی کو دیکھا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"امی! حد میری ہو گئی ہے یا آپ لوگوں کی۔ ہزار بار کہا ہے کہ جب تک میں اٹھ کر بیٹھ نہ جاؤں، مجھے جگاتے رہا کریں۔ مجھے نہیں پتا چلتا، آپ کو تو پتا ہی ہے کہ صبح بہت گہری نیند آتی ہے۔"

"واہ... بیٹی! واہ... کیا بات ہے تمھاری۔ ایسا کرو کہ ایک نوکر رکھ لو، جو صبح پانچ بجے تمھارے بستر کے پاس آکر کھڑا ہو جائے اور مسلسل تمھیں جگاتا رہے، صبح ہم لوگ گھر کے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں اور ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ یہ ڈیوٹی بھی سرانجام دیں۔"

یہ سن کر مایا بڑبڑاتی ہوئی واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ وہاں سے فارغ ہو کر وہ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے گھنے بالوں کی چٹیا بنانے میں مصروف تھی۔ دبلی پتلی سی، لمبے قد والی مایا کالج کے سفید یونی فارم میں اور بھی کھل اٹھتی تھی۔ صبح اٹھتے ہی فریش ہو کر اپنی آنکھوں میں کاجل لگانا اس کا روز کا معمول تھا۔ وہ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں اپنے آپ سے ڈھیروں باتیں کرتی رہتی۔

پھر وہ بلیک عبایا پہن کر اپنا اسکارف ٹھیک کرتی ہوئی کچن میں آ گئی۔

"امی! جلدی سے کھانے کو کچھ دے دیں، ورنہ! انکل طاہر ابھی ہارن پر ہارن بجانا شروع کر دیں گے۔"

مایا سکینڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی اور کالج میں اپنی شرارتوں کی وجہ سے بہت مشہور تھی۔ اس کی تقریباً سبھی سہیلیوں کی اس کی شرارتوں کی وجہ سے پرنسپل کے ہاتھوں عزت افزائی ہو چکی تھی۔ کبھی ٹیچرز کی پیروڈی اور کبھی فرسٹ ایئر کی لڑکیوں سے چھیڑ خانی۔ مایا کے لیے اس کا کالج کسی انٹرٹینمنٹ کی دنیا سے کم نہیں تھا۔ موج مستی، ہلا گلا، یہی سب زندگی کی خوشیوں کا سبب تھا۔ بھلے وہ جتنی بھی شرارتی تھی، مگر اپنی پڑھائی کے لحاظ سے بھی کالج کی ایک نمایاں اسٹوڈنٹ تھی، اس لیے اکثر اس کی ٹیچرز اس کا لحاظ کر جاتی تھیں۔

مایا کی ایک ہی بہن تھی، نیہا۔ وہ عمر میں مایا سے پانچ سال بڑی تھی۔ نیہا سے ایک بڑا بھائی تھا، اسد، جو کہ شادی شدہ تھا اور اس کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ اسد کی بیوی کا نام ردا تھا اور اس کی مایا اور نیہا سے کم ہی بنتی تھی۔۔ نیہا تو پھر بھی کچھ بیچ بچاؤ کر لیتی تھی، مگر مایا ہر وقت ردا کی روک ٹوک کا نشانہ بنتی۔ عبید سب بہن بھائیوں میں چھوٹا تھا، لیکن مایا اور عبید کا چوں کہ عمروں میں صرف دو سال کا فرق تھا، اس لیے ان دونوں کی آپس میں لڑائی بھی خوب ہوتی اور دوستی بھی خوب تھی۔ اسد کافی سخت طبیعت کا مالک تھا اور گھر میں تقریباً ہر فرد اس کے موڈ کے حساب سے ہی بات کرتا تھا۔ ورنہ اس کی سب سے بڑی کوشش یہی ہوتی تھی کہ وہ اس کے سامنے خاموش رہے۔

مایا کے ابا افضل صاحب ایک فرنیچر کی دکان پر کام کرتے تھے۔ اکثر فرنیچر کی پالش اور معمولی سی ریپیئرنگ کے لیے لوگوں کے گھر میں بھی کام کرنے کے لیے چلے جایا کرتے تھے، کافی محنتی انسان تھے، جب کہ مایا کی والدہ ایک گھریلو خاتون تھیں۔ مایا کا گھر روالپنڈی کے ایک گنجان آباد علاقے میں تھا۔ ان کا تعلق ایک مڈل کلاس فیملی سے تھا۔ گھر کے صرف دو افراد کماتے تھے۔ اسد ریلوے ڈیپارٹمنٹ میں اکاؤنٹینٹ تھا۔ سرکاری نوکری ہونے کی وجہ سے اسے سرکاری مکان کا بڑا فایدہ تھا۔ ورنہ کرائے کے گھروں کا انسان کرایا دے یا گھر کا خرچہ چلائے۔ جب کبھی شادیوں کا سیزن ہوتا تو افضل صاحب کا فرنیچر کا کام بہت عروج پر ہوتا۔ وہ کم سے کم اتنا کما لیتے تھے کہ ان سے کچھ ماہ آرام سے گزر جاتے تھے۔ مگر اب وہ کافی بچت کرنے لگے تھے، کیوں کہ نیہا کی شادی کی فکر انھیں لگی رہتی۔ نیہا نے میٹرک کے بعد تعلیم چھوڑ دی تھی، کیوں کہ اسے پڑھنے سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا۔ ویسے بھی وہ گھر کے کاموں میں زیادہ دل چسپی لیتی تھی۔ کبھی وہ کوئی کڑھائی سلائی کا کام، تو کبھی وہ نئی ڈش بنانے کی کوشش کرتی۔ پڑھائی کا شوق

نہ ہونے کی وجہ سے اس نے بہت مشکل سے میٹرک کیا تھا۔ نیہا کی منگنی اس کے ماموں کے بیٹے رمیل سے ہو چکی تھی اور اگلے ماہ اس کی شادی کی تاریخ مقرر کر دی گئی تھی۔

عبید کا میٹرک کا آخری سال تھا اور آگے اس کا پرائیویٹ تعلیم جاری رکھنے کا ارادہ تھا۔ مایا بھی اس کام میں اس کی ہم خیال تھی۔ وہ دونوں اپنی تعلیم کے اخراجات خود اٹھانا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ کوئی پارٹ ٹائم چھوٹی موٹی جاب کر کے ابا جان اور اسد کا ہاتھ بٹائیں۔ اسد پارٹ ٹائم ایک نجی ٹریول ایجنسی کے اکاؤنٹس بھی دیکھتا تھا۔ اس طرح کافی محنت کر کے کہیں گھر کے اخراجات پورے ہوتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس کا مزاج زہر کی حد تک کڑوا ہو چکا تھا۔ ردابھا بھی کافی بار کوشش کر چکی تھی کہ وہ الگ ہو جائیں۔ وہ اسد اور اپنے بچوں کو لے کر کہیں اور گھر لے لے، مگر چوں کہ سرکاری تھا اور اسد بھائی کو ملا ہوا تھا، اس لیے وہ خاموش ہو جاتی تھی، ورنہ اگر اس کے بس میں ہوتا، تو وہ کب کی اسد بھائی اور بچوں کو لے کر کہیں اور جا چکی ہوتی۔

ہنستی کھیلتی مایا زندگی کے ہر لمحے کو جینے والی لڑکی تھی اور اس کی اپنی ہی ایک الگ دنیا تھی۔ وہ اپنے خوابوں میں رہتی، اپنے دل سے باتیں کرتی اور اتنے یقین سے ہر راز کو اپنے دل کو سونپتی، جیسے وہ اسے سن کر جواب دے گا اور اکثر ایسا ہوتا بھی تھا۔

مایا کے بڑے بڑے خوابوں میں سے ایک خواب یہ بھی تھا کہ وہ اپنے آپ کو اتنا مستحکم کر لے کہ اسے زندگی میں چھوٹی بڑی ضرورتوں کے لیے کبھی بھی کسی کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ اس قابل ہو جائے کہ اپنی زندگی میں وہ ان لوگوں کی مدد کر سکے، جو ضرورت مند ہوں۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ایسا وسیلہ بن جائے کہ لوگوں کی زندگیوں میں سے اندھیرا دور کر کے روشنی کا سبب بن جائے، خواہ وہ اندھیرے غربت و افلاس کے ہوں یا گمراہی کے۔ وہ زندہ دل لڑکی ہر مایوس انسان میں زندگی بھرنا چاہتی تھی۔ کبھی کبھی کچھ چیزوں کا عطا ہونا ہماری نیتوں پر منحصر ہوتا ہے۔ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ انسان اپنی نیت صاف رکھے، تو راستے خود بخود اللہ تعالیٰ کی طرف سے بننے لگتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں، جو کوشش تو کرتے ہیں، لیکن اپنی نیت صاف نہیں رکھتے، کہیں نہ کہیں ذرا برابر میل ان کی نیتوں میں آجاتا ہے اور وہ اپنے اصل مقصد سے ہٹ جاتے ہیں۔ ہزارہا کوششوں کے باوجود بھی وہ کبھی اپنی منزل سے ہم کنار نہیں ہوتے۔

سائیکالوجی کی کلاس میں سب لڑکیاں بیٹھی مسز عفت کے آنے کی منتظر تھی کہ مایا اٹھی اور مارکر اٹھا کر بورڈ پر کچھ لکھنے لگی۔ جیسے ہی اس نے لکھ کر پیچھے کلاس کی طرف دیکھا، تو لیکچر روم میں موجود پوری کلاس زور زور سے ہنسنے لگی۔ مایا کھلکھلا کر ہنسی۔ اتنے میں مسز

عفت کمرے میں داخل ہو گئیں اور سب کو بورڈ کی طرف دیکھ کر ہنستے دیکھا، تو ادھر متوجہ ہو گئیں۔ مایا نے جھٹ سے ڈسٹر پکڑ کر تحریر مٹانے کی کوشش کی، تو مسز عفت نے اسے زبردستی سے جھڑک دیا۔

"مایا! ٹھہر جاؤ۔"

اور وہ تحریر پڑھنے لگیں۔

"سائیکالوجی کے آدھے سے زیادہ اساتذہ سیدھے ٹریٹمنٹ سے فارغ ہو کر لیکچر شپ جوائن کرتے ہیں۔ آر یو ایگری گرلز؟؟؟"

مسز عفت یہ پڑھتے ہی بہت عجیب نظروں سے مایا کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"مایا! آج تک کی تمھاری سب شرارتیں اس لیے نظر انداز کر دی جاتی تھیں، کیوں کہ تم نے کبھی کسی کی دل آزاری نہیں کی تھی، مگر اب جو تم نے یہ لکھا ہے ناں! میں تمھیں ایک ہی بات کہوں گی، جو لوگ اپنے اساتذہ کا احترام نہیں کرتے، وہ زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ اگر تمھارے کوئی خواب نہیں ہیں، زندگی کا کوئی نصب العین نہیں ہے، تو تم یہ سب کچھ جاری رکھو، لیکن میری کلاس میں، میں تمھیں دوبارہ اس چیز کی اجازت نہیں دے سکتی۔ آپ سیکنڈ ایئر میں ہیں اور اس عمر میں بچیاں اس قابل تو ہو جاتی ہیں کہ استاد کے رتبے کو پہچان سکیں۔ تمھاری اس حرکت سے پوری کلاس میں مسکراہٹیں تو بکھر گئیں، مگر تم نے اپنی ٹیچر کا دل دکھایا۔ میں آج تمھاری کلاس نہیں لے سکتی۔"

اتنا کہہ کر وہ چلی گئیں۔

مایا کا دل چاہا کہ وہ مسز عفت کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگ لے۔ اسے آج تک اپنی شرارتوں سے اتنا بڑا سبق نہیں ملا تھا، جو اسے آج ملا تھا۔ وہ آنسو پونچھتی ہوئی مسز عفت کے پیچھے بھاگی، جو کوریڈور عبور کرتے ہوئے اسٹاف روم کی طرف جا رہی تھیں۔

"میڈم! پلیز! میری بات سنیں۔"

مایا بھاگتی ہوئی ان تک پہنچی۔ مسز عفت رک گئیں۔

"میڈم! میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتی ہوں۔ پلیز! مجھے معاف کر دیں۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ آیندہ کبھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے مسز عفت کو التجائیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

مسز عفت نے اسے بے اختیار گلے لگا لیا اور بولیں۔

"بیٹا! تم ہمارے کالج کی برائٹ اسٹارز میں سے ایک ہو۔ اگر تم رول ماڈل ہوتے ہوئے ایسا نمونہ پیش کرو گی، تو تم خود بتاؤ، باقی اسٹوڈنٹس کیا کریں گی؟ اور مایا! تمھاری آنکھوں میں جو خواب ہیں، انھیں پورا کرنے کے لیے محنت کے ساتھ ساتھ دعاؤں کی بھی ضرورت ہے۔ تم کوشش کرو کہ آج کے بعد وہ شرارتیں کرو کہ جو بلا واسطہ یا بلاواسطہ کسی دوسرے کی دل آزاری نہ کرے۔"

اس کے لیے مسز عفت کی باتوں میں بہت گہرا سبق تھا۔ وہ بریک کے دوران میں ناچاہتے ہوئے بھی ان باتوں کو سوچتی رہی۔

کمپیوٹر بلاک سے پیچھے ایک بیڈ منٹن کورٹ تھا۔ وہاں سیدھے ہاتھ پر ایک چھوٹا سا گراؤنڈ تھا۔ اس گراؤنڈ میں ایک مخصوص بنچ تھا، جو کہ مایا کی پسندیدہ اور پوشیدہ جگہ تھی، جہاں وہ تب آکر بیٹھتی تھی، جب اسے باتیں کرنے کے لیے صرف اور صرف اپنا دل چاہیے ہوتا۔ اس کی سب سہیلیاں جانتی تھیں کہ جب بھی مایا کو کوئی فکر لاحق ہوتی تھی، تو وہ سب سے الگ تھلگ رہ کر جلد ہی اپنی خوش گوار موڈ میں آجاتی ہے۔ کچھ لوگوں میں یہ شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عنایت ہوتی ہے کہ وہ اپنے دکھ اپنے اندر رکھ کر انھیں بہتر طور پر حل کر سکتے ہیں، بجائے اس کے کہ وہ دس اور لوگوں کو بتائیں اور اپنی پریشانی میں مزید اضافہ کریں۔

"دل! تمھیں تو پتا ہی ہے کہ وہ جو کچھ بھی مسز عفت کی کلاس میں ہوا، اس کے بارے میں میری یہ نیت نہیں تھی کہ میری وجہ سے ان کا دل دکھے۔ میں نے تو سوچا تھا کہ سب کو ہنساتی ہوں اور بعد میں جلدی سے مٹا دوں گی، مگر... پتا نہیں، وہ سب کیوں ہوا؟"

وہ سب سے الگ تھلگ اکثر حالات و واقعات کا یوں ہی تجزیہ کرتی۔ وہ اپنے ہر ہر مسئلے اور ہر ہر پریشانی کو یوں ہی اپنے دل کے ... سامنے کھول کر رکھ دیتی اور پھر اپنی غلطی پر اپنی سچائی اس صفائی سے دیتی کہ اس کا کوئی راز راز نہ رہتا

وہ اپنے دل کے ساتھ یوں باتیں شیئر کرتی، جیسے وہ اس کی گہری سہیلی ہو اور حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ اس طرح اپنے دل سے باتیں کر کے اپنے مسائل کا حل بھی نکال لیتی۔ کافی دیر اپنے دل سے باتیں کرنے کے بعد وہ مطمئن ہو کر اس نتیجے پر پہنچی کہ آج کے بعد جو وہ وقت اپنے اس نٹ کھٹ پن میں گزارتی ہے، وہی وقت اپنی پڑھائی کو دے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ یہ ایک اچھا مشورہ تھا، جو مایا کے دل نے اسے دیا تھا۔

اتنے میں چھٹے پریڈ کی گھنٹی بجی، اور مایا تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی فلاسفی کی کلاس کی طرف چلی گئی۔

یوں تو مایا کی بہت سی سہیلیاں تھیں، مگر آمنہ اس کی سب سے گہری سہیلی تھی اور اسے اچھی طرح سے سمجھتی تھی۔ اس کے اور آمنہ کے مضمون ایک سے تھے، اس کے علاوہ وہ ایک ہی وین پر گھر سے اسکول اور اسکول سے گھر جاتی تھیں، اس لیے ان دونوں کی دوستی بھی گہری تھی اور آمنہ اکثر مایا کے گھر آتی جاتی رہتی تھی۔ آمنہ دو سال مایا کے ساتھ رہ کر اتنا تو جان چکی تھی کہ جب وہ کسی مسئلے کا شکار ہوتی ہے، یا کوئی گہری پریشانی اس کے ذہن پر مسلط ہو جاتی ہے، تو اس لمحے اسے صرف اس کا دل ہی بہتر طور پر سمجھا سکتا ہے، اس لیے وہ ایسے وقت میں وہ مایا کا انتظار کرتی کہ وہ جب بھی بہتر محسوس کرے اور اسے لگے کہ اب اسے واقعی اس کی ضرورت ہے، تو وہ خوشی خوشی اس کا حوصلہ بڑھاتی۔

ٹھیک دو ہفتے بعد مایا کے دو کمپلسری مضامین کے ٹیسٹ تھے، جس کے لیے وہ ضرورت سے زیادہ پریشان تھی، کیوں کہ نیہا کی شادی کی تاریخ ٹھیک اس کے دو ہفتے بعد کی تھی۔ ساتھ ساتھ ساری تیاریاں دیکھنی اور ساتھ پڑھائی کی فکر۔ مایا کو ماں اور بہن کے ساتھ بازار کے کئی چکر بھی لگانا پڑتے، گو کہ شادی بڑے پیمانے پر نہیں تھی، مگر بہت ہی سادگی سے ہوتے ہوئے بھی کافی کام تھا، جن کا کرنا بے حد ضروری تھا۔ مایا کا گھرانا بہت مذہبی گھرانا تو نہیں تھا، مگر ان کے گھر کی ہر عورت پردے کا خاص خیال رکھتی۔ مایا اور نیہا دونوں ہی حجاب کے ساتھ عبایا پہنتیں۔ مایا کی والدہ بھی لمبی چادر اوڑھ لیتیں۔ نماز کی پابندی اتنی زیادہ تو ان کے گھر میں نہیں تھی، لیکن گھر کا ہر فرد سوائے ردا بھابھی اور اسد بھائی کے، دن میں پانچ نمازوں میں سے دو تین نمازیں تو ضرور پڑھ لیتا تھا۔ شروع میں ایک دو بار مایا کی والدہ نے ردا کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کر لیا کرو، لیکن باتوں کے بتنگڑ بن کر باتیں کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہیں اور ہاتھ کچھ بھی نہیں آتا سوائے بدنامی کے۔ لہٰذا اس کے بعد انھوں نے کہنا ہی چھوڑ دیا۔

مایا کالج سے آکر کھانا کھانے بیٹھی، تو نیہا نے مایا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”مایا! تمھیں پتا ہے کہ کل شام کو عاطف بھائی کی اپنی بیوی سے لڑائی ہوئی ہے۔ وہ کوثر بتا رہی تھی کہ نوبت مار پیٹ تک آگئی تھی۔“

”نہیں... آپی! مجھے تو نہیں پتا اور ویسے بھی آپ کو پتا ہے کہ میرا دھیان لڑائی جھگڑے والی باتوں کی طرف نہیں ہوتا ہے۔“

وہ یہ کہہ کر برتن کچن میں رکھنے چلی گئی۔ نیہا جو اس کے ساتھ صحن میں رکھی چارپائی پر بیٹھی، اس کی لاتعلقی سے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ ورنہ! لڑکیاں تو ایسی باتیں، بے شک پرائے گھر کی ہی کیوں نہ ہوں، نہیں چھوڑتیں۔ چسکے لے لے کر سنتی ہیں اور عاطف تو

پھر بھی ان کا خالہ زاد بھائی تھا۔ نیہا سے چھے سال بڑا تھا اور الیکٹریکل انجینیئر تھا۔ چار ماہ پہلے اس نے کاندان سے باہر پسند کی شادی کی تھی اور دو تین ماہ سے ان کے چھوٹے موٹے لڑائی جھگڑے خاندان میں مشہور تھے۔

عاطف کے والد چند سال پہلے دل کے دورے سے وفات پا چکے تھے اور عاطف اپنی والدہ کا اس دنیا میں واحد سہارا تھا۔ اکلوتا ہونے کی وجہ سے بچپن ہی سے اسے اپنے والدین کا بے پناہ لاڈ پیار ملا تھا۔ جسے اس نے کبھی مثبت لیا، تو کبھی منفی۔ خوش ہوتا، تو اپنے دوستوں کے ساتھ حد سے زیادہ سیلیبریٹ کرتا۔ گھومنا پھرنا اور انجوائے کرنا اس کے شوق تھے۔ جو کماتا تھا، وہ اپنے دوستوں پر اڑا دیتا تھا، مگر اپنے والد کی وفات کے بعد اس نے اپنی زندگی کو قدرے سنجیدگی کے ساتھ گزارنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنی شادی کے لیے اپنی ماں کی پسند کو اہمیت دینے کے بجائے اپنی پسند کی دلہن لے کر آیا تھا، جو اس کے آفس سے قریب ایک بنک میں کسٹمر سروس ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتی تھی۔ کچھ عرصہ تو عاطف اور اس کے افیئر کا خاندان میں خوب چرچا ہوا، لیکن یہ بات زیادہ عرصہ چل نہ سکی، کیوں کہ خالہ صغریٰ کو اپنے بیٹے کی مرضی کی بہو بیاہ کر لانا ہی پڑی۔ خالہ صغریٰ چاہتی تھیں کہ وہ کوئی اپنے خاندان کی لڑکی بیاہ کر لاتیں۔ یوں بیٹا تو ان کے ہاتھ میں رہتا۔ کہتے ہیں ناں کہ جب تک دل میں نیت اور گمان اچھا نہ ہو، تو نتائج بھی اپنی مرضی کے نہیں نکلتے۔ یہی خواہش اگر خالہ اپنے خاندان میں سے کسی گھر کو بھائی سوچ کر دل میں لاتیں، تو کیا پتا رب پوری بھی کر دیتا۔ دراصل ہم لوگ اتنے خود غرض ہیں کہ اپنے فائدہ کے علاوہ کبھی اپنے ذہن میں کچھ لاتے ہی نہیں ہیں۔ جہاں ہمیں اپنا مفاد دکھائی دیتا ہے، وہاں رشتے داری جوڑنے کی ہماری اولین خواہش بن جاتی ہے۔

اور پھر بری نیت کا برا نتیجہ سامنے جلد ہی آ جاتا ہے۔ عاطف اور اس کی بیوی کے آئے دن کے لڑائی جھگڑے جلد ہی خالہ صغریٰ کے گھر کی سنسنی خیز بریکنگ نیوز کے طور پر نشر ہونے لگے۔ جس کا مظاہرہ نیہا نے ابھی ابھی کر دیا تھا۔

”اچھا! سنو! زارا سے بات ہوئی تھی۔ وہ نکاح والے دن اپنی سہیلی کو لے کر آئے گی، لیکن کہہ رہی تھی کہ میک اپ کا سامان آپ کو اپنا دیں، تو پھر وہ گھر آ کر تیار کر جائے گی، مگر میک اپ کٹ اور باقی سامان کا بندوبست کرنا ہوگا۔ میں تو یہی سوچ رہی ہوں۔“

”آپی! آپ کیوں فکر کرتی ہیں، ہو جائے گا سارا بندوبست۔ میں کچھ آمنہ سے پتا کر لوں گی۔ ویسے بھی امی کہہ رہی تھیں کہ میک اپ کے لیے کچھ چھوٹی موٹی چیزیں خریدنی ہیں۔ آپ یہ ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دیں۔“

مایا یہ کہہ کر اپنی کتابیں کھول کر بیٹھ گئی۔ کچھ ہی دیر میں دروازے پر دستک ہوئی اور ان کی امی اندر داخل ہوئیں۔

امی! غالباً آپ تو بازار گئی تھیں، پھر اتنی دیر کہاں لگ گئی۔" نیہا نے قدرے تشویش سے اپنی امی سے پوچھا۔"

"ارے بیٹا! کیا بتاؤں، گئی تو میں بازار ہی تھی، لیکن راستے میں کوثر مل گئی، اس نے بتایا ہے کہ صغریٰ کے گھر میں طوفان برپا ہو گیا ہے۔"

" آئے ہائے... امی! کیا ہو گیا ہے خالہ صغریٰ کے گھر میں؟"

نیہا مزید پریشان ہو گئی۔

"نیہا! کیا بتاؤں، وہ عاطف کی بیوی ہے ناں! اس کا چکر ہے کسی اور لڑکے کے ساتھ، اس لیے تو وہ عاطف کے ساتھ روزانہ لڑائی جھگڑا کرتی رہتی ہے۔ بے چارے عاطف کا تو ذرا سا منہ نکلا ہوا تھا۔ صغریٰ آپا تو الگ رو رو کر خود کو ہلکان کیے جا رہی تھیں۔ وہ کیا نام ہے اس بد بخت کا... ہاں! انیتا، وہ تو بے شرم ایسے بنی پھرتی تھی کہ مت پوچھو، بے چارہ لڑکا خود منہ چھپاتا پھر رہا تھا، میرے سامنے تو آیا ہی نہیں، اپنے کمرے میں بند رہتا ہے۔ تمھاری خالہ بتا رہی تھیں کہ دو دن سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے۔ بے وفائی ہوتی ہی بڑی بری شے ہے، جس کے ساتھ ہوتی ہے، وہی جانتا ہے کہ اس پر کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔۔۔"

"امی! عاطف بھائی کو بھی تو خاندان بھر میں سے کوئی لڑکی نہیں ملی تھی۔ لے دے کر ایسی ویسی پسند آگئی اور اسے بیاہ کر بھی لائے، اب بھگتیں ناں! خالہ سکینہ کی بچیاں کتنی اچھی ہیں، سحر کتنی پیاری لڑکی ہے اور ہم عمر بھی تھی۔ خوش شکل بھی تھی اور اب تو اس کا ایم۔اے بھی مکمل ہو چکا ہے۔ بس چھوڑیں امی! آپ کیوں ٹینشن لیتی ہیں۔ جس نے جس طرح کا کیا ہے، اسے ویسا ہی بھرنا ہے۔"

نیہا لگاتار بولتی چلی گئی تھی۔

"آپی! مجھے تو سمجھ نہیں آتی کہ بھلا یہ بات خاندان بھر میں بتانے والی تھی۔ ان لوگوں کو اپنی عزت اور بے عزتی کا کچھ خیال نہیں ہے۔"

"مایا بیٹا! وہ کوثر جو ہے ناں! وہ ان کے گھر کا بھیدی ہے، اس نے پورے محلے میں انیتا کے لچھنوں کا ڈنکا بجایا ہے۔ ورنہ! وہ خود کہاں کسی کو بتاتے ہیں۔"

" امی! توبہ کریں ایسی کام والیوں سے۔ خالہ صغریٰ بھی اسے ہی گھر میں اسے رکھ کر بیٹھی ہیں، کوئی اور رکھ لیں۔"

مایا نے اتنا کہہ کر کتابیں سمیٹیں اور کمرے کی طرف چلی گئی۔

اب نیہا کافی دیر تک اپنی امی سے اس قصے کی مزید تفصیلات پوچھتی رہی۔

مایا کتابیں کھولے پڑھنے کی کوشش کرتی رہی، لیکن ساتھ ساتھ اپنے دل سے بھی ہم کلام رہی۔

"پتا نہیں کیسے لوگ ہوتے ہیں، جو اپنے دل کے جذبات ہر نئے شخص کے لیے بار بار بدلتے رہتے ہیں۔ پرانے کا وجود ہی صفحہ ہستی سے مٹا دیتے ہیں۔ یہی انیتا تھی، جس نے کئی ماہ تک عاطف بھائی کو اپنی محبت کے جال میں پھنسائے رکھا اور جب گھر بس گیا، تو پھر کہیں اور... اللہ تعالیٰ ہی بچائے ایسے لوگوں سے... پتا نہیں کیا مجبوری ہوتی ہے ایسے لوگوں کی کہ وہ اپنی وفاؤں کو کسی ایک کے نام نہیں کرتے... بھٹکتے ہی پھرتے ہیں۔ خیر چھوڑو! ہمیں کیا۔"

اب اس نے دل ہی دل میں موضوع بدلتے ہوئے کتابوں کی طرف دھیان دیا۔

اگلے کچھ دنوں تک اس قصے کے بارے میں کوئی نئی اطلاع نہ ملی۔ مایا، نیہا اور امی کے ساتھ کئی بار بازار کے چکر لگاتی رہی تا کہ شادی کی تیاریاں مقررہ وقت تک مکمل ہو سکیں۔ افضل صاحب جو کچھ کماتے، اپنی بیوی کے ہاتھ میں تھما دیتے، لیکن اسد نے کبھی اپنے ماں باپ سے یہ تک نہ پوچھا کہ کیا انتظامات کرنے ہیں اور کیسے ہو گا یہ سارا بندوبست؟ آخر کار رات کے کھانے پر افضل صاحب نے اپنی بیوی کے کہنے پر اسد سے بات شروع کی۔

"اسد بیٹا! نیہا کے فرنیچر کا تو میں نے بندوبست کر دیا ہے اور وہ ان شاءاللہ اگلے ہفتے تک تیار ہو جائے گا۔ باقی جو جہیز کا چھوٹا موٹا سامان ہے، وہ تمھاری امی ساتھ ساتھ تیار کر رہی ہیں، لیکن بیٹا! میں سوچ رہا تھا کہ سب کچھ کر کرا کر بھی ایک بڑی ذمے داری تمھارے کندھوں پر آ ہی جائے گی۔۔۔"

اس سے پہلے کہ افضل صاحب تفصیل بتاتے، اسد تیزی سے بول اٹھا۔

"ابو جی! بتائیں کہ باقی کیا رہ گیا ہے، جو آپ کو میری قلیل تنخواہ میں پورا ہوتا دکھائی دے رہا ہے؟"

بیٹے کی بات سنتے ہی ان کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"نہیں... بیٹا! کچھ نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ وارث ہے، وہ پورے کر دے گا۔"

اتنا کہہ کر وہ اپنا نڈھال سا وجود لیے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

نیہا، مایا اور عبید تینوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ پھر وہ افسردہ سے ہو کر وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

مایا اپنی والدہ سے مخاطب ہوئی، جو کچن میں روٹی بنانے میں مصروف تھیں۔

" امی جان! ایک بات تو بتایئے کہ آپ نے ابو سے کہا تھا کہ وہ بھیا سے بات کریں؟"

"ہاں۔۔ بیٹا! کیوں کیا ہوا؟ میں تو بس اتنا سا کہا تھا کہ شادی کے کھانے کی ذمہ داری اسد پر ڈال دیں... مایا! اب ہمارے پاس اتنے پیسے کہاں ہیں کہ ہم کھانے کا بندوبست کر سکیں، لیکن ہوا کیا ہے؟"

"امی جان! اسد بھیا ہم میں سے کسی بھی ذمہ داری اٹھانے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوں گے، حالاں کہ وہ اس قابل ہیں۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ وہ ہم سب کا وجود اس گھر میں برداشت کر کے بیٹھے ہیں اور کبھی تھوڑا بہت گھر کے خرچے میں مدد کرتے ہیں، ورنہ! آپ کو تو ان کے بارے میں سب پتا ہے۔ پلیز! آیندہ ابو کو مت تنگ کیجیے گا۔ آپ کے مان، آپ کے بھروسے سے قائم ہیں۔ اسد بھیا سے آپ خود بات کیا کریں۔"

مایا یہ کہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ وہاں نیہا پہلے سے ہی اپنے گھٹنوں میں سر دے کر روئے جا رہی تھی۔

" ارے آپی! یہ کیا بات ہوئی؟ یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ پلیز! اٹھیں۔۔۔۔"

مایا نے اپنی بہن کا سر اوپر اٹھا کر اسے دلاسا دینے کی کوشش کی، تو نیہا بے اختیار اس کے گلے لگ گئی۔

"مایا! تمھیں پتا ہے ناں! کہ میں نہیں چاہتی کہ ابو جان پر کوئی ذرا برابر بھی اضافی بوجھ پڑے۔ وہ پہلے سے ہی اتنا کچھ کر رہے ہیں اور اوپر سے آج اسد بھیا کی اتنی بے حسی۔ مجھے نہیں کرنی یہ شادی وادی، تم جا کر امی کو منع کر دو۔"

"آپی! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ کیا آپ اسد بھیا کی عادت سے واقف نہیں ہیں؟ اور آپ نے سوچ کیسے لیا کہ آپ شادی نہیں کریں گی؟ اگر آپ شادی نہیں کریں گی، تو میری باری کیسے آئے گی؟ خدا کے لیے کچھ میرا ہی خیال کر لیں۔"

یہ سن کر نیہا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ مایا نے اپنی بہن کا موڈ خاصا خوش گوار کر دیا تھا۔ مگر وہ دل ہی دل میں بہت پریشان تھی کہ اگر وہ آج کسی قابل ہوتی، تو آج اپنے باپ کا کچھ نہ کچھ بوجھ ہی بانٹ لیتی۔

ادھر ردا بھی کافی دیر تک اسد بھیا کے ساتھ بڑے سکون سے باتیں کرتی رہیں، پھر کھانا کھا کر دونوں اپنے کمرے میں سونے چلے گئے۔ کچن کے ساتھ والا کمرا اسد بھیا کا تھا جب کہ باقی دو کمرے باقی لوگوں کے استعمال میں تھے۔ نیہا اور مایا کا کمرا مشترکہ تھا جب کہ عبید امی ابو کے کمرے کے ایک کونے میں ایک سنگل بیڈ پر سوتا تھا۔ گھر چوں کہ سرکاری تھا، اس لیے نارمل سائز کے کمرے تھے اور وہ بھی پرانی طرز کے بنے ہوئے تھے۔ بڑا سا ایک صحن تھا، جو کہ پوری طرح سے پختہ نہیں تھا، کہیں کہیں سے ٹوٹا اکھڑا ہوا سیمنٹ جس میں سے کچی مٹی نکل آئی تھی۔ گھر کے اخراجات بڑی مشکل سے پورے ہوتے تھے، اس لیے مکان کی مرمت کرانے کی نوبت نہ آسکی تھی۔ لہٰذا جیسا بھی تھا، گزارہ کر رہا تھا۔

اسد کے اس رویے کے بعد افضل صاحب اپنے کمرے میں آکر لیٹ گئے تھے اور سونے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ ظاہری بات ہے، جب بیٹی کی شادی سر پر ہو، اور پیسے کا بھی کوئی خاص انتظام نہ ہو، تو باپ کو کہاں نیند آتی ہے اور ماں کے لیے بھی سکون کی کوئی گھڑی نہیں ہوتی۔ وہ رات انھوں نے کروٹیں بدل بدل کر بے سکونی اور بے چینی سے گزاری۔

اگلے دو دن مایا اپنے امتحانوں کی تیاری میں مصروف رہی۔ ٹھیک چار دن بعد اس کا انگلش کا پیپر تھا، مگر وہ چاہتے ہوئے بھی اپنا دھیان کتاب پر رکھ نہ پائی۔ اسے مسلسل یہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ اب کس سے ادھار مانگا جائے۔ لے دے کر خالہ صغریٰ کا نام ذہن میں آتا رہا۔ پھر وہ اٹھ کر سیدھا اپنی امی کے پاس چلی گئی، جو کہ اس وقت کچن میں ہنڈیا پکا رہی تھیں۔

"امی! وہ میں سوچ رہی تھی کہ کیوں ناں! خالہ صغریٰ سے کچھ پیسے ادھار لے لیتے ہیں اور بعد میں انھیں لوٹا دیں گے۔"

"مایا! تم اپنی پڑھائی پر دھیان دو، ہم نے بندوبست کر لیا ہے۔"

"اچھا امی! لیکن وہ کیسے، آپ نے تو مجھے بتایا ہی نہیں۔"

"بیٹا! وہ تمھارے چچا حارث ہیں ناں؟ انھیں فون کیا تمھارے ابو نے۔ انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ کچھ دن کے بعد وہ پیسے منی آڈر کر دیں گے۔"

"امی! چچا حارث کا وہ سلوک آپ کیوں بھول جاتی ہیں، جو انھوں نے پہلے ہمارے ساتھ کیا تھا۔ آپ یہ بات اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ یہ لوگ کبھی بھی مشکل وقت میں ہمارے کام نہیں آئے۔ چچا کی ڈیڑھ لاکھ سے اوپر تنخواہ ہے، آج تک کبھی انھوں نے اپنے

چھوٹے بھائی کے حالات جھوٹے منہ بھی پوچھے؟ اب بیٹی کی شادی ہے، کبھی انھوں نے ہمارے گھر میں ایک بار بھی خود فون کیا ہے اور تایا سکندر کا بھی مجھے پتا ہے کہ وہ کتنے ہمارے خیر خواہ ہیں۔"

"مایا بیٹا! میری بات سنو! کیا تم یہ نہیں چاہتی کہ تمھاری بہن کی شادی کسی شرمندگی کے بغیر ہو جائے؟ اور یہ تو خوشیوں کا موقع ہے، کیا ہوا، جو انھوں نے تھوڑی بہت مدد کر دی ہے، ہماری خوشیاں دوبالا ہو جائیں گی۔"

"امی! آپ سے ایک بات کہوں؟ یہ جو خوشیاں اپنی عزت نفس مجروع کروانے کے بعد حاصل ہوتی ہیں ناں! وہ خوشیاں کبھی بھی دیر پا نہیں ہوتیں۔ ان کا احساس اندر ہی اندر دم گھٹنے جیسا ہوتا ہے۔ جیسے جیسے انسان ان خوشیوں کو اپنے دل کے اندر محسوس کرنے کی کوشش کرتا ہے، ویسے ویسے وہ اندر ہی اندر جنگل کی آگ کی طرح پھیل کر تباہی کا سبب بنتی ہیں اور اسی لیے میرے نزدیک اپنے وقار اور اپنی عزت نفس کو برقرار رکھنا بذات خود بہت بڑی خوشی ہے۔ باقی لوگوں کا تو مجھے نہیں پتا، لیکن چچا حارث کی اس امداد کے بعد میں قطعاً خوش نہیں ہوں گی۔"

یہ کہہ کر مایا واپس اپنے کمرے میں چلی گئی اور دروازہ بند کر کے اپنی کتابوں کو دیکھنے لگی۔

کبھی کبھی ایک مشکل سدھارنے لگو، تو چار ہزار فکریں اور لاحق ہو جاتی ہیں۔ اب وہ دل ہی دل میں جانے کس کس کو کوسنے لگی۔

"پتا ہے، سارا قصور اسد بھیا کا ہی ہے، وہ اچھے بیٹے نہیں بن سکے، تو اچھے بھائی کیسے بنتے؟ بھائیوں کو اتنا شوق ہوتا ہے بہنوں کی شادیوں کا، لیکن۔۔۔۔۔"

مایا کا دل اس کی تکلیف میں مسلسل اس کے ساتھ تڑپے جا رہا تھا۔ وہ باتیں کرتی جاتی، وہ سنتا جاتا، کسی راز داں کی طرح سارے راز اپنے اندر سمو لیتا۔ یہی بات مایا کے لیے سکون کا سبب بنتی کہ سب کڑوی کسیلی باتیں اس کی اپنی ذات تک محدود تھیں۔ وہ کسی اور کو اپنے جذبات اور خیالات سے آگاہ نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ شاید لڑکیوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ جب راز دل کی چار دیواری سے باہر نکلتے ہیں، تو لوگ وہی راز ہمارے ہی پاؤں کی زنجیریں بنا ڈالتے ہیں۔ پھر انسان ان ہی نام نہاد راز داروں کے قدموں میں لڑکھڑاتا ہوا گر ہی جاتا ہے۔ دراصل ہماری کمزوریوں کو جاننے کا تجسس ہی لوگوں کو ہمارے قریب لاتا ہے اور جب ہم اپنا آپ کھول کر ان کے آگے رکھ دیتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں اپنی دکھتی ہوئی رگیں تھما دیتے ہیں، تو پھر یہ ان کی مرضی کہ وہ ہمیں اس غلطی پر کس نوعیت کی موت سے کتنی بار گزارتے ہیں، کیوں کہ آج کے دور میں شاید بھروسا کرنا ناقابل تلافی جرم ہے۔

مایا ایک ایسی لڑکی تھی، جو لوگوں کے تجربات سے ہی سبق سیکھ لیتی تھی۔ خود پر لوگوں کی چیزوں کو اثر انداز ہونے سے پہلے ہی ان کا ایسا تجزیہ کر لیتی کہ نتیجہ ہمیشہ اپنے حق میں ہی نکالتی۔ وہ واقعات کو اپنے طور پر ہی حل کرتی۔ شاید مشاہدہ کرنے والوں کو سب سے بڑا فایدہ یہی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے تجربات سے سبق سیکھ کر اپنی زندگی کو بہتر طریقے سے گزار سکتے ہیں۔

مایا کمرا امتحان میں بیٹھی تیز تیز لکھنے میں مصروف تھی کہ ایک دم اسے آمنہ کی سرگوشی سنائی دی۔

"مایا کی بچی! میری بھی سن لو۔ سوال نمبر پانچ کا جواب جلدی سے بتاؤ۔"

مایا نے فوراً سوالیہ پیپر کے ایک کونے میں جواب لکھ کر اس کی طرف موڑ دیا۔ آمنہ نے ایک نظر اس کے سوالیہ پیپر پر ڈالی اور پھر جلدی سے لکھنے میں مصروف ہو گئی۔ اس طرح جس چیز کی اسے سمجھ نہ آئی، وہ مایا سے پوچھتی رہی۔ تین گھنٹے کا پیپر مایا دو گھنٹے اور بیس منٹ میں کر کے فارغ ہو چکی تھی، لیکن آمنہ کی وجہ سے آخر تک کمرا امتحان میں بیٹھی رہی اور اپنے پیپر کو بار بار پڑھ کر وقت گزارتی رہی۔

اب پیپر دینے کے بعد وہ دونوں باقی کلاس فیلوز کے ساتھ مل کر اپنے جوابات پر تبصرے کرنے لگیں۔ مایا قدرے مطمئن تھی کہ جو جوابات اس نے اپنی جوابی کاپی پر لکھے تھے، وہ درست تھے۔ اسی طرح باقی کے دو پیپرز بھی بہت اچھے ہو گئے۔ اب مایا مکمل طور پر نیہا کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی۔

"امی! وہ چچا حارث نے رقم بھجوا دی تھی؟" مایا نے اپنی امی سے استفسار کیا۔

"نہیں... مایا!" وہ جھجکتے ہوئے بولیں۔ "ان کا کل کا وعدہ تھا، مگر کل تو نہیں ملے۔ اب آج تمھارے ابو انھیں فون کرتے رہے ہیں، ان کا فون بھی بند جا رہا ہے۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر دوبارہ فون کرتے ہیں۔"

"واہ... امی! دیکھ لیا آپ نے! کیا کہا تھا میں نے آپ سے؟ یہ وہی لوگ ہیں، جو اسد بھیا کی شادی پر کہتے تھے کہ آپ لوگ بے فکر ہو جائیں، ہم سب انتظامات دیکھ لیں گے، لیکن انتظامات دیکھنا تو ایک طرف رہا، وہ رسماً شادی پر بھی نہیں آئے تھے، حالاں کہ ہمارے گھر کی پہلی شادی تھی۔"

"مایا! تم چپ کرو، امی ابو کو جو بہتر لگتا ہے، وہ انھیں کرنے دو۔ تم کیوں بڑی بن جاتی ہو؟" نیہا نے مایا کو جلدی سے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"آپی! میں بڑی اس لیے بن جاتی ہوں، کیوں کہ آپ لوگ چھوٹے بن جاتے ہیں۔ ایک معمولی سی عقل و فہم رکھنے والا انسان بھی بار بار ایک گڑھے میں نہیں گرتا۔ مگر آپ لوگ بار بار اسی کھائی میں گرنا چاہتے ہیں، جہاں سے کئی بار لہولہو ہو کر نکلے ہیں۔ مرضی ہے آپ لوگوں کی! لیکن میری ایک بات یاد رکھیے گا کہ یہ ہمارے چچا اور تایا لوگ ہمارے ساتھ اس بار بھی کوئی انوکھا سلوک نہیں کرنے والے۔ غلط فہمی ہے آپ لوگوں کی وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"مایا! بس بھی کرو۔ جاؤ جا کر اپنے کپڑے استری کرو۔" اس کی امی نے اسے سختی سے ٹوکتے ہوئے کہا۔

وہ بغیر کچھ کہے وہاں سے ایک دم چلی گئی۔

"نیہا! اس لڑکی نے تو حد کر دی ہے۔ یہ لڑکی کچھ زیادہ ہی بڑی بڑی باتیں نہیں کرنے لگی اپنی عمر سے۔ انیس سال کی ہے ابھی، لیکن باتیں بڑی بوڑھی عورتوں کی طرح کرنے لگی ہے۔ تم بھی تو ہو کہ مجال ہے، کبھی یوں ٹرٹر کی ہو۔"

"اوہ ہو... امی! یہ سب کالج جانے کا کمال ہے۔ وہاں طرح طرح کی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ وہاں سے ایسی باتیں سیکھ کر آتی ہے۔ چھوڑیے آپ! وقت کے ساتھ ساتھ خود ہی سدھر جائے گی۔"

شاید اسی لیے ہم ابھی تک ترقی نہیں کر سکے، کیوں کہ جوں ہی لڑکی اپنے حق حقوق کے بارے میں بات کرنے لگی، وہیں تعلیمی اداروں کو موردِ الزام ٹھہرانا شروع ہو جاتا ہے۔ جو ادارے شعور پیدا کرنے میں مدد دیتے ہیں، وہی ادارے مختلف الٹے سیدھے القابات سے نوازے جاتے ہیں۔

نیہا کی شادی میں چار دن رہ گئے تھے۔ اب تک چچا حارث نے پیسوں کا انتظام تو دور کی بات، فون پر خبر تک نہ لی تھی۔ بھائی کا نمبر دیکھتے ہی فون بزی کر دیتے یا موبائل پاورڈ آف کر دیتے۔ اب افضل صاحب کو شدید فکر لاحق ہوئی۔ رمیل کے ابا عنایت ماموں کئی بار گھر آئے کہ کہیں کوئی مسئلہ تو نہیں ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً گھر آ کر دیکھتے کہ کسی مدد کی تو ضرورت ہو، تو وہ کر سکیں۔ آخر بہن بھائی اسی لیے تو ہوتے ہیں کہ مشکل وقت میں ایک دوسرے کے کام آ سکیں۔

اور پھر آخر کار وہی کرنا پڑا، جس کی تجویز مایا نے دی تھی اور اسے بری طرح سے رد کر دیا گیا تھا۔ اب اسی پر عمل درآمد کیا گیا۔ یوں خالہ صغریٰ سے پچاس ہزار کی بھاری رقم بطور قرضہ لی گئی، جو کہ ان کے لیے زیادہ مسئلہ نہیں تھی۔ عاطف کے بنک بیلینس کے ساتھ ساتھ خالہ صغریٰ کی اپنی کافی سیونگ تھی، جو کہ ان کے شوہر کی طرف

سے ان کے حصے میں آئی تھی۔ اسد بھیا نے ایک بار بھی جھوٹے منہ سے اپنے والدین سے نہ پوچھا۔ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر امداد کا مطلب روپیا پیسا ہو بلکہ اپنوں کے دیے ہوئے حوصلے بھی کبھی کبھی ہر چیز سے بڑھ کر تقویت دیتے ہیں۔ انسان میں وہ قوت بھی آ جاتی ہے، جو تھوڑے پر قناعت کرنا سکھا دیتی ہے اور وہ بھی خوشی سے۔ مگر شاید افضل صاحب کی اپنی قسمت میں ان کے بڑے بیٹے کی طرف سے وہ آسرا اور سہارا لکھا ہی نہیں تھا اور پھر وقت کون سا ایک جیسا رہتا ہے اگر آج کانٹوں کے بچھونے ہیں، تو کل کو پھول بھی کھلیں گے۔ ہر موسم ہمیشہ نہیں رہتا۔ والدین کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرتے ہوئے اولاد اپنے آنے والے کل کے بارے میں سوچ لے، تو وہ اس خوف سے ضرور لرز جائیں گے کہ کل کو ان کا وقت بھی ان کے والدین جیسا آنا ہے۔ ان کا موجودہ کردار ان کے بچے نہار رہے ہوں گے۔ ایسے تو نہیں کہتے کہ یہ دنیا مکافات عمل ہے۔

آخر کار نیہا کی شادی بڑے اچھے طریقے اور خوش اسلوبی سے طے پا گئی۔ وہ خیر سے اپنے گھر کی ہو گئی۔ رمیل انتہائی شریف لڑکا تھا اور ماموں زاد ہونے کے باوجود وہ نیہا کے گھر کے چکر بار بار نہیں لگاتا تھا۔ چھچھورے لڑکوں کی طرح پیغام رسانیاں بھی کبھی نہ کیں ۔اس کی منگنی تقریباً چھے ماہ پہلے ہو چکی تھی۔ اس دوران وہ کوئی چیز نیہا کے لیے پسند کرتا، تو کسی خوشی کے موقع پر اپنی امی کے ہاتھ نیہا کو بھجوا دیتا اور شادی کے بعد وہ نیہا کا خیال یوں رکھ رہا تھا جیسے کوئی محبت کرنے والا شوہر اپنی بیوی کا رکھتا ہے۔

رمیل کا اپنا ویب ڈیزائننگ کا بزنس تھا اور اس میں وہ ہر ماہ اچھا خاصا کما لیتا تھا۔ باہر کی کمپنیوں سے کنٹریکٹ مل جاتے، تو وہ گھر بیٹھ کر بھی اکثر کام کرتا رہتا تھا۔ ماموں عنایت کی اپنی کپڑے کی دکان تھی اور کافی منافع بخش تھی۔ رمیل کی دو بہنیں تھیں، جو کہ اپنی تعلیم مکمل کر رہی تھیں۔ ماہ نور نے میٹرک کا امتحان دے رکھا تھا اور علیشا پری میڈیکل کے فائنل ایئر میں تھی۔ وہ دونوں اپنی بھابھی کا دل و جان سے خیال رکھتی تھیں۔

☆☆☆

”میری فلائٹ E 716 ٹرمینل تھری پر لینڈ کرے گی اور میں دوبئی کے وقت کے مطابق دن ٹھیک 2:15 پر وہاں پہنچ جاؤں گا۔“

” ٹھیک ہے دانیال! باقی باتیں ملاقات ہونے پر ہوں گی ان شاء اللہ۔“

" جی ٹھیک ہے شاویز صاحب! میں ٹرمینل تھری کے باہر آپ کا ویٹ کروں گا۔"

شاویز مرزا راولپنڈی ڈی ایچ اے کا رہائشی تھا۔ اٹھائیس سالہ شاویز ایم بی اے مارکیٹنگ کرنے کے بعد سے ہی پراپرٹی کے بزنس میں آ گیا تھا، جو کہ اس کا فیملی بزنس تھا۔ شاویز کے والد نے اس بزنس کو چھوٹے پیمانے پر شروع کیا تھا اور پھر آہستہ آہستہ پورے پراپرٹی بن گئی۔ تین سال پہلے ایک کار Exclusive پنڈی اور اسلام آباد کی مشہور جگہوں کی رہائشی اور کمرشل پراپرٹی ان کی ایکسیڈینٹ میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ شاویز کے دو بڑے بھائی ریحان اور شامیر اسی بزنس سے منسلک تھے، مگر وہ پچھلے دو سال سے انگلینڈ میں مقیم تھے اور وہ وہاں پر اپرٹی کا بزنس بہت اچھی طرح سے چلا رہے تھے۔ برمنگھم شہر کے مختلف علاقوں میں ان کی کافی پراپرٹی تھی۔ اب ان تینوں بھائیوں نے دوبئی میں جائیداد خریدنے اور بیچنے کا کام شروع کر دیا تھا۔ وہ وہاں اپارٹمنٹ خرید تیت اور کچھ عرصے کے بعد اچھے خاصے منافع کے ساتھ بیچ دیتے۔ دوبئی کی پراپرٹی کا سارا کاغذی کام شامیر کے ذمے تھا۔ وہ مہینے میں کم سے کم دو چکر تو لازمی دوبئی کے لگاتا تھا۔ ان کی تین بڑی بہنیں تھیں، جو کہ شادی شدہ تھیں۔ ایک بہن ارمینہ شادی کے بعد بھی اپنی ماں کے پاس رہ رہی تھی، کیوں کہ اس کا شوہر بیرون ملک مقیم تھا۔ اصل میں ارمینہ کا کنیڈا کا ویزا دو بار ریجیکٹ ہو چکا تھا۔ اس کی شادی کو ایک سال بیت چکا تھا، لیکن ابھی تک اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ باقی دو بہنیں شفق اور آرزو لاہور میں مقیم تھیں۔ ان کی شادی ہوئے چھے سات سال بیت چکے تھے۔ شفق کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی جب کہ آرزو کی دو بیٹیاں تھیں۔ آرزو کا شوہر عمیر ایک نجی بنک کا برانچ منیجر تھا جب کہ شفق کا شوہر اپنی ڈاکٹری کی ڈگری مکمل کرنے کے بعد کچھ عرصہ ہاؤس جاب کرتا رہا، پھر اس نے بطور جنرل فزیشن کے اپنا نجی کلینک کھول لیا تھا۔ شاویز کی والدہ گھریلو خاتون تھیں اور شوہر کی وفات کی بعد سے کبھی کبھی فلاحی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگیں۔

" ارمینہ! ماما کہاں ہیں؟"

ارمینہ شاویز سے دو سال بڑی تھی، اس لیے وہ شروع سے ہی اس کا نام پکارا کرتا تھا۔

" شاویز! میرا خیال ہے کہ ماما باہر لان میں ہوں گی۔"

" اچھا! میں خود دیکھ لیتا ہوں، میری فلائیٹ کا وقت ہو رہا ہے۔"

" ماما جانی! کہاں ہیں آپ؟" شاویز کارپورچ سے گزرتا ہوا لان میں ہوا، تو وہ منی پلانٹ کی بیل کی سیٹنگ کر رہی تھیں۔

" ماما جانی! میری بارہ بج کر پندرہ منٹ پر دوبئی کے لیے فلائیٹ ہے۔ میں بس آدھے گھنٹے تک نکل رہا ہوں۔"

" اچھا شاویز بیٹا! اللہ تمھیں وہاں خیریت سے لے جائے۔ وہاں کتنے دن کا اسٹے ہے؟"

"ماما! ابھی تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن جتنا ممکن ہو سکا، میں جمیرا والے اپارٹمنٹ کے کاغذات مکمل کر کے دانیال کے ہینڈ اوور کر کے واپس آجاؤں گا۔ کچھ ضروری دستخط کرنے ہیں اور ایک دو اور پراپرٹیز ہیں، جو کہ بیلو مارکیٹ پرائس ہیں، ہو سکتا ہے کہ میں وہ خرید لوں۔ وہاں جا کر مکمل معلومات حاصل کروں گا اور شامیر اور ریحان بھائی سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ ہو گا۔ بس! آپ دعا کیجیے گا۔"

"کیوں نہیں بیٹا! میری دعائیں تو ہمیشہ تم لوگوں کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہت کامیابیاں دے۔۔۔ آمین! خیر سے جاؤ اور یرسے ہی واپس آؤ۔"

فلائٹ مقررہ وقت سے پندرہ منٹ پہلے دوبئی کے ٹرمینل تھری پر لینڈ ہوئی تھی۔ شاویز اپنا ہینڈ کیری (لیپ ٹاپ ٹرالی) اٹھا کر باہر امیگریشن کاؤنٹر پر لگی لمبی لائن میں اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد وہاں سے کلیئرنس کے بعد اس نے دانیال کو کال کی۔

" دانیال! آپ کہاں ہیں؟"

" سر! میں باہر ہی ہوں اور آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

شاویز نے اپنا میڈیم سائز بیگ کلیکٹ کیا اور تیزی سے ایگزٹ کے سائن فالو کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

کچھ ہی دیر کے بعد وہ جمیرا لیک ٹاور میں واقع پلیڈیم ٹاور کی بلڈنگ میں موجود تھا، تیسویں فلور پر واقع دو بیڈروم والا اپارٹمنٹ شاویز مرزا کی اپنی پراپرٹی تھی، جہاں وہ دوبئی آنے پر ٹھہرتا تھا یا پھر کبھی ریحان یا شامیر کا دوبئی چکر لگتا تو یہ ان سب کا مشترکہ فلیٹ ہوتا، اس فلیٹ سے ویو بہت ہی خوب صورت تھا۔ ایک تو یہ اپارٹمنٹ پینتیس منزلہ عمارت کے تیسویں فلور پر تھا، جہاں سے آدھے سے زیادہ دوبئی دکھائی دیتا تھا۔ مرینہ کی ساری بلڈنگز ہی تقریباً اپنی تمام تر خوب صورتیوں کے ساتھ اس اپارٹمنٹ کے بیڈروم اور لاؤنج میں شیشے والے سلائیڈنگ ڈور سے دکھائی دیتیں۔ ان سلائیڈنگ ڈورز کو کھول کر باہر چھوٹا سا ٹیرس تھا جہاں سے یہ محسوس ہوتا کہ

دنیا کی ساری خوب صورتی سمیٹ کر آرکیٹیکچرز نے اس چھوٹے سے شہر کو بلند و بالا عمارتوں کا شہر بنادیا تھا۔ ایک سے بڑھ کر ایک عمارت اور ہر عمارت اپنے منفرد ڈیزائن اور ساخت کے لحاظ سے دنیا کی خوب صورت ترین عمارت تھی۔ مرینہ میں مصنوعی طور پر بنائی جانے والی کنال اپنی مثال آپ تھی۔ گہرے سبز رنگ کا پانی اس علاقے کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کرتا تھا۔ عمارتوں کے بیچوں بیچ یہ کنال لاتعداد کشتیوں اور بڑے بڑے بحری جہازوں سے مزین سیاحوں کا من پسند سپاٹ تھا، جہاں اکثر لوگ نہر کے ساتھ ساتھ لمبی واک کرتے نظر آتے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے اردگرد واقع دیو قامت عمارتوں کی روشنیوں سے دل لبھاتے، کچھ لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر پانی کے ٹھنڈے قطروں سے اپنے چہروں کو تروتازہ کرتے اور پانی میں موجود لاتعداد چھوٹی بڑی مچھلیوں کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتے۔ متحدہ عرب عمارات کی سات ریاستوں میں سے دوبئی ہی وہ مین علاقہ ہے، جو کاروبار کے لحاظ سے مین علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ پوری دنیا سے لوگ یہاں آکر انویسٹمنٹ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ گو کہ موسم کے لحاظ سے دوبئ اتنا قابل قبول علاقہ نہیں ہے مگر پیسے کمانے اور بزنس کرنے کے لیے آئیڈیل علاقہ سمجھا جاتا ہے۔

اب شاویز فریش ہو کر چائے کا کپ لیے بالکونی میں کھڑا ہو کر باہر کا ویو دیکھ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ ہیڈ فونز میں ایک کے بعد ایک گانا سن رہا تھا۔ دانیال سے میٹنگ شام سات بجے کی طے ہوئی تھی، اس لیے وہ کچھ دیر آرام کر کے فریش ہونا چاہتا تھا۔ کچھ وقت بالکونی میں گزار کر وہ اب لیپ ٹاپ کھول کر کام کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈور بیل ہوئی اور اس کا پسندیدہ ہاٹ اینڈ سپائسی کا مخصوص چائنیز کھانا لیے ڈیلوری والا باہر کھڑا تھا۔ اس نے کچھ اضافی رقم بطور ٹپ دی اور کھانا لے کر کچن میں چلا گیا، جو کہ لاؤنج کے ایک طرف فرانسیسی طرز کا اوپن تھا، وہ پاکستانی روایتی کچن سے بالکل مختلف تھا۔ وہ کاؤنٹر پر ایک ڈیش میں کھانا رکھ کر پھر سے اپنے لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھ گیا۔

☆☆☆

"ارے آمنہ! تم یہاں بیٹھی ہو اور میں تمھیں پورے کالج میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی ہوں اور میڈم جی! آپ فلاسفی کلاس میں کیوں نہیں آئیں؟ مس فوزیہ کاظم خاص طور پر تمھارے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ بچو! اگر تم پکڑی گئیں، تو پیریڈ چھوڑنا تمھیں بہت مہنگا پڑے گا۔"

"ماہا یار! یہ فلاسفی کا مضمون مجھے انتہائی بورنگ لگتا ہے۔"

" واٹ...!!!تو پھر اسے منتخب کیوں کیا تھا؟"

" وہ تو میں نے سنا تھا کہ اس کا سائیکالوجی کے ساتھ بہت اچھا میچ ہے، مجھے تو ابھی تک سمجھ نہیں آیا۔"

"آمنہ! فلاسفی اور منتطق میرے پسندیدہ مضمون ہیں اور پارٹ فرسٹ میں جس طرح مس فوزیہ نے یونانی فلاسفرز کو Explain کیا تھا، ارسطو، افلاطون، ان سب نے دانائی کی وہ باتیں ب بتائی ہیں کہ عام بندہ ان کے نظریات کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ پارٹ ٹو منطق میں مسلم فلاسفرز ابن سینا اور۔۔۔۔"

" بس...بس...بس ارسطو کی دادی! میں نے تو فلاسفی کی کلاس چھوڑی تھی، لیکن نے تو میری آوٹ ڈور کلاس لینے لگیں۔"

"آمنہ! حکمت اور دانائی ہماری روزمرہ زندگی میں ہمارے بہت کام آتی ہے۔ اس سے اپنے ذہن کی گرہیں کھولو۔ بائے داوے! یہ سائیکالوجی پڑھی جا رہی ہے، دکھاؤ، تو کون سا ٹاپک ہے۔۔۔"

مایا نے آمنہ سے کتاب چھینتے ہوئے اپنی گود میں رکھ کر کھولی۔

"واہ، واہ! کیا بات ہے آپ کی۔ آمنہ جی! تو یہ پڑھائی ہو رہی ہے۔ اتنی دور گراؤنڈ میں آکر تن تنہا دنیا سے دور بیٹھ کر ڈائجسٹ پڑھا جا رہا ہے۔ ویسے مجھے آج تک اتفاق نہیں ہوا ڈائجسٹ پڑھنے کا...اس میں ہوتا کیا ہے؟"

"مایا! کیا واقعی ہی ڈائجسٹ نہیں پڑھا کبھی...اف! کیسی لڑکی ہو؟ ان میں بہت اچھی کہانیاں ہوتی ہیں، اصلاحی بھی اور جذباتی بھی۔۔۔ !!! محبتوں کی کہانیاں۔۔۔ سحر انگیز اور گہرے لفظوں میں لکھی گئی کہانیاں"

"ویسے ایک بات ہے۔۔۔۔ کہانیاں لکھنے والوں کی اپنی کہانی بھی تو ہوتی ہوگی آمنہ! ایسے کیسے اتنے بڑے بڑے لفظ لکھے اور پڑھے جاتے ہوں گے اور پڑھنے والے کس طرح سمجھ لیتے ہوں گے؟ یقین مانو! محبت کا پنچھی ان کے دل کی منڈیروں پر کبھی نہ کبھی تو آکر بیٹھا ہوگا۔ رشتوں کی حقیقتوں سے یہ لوگ بھی گزرتے ہوں گے۔ زندگی کی تلخیوں کے کڑوے میٹھے زہر انھوں نے بھی چکھے ہوں گے۔ یہ سب کہانیاں سب کی مشترکہ کہانیاں ہیں۔ کسی کو چھوڑ جانے کا دکھ ہوگا، تو کسی کو چھوٹ جانے کا۔ کوئی بے وفائی پر تڑپتا ہوگا۔ تو کوئی اپنی تنہائی پے...شاید سب ڈسے ہوئے ہیں اور سب کچھ دکھ درد ایک ہی مدار کے گرد گھومتے ہیں اور وہ ہے محبت۔۔"

" ارے واہ مایا! تم نے تو بغیر پڑھے ہی ان کہانیوں کی کیا عمدہ تشریح کر دی ہے۔"

" آداب عرض ہے جناب! یہ سب میں نے منطقی انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ منطق جسے آپ بورنگ کہہ کر چھوڑ آئی ہیں۔"

"اف! اب جانے بھی دو۔ مایا! ویسے ایک بات ہے۔ تم بالکل صحیح کہہ رہی ہو۔ کہانیاں لکھنے اور پڑھنے والوں کی اپنی ہی کہانیاں ہوتی ہیں۔"

" اچھا جی... ریڈر صاحبہ! سب سے پہلے آپ ہمیں اپنی کہانی سنائیں۔"

آمنہ نے شرماتے ہوئے اپنی ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے کہا۔

" اوہ ہو۔۔! ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ بس ویسے ہی۔۔"

" اچھا! بس ویسے ہی۔۔۔ چلو! ٹھیک ہے، مان لیتے ہیں۔"

"مایا نے اپنی نگاہیں ڈائجسٹ پر جمائیں، تو آمنہ سے رہا نہ گیا اور اپنے دل کا حال کھول کر مایا کے آگے رکھ دیا۔"

" ! مایا! وہ ایشل آپا کا دیور... نیہال ہے ناں"

" تمھاری ایشل آپا، جو فیصل آباد میں رہتی ہیں؟ جن کے دو بچے ہیں۔"

" ہاں! وہی۔ میری اور کتنی آپائیں ہیں۔ وہی ایشل آپا۔ ان کا دیور نیہال مجھے اچھا لگتا ہے۔۔۔۔"

"اور تم اسے۔۔۔" مایا نے ڈائجسٹ بند کرتے ہوئے شرارتی سے مسکراہٹ سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

" تو ہاں ناں! میں بھی اسے... آف کورس... یہ بھی بھلا کوئی پوچھنے کی بات ہے۔"

" اور کتنے عرصے سے چل رہا ہے یہ سلسلہ؟" مایا نے ایک اور سوال کیا۔

" تقریباً تین سال تو ہونے والے ہیں۔ آپا کو بھی اس بات کا پتا نہیں ہے۔"

" میں بھی سوچوں کہ ادھر کالج سے ہفتے کی چھٹی ہوئی نہیں اور آمنہ میڈم فیصل آباد پہنچی نہیں۔ اب مجھے سمجھ آئی۔"

" مایا! میرے تو سب راز پوچھ لیتی ہو، کبھی اپنے دل کی بات بھی بتا دیا کرو۔"

مایا نے بڑی مشکل سے اپنے حلق سے ابلنے والے قہقہے کو روکا۔ پھر اس نے آمنہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

" آمنہ! ادھر دیکھو! محبت کرنے والوں کے چہرے ایسے ہوتے ہیں، اتنے کھلے کھلے اور زندگی سے بھرپور"

" مایا! کیا مطلب ہے تمھارا؟ کیا تمھیں میرا چہرہ مرجھایا ہوا لگتا ہے۔"

مایا نے اس بار زوردار قہقہہ لگایا اور بولی۔

"اف۔۔۔ میرے اللہ! میرا مطلب ہے کہ۔۔۔ میں لوگوں پر اس لیے بھروسا نہیں کرتی، کیوں کہ مجھے اپنے کمرے میں سکون سے سونے کی عادت ہے آمنہ! میں رات بھر تکیے بھگو بھگو کر رت جگے نہیں کاٹ سکتی اور یہ تو پھر محبت کا روگ ہے۔۔۔ جان لیوا ۔۔۔ جس میں رت جگے کاٹ کر، آنسو بہا کر۔۔۔ ایک عمر بھی گزار لو، تو لگتا ہے۔۔۔ بس! ابھی آغاز ہوا ہے۔۔۔ نہیں آمنہ! ڈیئر! میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔۔۔"

"اچھا! ضروری تو نہیں ہوتا کہ سب کو رت جگے کاٹنے پڑیں یا آنسو بہانے پڑیں... مجھے تو تین سال ہو گئے ہیں... نیہال سے پیار کرتے ہوئے۔۔ میں تو نہیں روئی ہوں۔۔۔"

محبت میں یہ وقت ہر کسی پر ایک نا ایک دن ضرور آتا ہے، جب وہ اپنی ہنسی کا، اپنی خوشی کا ہرجانہ ادا کرتا ہے، وہ بھی سود سمیت... پھر محبت یہ نہیں دیکھتی کہ تین سال ہوئے ہیں یا چھے سال ہوئے ہیں... پھر تو بس! وصولی کرتی ہے۔۔۔"

"اف! تم اور تمھاری یہ فلاسفی... جاؤ بی بی! ڈراؤ تو ناں!۔۔۔"

" ۔۔۔۔ہاہاہاہا"

مایا ایک زوردار قہقہہ لگا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آجاؤ! اب مسز عفت کی کلاس کا وقت ہو رہا ہے... اس سائیکالوجی کی کتاب سے یاد سے ڈائجسٹ نکال لینا۔۔ یہ نہ ہو کہ شیز و فرینک کو محبت کی کہانی کا ہیرو بن جائے کہیں۔۔۔"

اب وہ بے تحاشا ہنستے ہنستے کلاس روم کی طرف چل دیں۔

" بھابھی! امی کہاں ہیں...؟"

مایا کالج سے گھر میں پہنچیں، تو امی گھر پر موجود نہ تھیں۔

" مجھے تو پتا نہیں۔ مجھے بھلا کون سا بتا کر جاتی ہیں؟" ردا نے بڑی ناگواری سے مایا کو جواب دیتے ہوئے منہ دوسری طرف موڑ لیا۔

کچھ ہی دیر کے بعد اس کی والدہ گھر میں داخل ہوئیں، تو وہ اس وقت صحن میں بیٹھی ان کا انتظار کر رہی تھی۔

" اوہ ہو... امی! آپ کہاں گئی ہوئی تھیں؟"

"مایا! تمھاری خالہ صغریٰ کی طرف گئی ہوئی تھی۔ مجھے عاطف کے طلاق دینے کے بارے میں سن کر بہت افسوس ہوا۔ یہ سنتے ہی میں آپا کے گھر کی طرف بھاگ اٹھی۔"

" اوہ ہو... امی! تو بات یہاں تک پہنچ گئی۔"

"مایا! وہ لڑکی انیتا کہاں گھر بسانے والی تھی بھلا... ہر دن تو لڑائی جھگڑے ہوتے تھے اور پھر اس کا چکر کسی اور لڑکے سے تھا... اس نے خود طلاق کا تقاضا کیا... تمھاری خالہ بتا رہی تھیں کہ عاطف تو اسے کسی صورت میں اسے چھوڑنے کو تیار نہیں تھا، مگر جانے اس لڑکی نے کیا بات کی کہ وہ اگلے ایک گھنٹے میں کاغذات بنوا کر لے آیا۔ اسی دن انیتا گھر سے چلی گئی اپنے کپڑوں کا اٹیچی کیس اٹھا کر اور سب سے بڑی بات یہ کہ اسے لینے بھی وہی لڑکا آیا تھا۔ میں تو کہتی ہوں کہ اس لڑکی کی ہمت دیکھو اور پھر عاطف کی شرافت دیکھو کہ اف تک نہ کی۔"

"امی! مجھے تو یہ سن کر بہت افسوس ہوا... بچارے عاطف بھیا... انسان کتنی چاہ سے کتنے مان سے اپنا گھر بساتا ہے اور پھر وہی گھر اسی طرح ٹوٹ کر بکھر جائے، تو انسان بہت مشکل سے پھر کسی پر بھروسا کر پاتا ہے... اچھا امی! یہ بتائیں کہ خالہ صغریٰ نے پیسوں کا مطالبہ تو نہیں کیا... قرض کی رقم کے بارے میں تو کوئی بات نہیں کی؟"

"نہیں... ان بے چاروں کو اپنا ہوش نہیں ہے... وہ بھلا کیوں پوچھیں گے... ابھی تو ایک ہی ماہ ہوا ہے۔ دے دیں گے انھیں، ہم بھلا کون سے بھاگے جا رہے ہیں۔ آج کل ویسے بھی تمھارے ابو جان کا کام ذرا ٹھنڈا ہے۔ نیہا کی شادی کے لیے انھوں نے کچھ ایڈوانس پکڑ لیا تھا، آج کل اسی کام کو مکمل کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ میں تو پریشان ہوں کہ اگلے دو تین ماہ میں گھر کا خرچا پورا کرنا بھی ایک مسئلہ بن جائے گا۔"

”امی! چار ماہ کے بعد میرے پارٹ ٹو کے سالانہ امتحان ہیں۔ آپ دعا کیجیے، میں امتحان دینے کے فوراً بعد ہی کوئی نوکری کرنا چاہوں گی اور عبید بھی اپنے میٹرک کے پیپرز کے فوراً بعد کوئی نہ کوئی ملازمت کرنا چاہے گا۔ وہ کوئی چھوٹا موٹا سیلز مین بن جائے گا یا مارکیٹنگ کا کام کرنا شروع کر دے گا۔ یوں ابو کا کچھ تو بوجھ ہلکا ہو گا۔“

”اللہ تعالیٰ تم دونوں کو کامیاب کرے۔ میں تو دل سے تم دونوں کی کامیابی کی دعا کرتی ہوں... اچھا! یہ بتاؤ کہ کیا تم نے کھانا کھالیا ہے؟“

” امی! میں تو آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ میں ابھی لے کر آتی ہوں اور دونوں مل کر کھاتے ہیں۔“

پھر مایا اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔

” مایا! ذرا دیکھو، تو باہر کون ہے؟“

” جی امی! دیکھتی ہوں۔“

”زہے نصیب... زہے نصیب! آنٹی جی آج کیسے ہمارے گھر کا راستا بھول کر آگئی ہیں۔ آیئے ناں! اندر تشریف لایئے۔ امی! دیکھیے، تو کون آیا ہے... آنٹی فاطمہ آئی ہیں۔“

” السلام علیکم! بہن! کیسی ہیں آپ؟“

” فاطمہ بہن! آپ نے مکان کیا بدلا کہ اس محلے کا رخ کرنا ہی بھول گئیں۔ ارے! ہم اتنے بھی برے نہیں تھے۔“

”ارے... نہیں، نہیں صفیہ بہن! آپ کو تو پتا ہے کہ گھر شفٹ کرنے کے بعد ہزار طرح کے کام ہوتے ہیں۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری بیٹی فریحہ کے بعد میری بہو سنبل نے گھر کو بڑے اچھے طریقے سے سنبھال رکھا ہے، مگر وہ پھر بھی کہتی ہے کہ امی آپ تھوڑی دیر کے لیے بھی گھر سے باہر جائیں، تو میرا دل نہیں لگتا۔ بڑے کرموں والی بچی ہے۔ فریحہ کی طرح میرا خیال رکھتی ہے۔“

” اچھا... آنٹی! حسن بھیا کی شادی کر دی ہے آپ؟“

"ہاں بیٹا! الحمد اللہ... اپنوں ہی میں کی ہے... بہت اچھے لوگ ہیں۔ اس کے ابو کے کزن کی بیٹی ہے۔ اب بس افعان رہ گیا ہے، مگر اس کا ارادہ آگے پڑھنے کا ہے۔ مایا اور عبید کو اکثر یاد کرتا رہتا ہے۔ جب یہ چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے، تو اسی گلی میں سب مل کر کھیلا کرتے تھے۔"

"بالکل فاطمہ بہن! وقت کا تو پتا ہی نہیں چلتا۔ نیہا کی بھی شادی ہو گئی ہے۔ میرے بھائی کا بیٹا ر میل ہے۔ نیہا پر جان چھڑکتا ہے... ماشاء اللہ... بس! اللہ جی بچیوں کے نصیب اچھے کریں۔ جاؤ مایا! اپنی آنٹی کے لیے چائے بنا کر لاؤ۔"

"ارے نہیں... نہیں بہن! میں تو کھڑے کھڑے آپ سے ملنے آئی تھی۔ ہماری فلائیٹ شام سات بجے کی ہے۔ مدینہ منورہ میں حرم شریف کے اندر افعان کے ابو کی ڈیوٹی لگ گئی ہے۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ ہم سب کتنا خوش ہیں۔ ہماری تو قسمت جاگ اٹھی ہے۔ ہم پر تو اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوا ہے۔ بہن! ورنہ! ہم کس قابل تھے۔ ہمارے اعمال نامہ میں تو ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔۔"

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے فاطمہ بہن! یقین کیجیے کہ یہ سن کر دل خوش ہو گیا۔ ہمیں بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔"

"ضرور کیوں نہیں بہن!"

"افعان بھی جا رہے ہیں؟"

نہیں وہ حسن کے پاس رکے گا، اس کے ایف ایسی پارٹ ٹو کے امتحان ہونے والے ہیں۔ ویسے بھی ابھی ویزا، میرا اور اس کے ابو کا نکلا ہے۔ ان شاء اللہ! افعان کو بھی وہیں بلا لیں گے، پہلے وہ اپنی تعلیم مکمل کر لے یہاں۔ چلیں! اب میں چلتی ہوں مایا بیٹا! ان شاء اللہ پھر ملاقات ہو گی۔ نیہا کو میری طرف سے شادی کی مبارک باد دینا۔"

"اچھا بہن! اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔"

مایا دروازہ بند کرنے کے بعد اپنی امی سے مخاطب ہوئی۔

"ماشاء اللہ... امی! دیکھیں، تو کیسی قسمت جاگی ہے ان کی۔"

"ہاں بیٹی! ساری نصیب کی بات ہے۔ انسان کو پتا بھی نہیں چلتا اور اس کی کوئی بات اللہ تعالیٰ کو پسند آ جاتی ہے۔ پھر تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کا نزول کر دیتا ہے۔ میرا رب بہت ہی رحیم ہے۔"

" ! بے شک امی"

مایا گہری سانس لے کر اٹھی اور کچن سے کھانا لے کر آ گئی۔

" امی! آپ نے ایک بات نوٹ کی ہے؟"

" کیا؟"

" امی! ابو جانے کیوں گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ ہڈیوں کا ڈھانچہ بنتے جا رہے ہیں۔ وہ بہت کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔"

" ہاں مایا! کام بھی تو بہت کرتے ہیں۔ پورا دن کام کرتے رہتے ہیں۔"

"امی! پتا ہے جب ہماری گاڑی، مری روڈ سے گزرتی ہے، تو سامنے ابو کی دکان ہے ناں! کئی بار دیکھا ہے کہ وہ کام میں لگے ہوتے ہیں۔ پتا نہیں آرام کب کرتے ہیں۔ کب کھانا کھاتے ہیں، کل ابو روڈ کراس کرنے کے لیے کھڑے تھے، تو آمنہ کی نظر پڑی، تو اس نے کہا، مایا! تمھارے ابو تو کافی کمزور ہو گئے ہیں۔۔۔"

" میں نے کہا، نہیں یار! اصل میں ان پر کام کا بوجھ بہت زیادہ ہے۔"

مایا افسردہ سی ہو گئی تھی۔

" امی! نیہا آپی کافی دنوں سے نہیں آئی۔"

" نیہا اور رمیل کچھ دنوں کے لیے گھومنے پھرنے گئے ہوئے ہیں۔ تمھارے ماموں کا فون آیا تھا، وہ بتا رہے تھے۔"

" واو! نیہا آپی کے تو مزے ہو گئے۔ چلو! اچھا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ہمیشہ خوش رکھے۔ ویسے گئے کہاں ہیں گھومنے؟"

"راولا کوٹ۔۔۔"

"اچھا! تو وہ تولی پیر گئے ہوں گے، وہ اتنی خوب صورت جگہ ہے۔ امی! میں نے ہی ایک بار بتایا تھا نیہا آپی کو۔ بڑی چھپی رستم نکلیں، وہ تو۔ اکیلی اکیلی چلی گئی۔"

" تم وہاں کیا کرتیں؟ میاں بیوی کو گھومنے دو۔ جب تمھارا وقت آئے، تو تم بھی چلے جانا۔"

" ہاہاہاہاہا۔۔۔"

مایانے زور دار قہقہہ لگایا اور شرارتی نگاہوں سے اپنی امی کو دیکھنے لگی۔

" ! مجھے کوئی جلدی نہیں ہے ایسی سیریں کرنے کی۔ مجھے تو اپنے امی ابو کے پاس رہنا ہے بس"

مایانے اپنی امی کے گلے میں بانہیں ڈالیں اور ان کے ماتھے پر بوسہ کیا۔

" ایسا کہاں ہوتا ہے میری بچی! ریت رواج دیکھنے پڑتے ہیں۔ بیٹیاں تو پیغمبروں نے بھی وداع کی ہیں۔"

" اچھا...اچھا! کر لیجیے گا آپ بھی۔"

مایا برتن اٹھا کر کچن میں رکھ کر آئی اور پھر ماں کی گود میں سر رکھ کر چارپائی پر لیٹ گئی۔

" ! پھوپھو! باہر قلفی والا آیا ہے، پیسے دیں ناں"

اسامہ اسد بھائی کا پانچ سالہ بیٹا تھا، جو کہ اکثر مایا سے اپنی چھوٹی موٹی چیزوں کے لیے پیسے مانگ لیتا تھا۔ وہ مایا کا لاڈلا بھتیجا بھی تھا۔ اس کی باقی دو چھوٹی بہنیں رمنا اور رمشہ نیہا اور اپنی دادی سے زیادہ پیار کرتی تھیں۔ مایا نے کسی شرارت پر انھیں ٹوک دیا تھا، تب سے وہ دونوں مایا سے ذرا دور دور ہی رہتی تھیں، حالاں کہ کبھی کبھی بچوں کو ان کی اصلاح کی خاطر ڈانٹنا بھی ضروری ہوتا ہے، مگر مائیں یہ بات نہیں سمجھتیں اور اس دن مایا نے بھی ردا بھابھی کے ہاتھوں اپنی کافی بے عزتی کروائی تھی۔ باقی جو کسر رہ گئی تھی، وہ شام کے وقت اسد نے آکر پوری کر دی، اس لیے تب سے مایا خود بھی رمنا اور رمشہ سے اجتناب برتتی تھی۔ ورنہ! دو سال اور تین سال کی بچیاں تو معصوم فرشتوں کی مانند ہوتی ہیں۔ بس! کبھی کبھی بڑوں کے رویے بھی بچوں سے دوری کا سبب بن جاتے ہیں۔

مایا اٹھی اور اس نے اپنے کالج بیگ کی جیب سے دس روپے نکال کر اسامہ کو تھما دیے۔

یوں ہی دن گزرتے چلے گئے۔ مایا جان لڑا کر اپنے امتحانات کی تیاری میں مصروف ہو گئی۔ کبھی کبھی عبید بھی اس کے ساتھ کتابیں لے کر بیٹھ جاتا اور وہ دونوں خوب دل چسپی سے پڑھائی کرتے۔

نیہا کا سسرال اچھا تھا۔ گھر کا ہر فرد اس کا بہت خیال رکھتا تھا، اس لیے وہ بھی سب کی جی جان سے خدمت کرتی۔ اپنے میکے میں کم ہی چکر لگاتی، لیکن جب بھی آتی، اپنے سسرال کی خوب ساری باتیں سناتی۔ یہ بھی بتاتی کہ گھر میں کس طرح سے اس کا خیال رکھا

جاتا ہے۔ بچیاں اپنے گھر میں خوش ہوں، تو ماں باپ کو اور کیا چاہیے ہوتا ہے۔ نیہا کو سکھی دیکھ کر اس کے ماں باپ قرض کا بوجھ بھول جاتے اور ڈھیر ساری دعائیں اپنی بچی کے حق میں کرتے۔

☆☆☆

"ماما! آپ نے شاویز کی شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ اب تو ماشاءاللہ سے وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو چکا ہے۔ اپنا بوجھ اٹھا سکتا ہے۔ ارمینہ اپنی ماما سے شاویز کی شادی کا ذکر کرتے ہوئے مخاطب ہوئی۔"

"ارمینہ! بات تو تمھاری ٹھیک ہے۔ الحمد اللہ! میرا بچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس قابل ہو گیا ہے اور شکر ہے میرے رب کا کہ شاویز میرا سب سے تابعدار بچہ ہے۔ آج تک اس نے میری کوئی بات بھی نہیں ٹالی ہے۔ ایسی اولاد قسمت والوں کو ملتی ہے خاص طور پر ایسے بیٹے... میں سوچ رہی تھی کہ شاویز کے لیے شفق کی نند زِمل کا رشتہ لے لیں۔ اچھی خاصی خوش شکل بچی ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہے اور عمر میں بھی شاویز سے تین چار سال چھوٹی ہے۔ میرے خیال میں شفق اس سلسلے میں ہماری مدد بھی کر سکتی ہے زِمل کی رضامندی جاننے میں۔۔۔"

"ماما! آپ نے بہت اچھا سوچا ہے، مگر کیا مرتضیٰ بھائی مان جائیں گے اور ان کے والدین، کیوں کہ وٹے سٹے کی شادی کچھ مناسب نہیں لگتی۔ ایک گھر کی لڑائی سے خواہ مخواہ دوسرے کا گھر بھی تباہ ہو جاتا ہے۔"

"ارمینہ! میں شاویز کو جانتی ہوں، وہ نباہ کرنے والا بچہ ہے میرا۔ پھر وہ بھلا زِمل سے کس بات پر جھگڑا کرے گا۔ پڑھی لکھی بچی ہے، اچھے خاندان کی ہے۔ مرتضیٰ کو دیکھ لو کہ کبھی اس نے شفق کو اونچی آواز میں ڈانٹا بھی ہو۔ رہی بات وٹے سٹے کی، تو ایک بات تو یہ کہ وہ دور اب نہیں ہے اور دوسرا یہ پرانی اور دقیانوسی باتیں ہیں۔ اب ہر بندہ اپنے گھر کا ماحول دوسروں کی وجہ سے نہیں بگاڑتا۔"

"ماما! اچھا ہی ہے، اللہ تعالیٰ کرے ایسا ہی ہو۔"

ارمینہ نے چائے میں چینی ہلاتے ہوئے کپ اپنی ماما کی طرف بڑھایا اور پھر اپنا کپ اٹھا کر ریموٹ سے ٹی وی کے چینل بدلنے لگی۔ پھر وہ کچھ دیر کے بعد اپنی ماں سے مخاطب ہوئی۔

"تو پھر آپ کب بات کریں گی شاویز سے؟ جلدی بات کر لیجیے کہ اس سے پہلے کہ وہ اپنی پسند کی لڑکی لا کر ہمارے سامنے کھڑی کر دے۔"

یہ سن کر اس کی ماں زور سے ہنستے ہوئے بولیں۔

"ماں ہوں میں شاویز کی، اس لیے مجھے پتا ہے کہ وہ ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ بہر حال اس بار وہ دوبئی سے واپس آ جائے، تو بیٹھا کر بات کروں گی، لیکن میں اس کا جواب جانتی ہوں، وہ یہی کہے گا کہ ماما! جیسے آپ کی مرضی۔۔۔"

" ماما! یہ تو ہے۔ شاویز آپ کی ہر بات میں راضی ہوتا ہے۔"

☆☆☆

کچھ ہی دیر کے بعد شاویز دانیال کے ساتھ شیخ زاید روڈ سے گزرتے ہوئے نور اسلامک بنک میٹرو اسٹیشن کے قریب واقع واٹر اتیج رئیل اسٹیٹ کے دفتر میں داخل ہوا۔ دانیال چوں کہ اس رئیل اسٹیٹ کا ایجنٹ تھا اور رِیرا کارڈ ہولڈر ہونے کی وجہ سے جائیداد کی خرید و فروخت کا کام قانونی طور پر کر سکتا تھا۔ متحدہ عرب امارات کے قانون کے مطابق وہی شخص جائیداد کی خرید و فروخت کا کام کو بطور پیشہ اختیار کر سکتا ہے جس کے پاس رِیرا لائسنس ہو، جو کہ ایک مخصوص ٹیسٹ پاس کرنے کے بعد جاری کیا جاتا ہے۔

دانیال کا تعلق لاہور سے تھا اور وہ اپنے گھر کا اکلوتا کمانے والا تھا۔ اس کے کچھ مخصوص گاہک ہوتے تھے، جنھیں وہ مارکیٹ ریٹ سے کم پراپرٹی کی آفر کرتا اور ڈیل ہو جانے پر اپنا دو فی صد کمیشن حاصل کرتا۔ اس میں سے مخصوص طے شدہ رقم اس کے دفتر کو جاتی اور باقی اس کی جیب میں۔ کام چوں کہ کافی محنت طلب ہوتا تھا، مگر وہ ایک ہی ڈیل سے اتنا کما لیتا تھا کہ وہاں رہنے والا ایک آدمی پانچ چھے ماہ کی تنخواہ سے بھی اتنا نہیں کما سکتا تھا۔ دوبئی میں پراپرٹی ڈیلر کی کمائی کو سب سے زیادہ آمدنی والے پیشوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایک سروے کے مطابق پراپرٹی ڈیلر پانچویں نمبر پر سب سے زیادہ کمانے والے لوگوں کی فہرست میں شامل ہے۔ محنت کے ساتھ ساتھ قسمت کا بھی بہت عمل دخل ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح کی ہوائی روزی ہوتی ہے، لگی تو لگی، ورنہ! نہیں۔ کئی کئی مہینے ایسے ہی گزر جاتے ہیں، مگر شاویز، دانیال کا وہ مخصوص کلائنٹ تھا، جو ہر تین چار ماہ کے بعد آ کر دانیال کو لازماً کوئی نئی ڈیل کی خوشی دے کر جاتا۔

شاویز نے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ کر اپنا منی لیپ ٹاپ میز پر رکھا اور دانیال کے نئے کیبن کی تعریف کی۔

" بہت شان دار... بہت زبردست بنایا ہے آپ نے اپنا آفس... دانیال! "

" جی سر! بس آ گیا ہمارے جی ایم کو رحم... انھیں ہم کما کر بھی تو بہت دیتے ہیں۔ "

پھر دانیال اپنے سامنے پڑے کمپیوٹر پر تیزی سے کچھ فائلیں کھولنے لگا۔ اور ان کے پرنٹ نکال کر شاویز کے سامنے رکھ دیے۔

" سر! آپ چائے لیں گے یا کافی؟ "

" شکریہ! فی الحال کچھ بھی نہیں... اچھا! تو یہ ہے پراپرٹیز کی لسٹ۔ "

"جی ہاں! یہ ہیں ساری پراپرٹیز جو کہ سیل کے لیے ہیں اور پہلی چار وہ پراپرٹیز ہیں، جو مارکیٹ سے بہت کم پرائس پر سیل ہو رہی ہیں۔"

"کہاں ہے یہ کراؤن ریزیڈینس؟"

" سر! یہ شیخ زید روڈ پر واقع ہے۔ اس کے گراؤنڈ فلور، فرسٹ فلور اور سیکنڈ فلور پر کچھ کمرشل آفس بھی خالی پڑے ہیں۔"

"بہت خوب دانیال! کمرشل کے لیے میں انٹرسٹڈ ہوں، لیکن مجھے آفس سات آٹھ ہزار سکوئر فٹ فرینشڈ چاہیے۔ مکمل طور پر تیار اور ایریا جو میں زیادہ اہمیت دوں گا، وہ بیزنس بے ہونا چاہیے۔ آپ ایک کام کیجیے۔ جتنے بڑے ڈیولپرز ہیں اس علاقے میں جیسے کہ ایمار اور دیماک والے، ان کے علاوہ باقی پرائیویٹ بلڈنگز کی معلومات لیں۔ ایریا سکوئر فٹ لے کر مجھے بتائیں۔ میں ان شاءاللہ اگلے وزٹ تک کچھ فائنل کر جاؤں گا۔ آپ کو جہاں جہاں بزنس بے میں مارکیٹ سے کم قیمت پر آفس ملیں، آپ ویو کریں اور تصویریں بنائیں اور مجھے پوری تفصیل کے ساتھ ای میل کر دیں۔ میں ریحان اور شامیر بھائی سے مشورہ کر کے آپ کو باقی کی تفصیلات دوں گا۔"

"جی... بہت بہتر سر! ویسے اگر بزنس بے ہی میں آفس لینا ہے، تو سب سے بیسٹ ایگزیکیٹو ٹاورز ہیں۔ میں آج آپ کو وہاں کا ویو دکھاتا ہوں۔"

" یہ تو بہت ہی بہتر ہو جائے گا۔ میں انھیں پرسنلی دیکھنا چاہتا ہوں۔ "

''سر! ان بلڈنگز کی خاص بات ہے کہ وہ چھ سات ٹاورز اکٹھے ہیں۔ گراؤنڈ فلور کمرشل ہے بنک ہیں، ڈیپارٹمنٹل اسٹورز ہیں، ہر سہولت میسر ہے، وہاں ویلاز بھی موجود ہیں۔''

'' چلیں! آج وہاں کا ویزٹ کرتے ہیں۔ مرینہ کے اپارٹمنٹ کا کیا کیا آپ نے؟''

''جی سر! ان کے بارے میں میرے پاس آپ کے لیے ایک اچھی خبر ہے۔ ایک جرمن کلائنٹ ہے، اسے ہمارا پرنسز ٹاورز والا ٹو بیڈ روم پسند آیا ہے۔ ویو کے لحاظ سے بھی اسے آئیڈیل لوکیشن لگی ہے اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ سر! وہ اس مہینے کے آخر تک موو ہونا چاہتا ہے۔ جو ہماری خرید تھی، اس سے پانچ فی صد زیادہ میں اس سے ڈیل ہوئی ہے سر!''

''بہت اچھا کیا یہ تو آپ نے۔ اگر وہ مناسب سمجھے تو ہم آج کل میں اسے فائنل کرتے ہیں۔ اس سے ایڈوانس پکڑیں اور اونر شپ کے کاغذات تیار کروائیں۔''

'' ! جی بہت بہتر سر''

'' اب نکلتے ہیں، بزنس بے کا ویزٹ کرتے ہیں اور پھر باقی اگر کوئی ویو کرانے ہیں آپ نے، تو وہ بھی آج ہی کر لیتے ہیں۔''

''ضرور، کیوں نہیں سر! بس کھانا کھاتے ہیں۔ نیچے ایک اچھا سا ایشیئن ریسٹورینٹ ہے، اس کے بعد میں آپ کو ویوونگ پر لے کر جاتا ہوں۔''

جرمن کلائنٹ سے میٹنگ کے بعد ڈیل فائنل ہوئی اور مزید کچھ اپارٹمنٹس کی ویوونگ کے بعد اب شاویز دانیال کے ساتھ جمیرا کے ساحل پر واک کر رہا تھا۔

''سر! کیا میں آپ سے ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟ اگر آپ برا نہ منائیں، تو۔۔۔''

دانیال نے قدرے جھجکتے ہوئے شاویز کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

'' جی پوچھیے... دانیال! میں کیوں برا مناؤں گا بھلا؟''

''سر! آپ جب بھی آتے ہیں، تو اپنے بزنس کے معاملات کے بارے میں کام کر کے چلے جاتے ہیں اور اکثر یہاں تین چار دن فارغ رہتے ہوئے بھی آپ زندگی کو اتنا انجوائے نہیں کرتے۔''

" انجوائے کا کیا مطلب ؟" شاویز نے عجیب سی نظروں سے دانیال کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"سر! یہ دوبئی ہے، یہاں لوگ رات گئے تک زندگی کے مزے لوٹتے ہیں۔ میں اس فیلڈ میں پچھلے آٹھ سال سے ہوں، ہر طرح کے لوگوں سے ملا ہوں، ہر ملک کے لوگوں سے تقریباً واسطہ پڑتا ہے، لوگ کام کے ساتھ ساتھ باقی رنگینیوں سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں اور تو اور جب آپ کے بھائی ریحان کچھ ماہ پہلے یہاں آئے، تو وہ یہاں کے سب سے مشہور بر ستی کلب میں گئے، جو کہ بہت خوب صورت آؤٹ ڈور کلب ہے، جمیرا بیچ پر واقع اپنی طرز کا منفرد کلب... رات تین بجے تک میں ان کے ساتھ رہا۔ ہم دونوں نے چار پانچ اقسام کی بیئر پی اور۔۔۔"

" ایک منٹ... دانیال! یہ سب آپ مجھے کیوں بتا رہے ہیں اور میرے خیال میں یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔"

"نہیں سر! میں تو آپ کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اس عمر میں تو لڑکے اپنی پوری زندگی جی لیتے ہیں۔ آپ نے نہ کبھی کسی لڑکی اور۔۔۔"

"دانیال! ضروری نہیں ہوتا کہ ہر مرد ایک جیسا ہو اور یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ یہاں کے اکثر لوگ جو کرتے ہیں، وہ میں بھی کروں۔ رائٹ۔۔۔؟؟؟"

" لگتا ہے سر! آپ برا مان گئے ہیں۔ میں معذرت چاہتا ہوں"

"کوئی بات نہیں... آپ نے اچھا کیا، جو پوچھ لیا... دراصل میں ان سب چیزوں سے بہت کتراتا ہوں۔ یہ سب چیزیں میرے لیے کبھی بھی کسی دل چسپی اور لطف اندوزی کا باعث نہیں بنیں۔ یہ سب کچھ محض اپنے آپ کو دھوکا دینے کے طریقے ہیں۔ سکون ان چیزوں میں کبھی بھی نہیں ہوتا۔ تین سال ہو گئے ہیں میرے پاپا کی وفات کو، ان کے جانے کے بعد مجھ میں بہت بدلاؤ آیا ہے۔ وہ میرے سب سے اچھے دوست تھے۔ میں اکثر اکیلا ہو جاتا ہوں اور اتنی ہی شدت سے انھیں اپنے ساتھ پاتا ہوں۔ دانیال! میرے پاپا نے یہ سب بہت محنت سے کمایا ہے۔ میں اسے کسی بھی غلط کام میں استعمال نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ میرے باپ نے ہمارے لیے اتنا کچھ چھوڑا ہے، لیکن پھر بھی ان کا نہ ہونا بہت بڑی کمی ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ جن کے بہت محدود ذرائع ہوتے ہیں۔ حالات سے تنگ لوگ ماں باپ کی کمی کا شکار ہو جاتے ہوں، تو وہ کیسے زندگی جیتے ہوں گے۔ میرا دل پھٹنے لگتا ہے ان کے شب و روز کا سوچ کر... بس یہی سوچ کر میں اپنے باپ کی کمائی کا ایک پیسہ بھی حرام کاموں میں نہیں لگاؤں گا۔۔۔"

دانیال خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا، پھر شاویز سے مخاطب ہوا۔

"سر! کیا آپ نے کبھی محبت بھی نہیں کی؟"

"نہیں، دانیال! محبت کی نہیں جاتی، ہو جاتی ہے اور جب مجھے ہونی ہوگی، تو میری مرضی کے بغیر بھی ہو جائے گی۔"

دانیال شاویز کا جواب سن کر خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر یوں ہی ساحل پر واک کرنے کے بعد دانیال نے شاویز کو اس کے اپارٹمنٹ پر ڈراپ کیا اور کل کی میٹنگ کا وقت کنفرم کر کے اگلے دن ملنے کا کہہ کر واپس ہو لیا۔

شاویز نے اپنے اپارٹمنٹ میں آ کر فریش ہونے کے بعد ریحان اور شامیر سے اسکائپ پر بات کی اور انھیں دوبئی کی کرنٹ پراپرٹی کی ویلیو سے آگاہ کرتے ہوئے کل ہونے والی ڈیل سے متعلق معلومات سے آگاہ کیا۔

اگرچہ مرزا فیملی کا جوائنٹ اکاؤنٹ ان تینوں بھائیوں کے نام پر تھا، لیکن شاویز کی دوبئی کے بزنس میں انویسٹمنٹ نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس کے باوجود اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ برج خلیفہ کے سامنے امار یا دماق کے کسی پراجیکٹ کی تعمیر شدہ عمارت میں یا پھر پام جمیرہ میں اپارٹمنٹس خرید لے اور اس کے لیے وہ شدید محنت کر رہا تھا۔ ریحان اور شامیر اپنی کمائی کا ایک بڑا حصہ دوبئی کی انویسٹمنٹ میں لگاتے جس سے وہ بڑے پیمانے پر ہر ڈیل میں ڈھیر سارا منافع کماتے اور شاویز ہر ڈیل کے منافع میں سے کچھ فی صد اپنا شیئر رکھتا۔

اگلے دو ہفتے شاویز کے دوبئی میں گزرے۔ ایک اپارٹمنٹ کافی اچھے منافع پر سیل ہوا اور دوسرا اپارٹمنٹ ٹی کام گرینز کے علاقے میں خرید ا گیا۔ دانیال پوری نیک نیتی سے ہمیشہ بیسٹ اوپشنز شاویز کو دیتا اور اس کی کرائی گئی ہر ڈیل سے ہر بار اسے اچھا خاصا کمیشن مل جاتا۔

شاویز اپنی چیزیں جلدی جلدی پیک کرتا ہوا اپنے موبائل سکرین کی طرف متوجہ ہوا۔ دانیال کی کال دیکھ کر جلدی سے موبائل سائیڈ ٹیبل سے اٹھایا اور بولا۔

"جی دانیال! کہاں ہیں آپ؟"

"سر! میں نیچے پارکنگ میں ہوں، بس! آ رہا ہوں۔"

"نہیں، نہیں! آپ وہیں رکیں، میری فلائیٹ کا وقت ہو رہا ہے، میں بس آ رہا ہوں۔"

کچھ ہی دیر کے بعد شاویز ٹرمینل تھری کے لاؤنج میں بیٹھا اپنی بورڈنگ کا انتظار کر رہا تھا۔ اتنے میں اسے یاد آیا کہ اس نے گھر میں اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی۔ اس نے موبائل نکال کر نمبر ملایا۔ شاویز کی والدہ نے فون اٹھایا۔

" ماما جانی! کیسی ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں بیٹا! ریحان نے بتایا ہے کہ آج تمھاری فلائیٹ ہے۔ کتنے بجے پہنچو گے بیٹا! میں ڈرائیور سے کہتی ہوں، وہ ایئرپورٹ پہنچ جائے گا۔"

"جی ٹھیک ہے ماما جانی! میں پاکستانی وقت کے مطابق 12:30 پر پہنچ جاؤں گا۔ آپ ڈرائیور سے کہہ دیجیے کہ وہ ایک بجے تک ایئرپورٹ پر پہنچ جائے۔"

ابھی وہ بات کر ہی رہا تھا کہ بورڈنگ کی اناؤنسمنٹ ہونے لگی۔

"ماما! میں آپ سے اب آکر بات کروں گا۔ بورڈنگ اسٹارٹ ہو گئی ہے اور ہاں! پہلے میں نے آفس جانا ہے، وہاں سے کچھ ضروری پیپرز کولیکٹ کرنے ہیں، اس کے بعد گھر آؤں گا۔"

" چلو... ٹھیک ہے بیٹا! اللہ تعالیٰ تمھیں خیریت سے گھر پہنچائے... آمین! اور آیت الکرسی پڑھ کر یاد سے خود پر پھونک مارو۔"

" جی ماما! میں ابھی یہ کرتا ہوں... ان شاء اللہ۔"

☆☆☆

" آمنہ! آج کتنا انٹرسٹنگ لیکچر تھا مسز عفت کا... مزا آگیا آج ان کی کلاس میں۔"

مایا، آمنہ سے باتیں کرتی ہوئی گراؤنڈ کی طرف آرہی تھی۔ آج اسے پورا دن آمنہ ضرورت سے زیادہ خاموش دکھائی دی۔ کتابیں اور بیگ گراؤنڈ میں رکھ کر وہ وہیں بیٹھ گئیں۔

" آمنہ! کیا بات ہے؟ آج تم کچھ پریشان لگ رہی ہو۔"

" نہیں... میں ٹھیک ہوں۔"

" پھر مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ کوئی بات ہے...بتاؤناں یار! کیا ہوا ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟"

" ... نہیں"

اس کے ساتھ ہی آمنہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ اپنا سر اپنے گھٹنوں میں چھپا کر بیٹھ گئی۔

مایا کو اس کی اس حرکت سے پورا یقین ہو گیا کہ کوئی بات ضرور ہے، جو آمنہ کو پریشان کر رہی ہے۔ وہ اٹھی اور آمنہ کے مزید قریب جا کر بیٹھ گئی۔

" اچھا! سنو تو...ادھر میری طرف دیکھو...مجھے بتاؤ کہ کیا ہوا ہے...نیہال نے کچھ کہا ہے...؟"

آمنہ نے مایا کی طرف بھیگی آنکھوں سے دیکھا اور بغیر آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

" مایا! اسی بات کا تو رونا ہے کہ وہ کچھ نہیں کہتا۔"

کیا مطلب؟" مایا جھلا کر بولی۔"

"مایا! وہ مجھے نظر انداز کرنے لگا ہے، جس طرح پہلے بات کرتا تھا، اب وہ ویسا نہیں رہا۔ پورے دو ہفتے ہونے والے ہیں، میں اس کا یہ رویہ سہہ رہی ہوں۔ اس کے پاس میرے لیے وقت ہی نہیں ہے۔ وہ میرا فون تک نہیں اٹھاتا۔ جب اس کا دل چاہے، مجھ سے بات کرتا ہے۔"

"آمنہ! ایک بات کہوں، ابھی تو وہ تمھیں نظر انداز کر رہا ہے، ایک دن آئے گا کہ وہ شخص تمھاری محبت سے ہی مکر جائے گا۔ تم مزاج شناس ہوتیں، تو اس کے منہ پھیر لینے سے ہی سمجھ جاتیں کہ وہ اب تمھارے دل کے دریچے سے اڑ چکا ہے۔ ایسے پرندے آزاد فضاؤں کے عادی ہوتے ہیں، پھر قفس جتنا بھی خوب صورت کیوں نہ ہو، ایک نہ ایک دن دل کی دیواریں توڑ جاتے ہیں۔۔"

" لیکن تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو مایا! وہ میری محبت سے مکر جائے گا؟"

"آمنہ! ایک سچا انسان کبھی بھی چھپ کے رشتہ نہیں رکھ سکتا۔ اگر وہ سچا ہوتا، تو اچھے سچے لوگوں کی طرح تمھارا ہاتھ مانگتا، تمھاری بہن ان کے گھر میں ہے۔ ان کے ذریعے سے ہی بات تو کرتا۔ اور آمنہ! جن لوگوں کے پاس آپ کو دینے کے لیے وقت ہی نہ ہو،

ان کے پیچھے پیچھے اپنی محبت کا رونا روتے پھرنا بے معنی ہوتا ہے، کیوں کہ بھیک میں ملے دو لمحوں کی توجہ کا اگر دل ایک بار عادی ہو جائے، تو پھر ساری زندگی یہی بھیک ملتی ہے۔"

آمنہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی۔

"مگر میں کیا کروں مایا! وہ مجھے ایک بار فون کرتا ہے، تو میں اس سے بات کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"آمنہ! کبھی سوچا تم نے... تمھاری محبت اس کی محبت سے زیادہ کیوں ہے؟ تمھیں اس کے میسیج یا کال کا کیوں انتظار رہتا ہے اور وہ اپنے کام نمٹا کر جب تم سے رابطہ کرتا ہے، تو تم ہر کام کیوں چھوڑ کر اسے اہمیت دیتی ہو؟ آمنہ! پرائرٹی سمجھتی ہو... ترجیح؟؟؟ محبت کی سب سے بڑی نشانی یہ ہی ہوتی ہے کہ ساری دنیا ایک طرف اور محبت ایک طرف... پہلی واجب الادا ترجیح... جو تم اس کے لیے نہیں ہو۔"

مایا نے آمنہ کو مزید سمجھاتے ہوئے بات مکمل کی اور پھر آمنہ بے اختیار رونے لگی۔

"تم رو لو... جتنا چاہو، مگر حقیقت یہی ہے کہ وہ شخص تمھارے ساتھ مخلص نہیں ہے آمنہ! میں نہیں چاہتی کہ تم مزید دور جا کر پھر خالی ہاتھ لوٹو... کیوں کہ خالی ہاتھ لوٹ کر آنے کی تکلیف برداشت کرنا آسان نہیں ہوتا۔"

آمنہ کو اپنے کندھے سے لگا کر دلاسہ دیتے ہوئے مایا خود کو بے بس محسوس کرنے لگی۔

"تم پوچھتی ہو ناں! کہ میں محبت کیوں نہیں کرتی، حالاں کہ تمھارے بقول یہ تو ایک خوب صورت جذبہ ہے... میں اس دن سے ڈرتی ہوں آمنہ! کہ کوئی میرے دل میں میری اجازت کے بغیر آئے اور مجھے اس کی منت سماجت کرنی پڑے کہ یہاں سے نکل جائے... میں کسی انسان کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا سکتی... وہ بھی اپنی ہی چیز کے حق سے دست بردار ہونے کے لیے... محبت کرنا آسان ہے، مگر محبت سے ملی تکلیفیں جھیلنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔"

مایا نے گراؤنڈ میں موجود خشک گھاس کو اکھاڑتے ہوئے مزید وضاحت کی۔

"بہر حال تم فکر نہ کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ! اور ہو سکے، تو نیہال کو اپنے آپ احساس ہونے دو، اگر وہ فاصلے چاہتا ہے، تو اس سے دور رہو۔"

" مگر مایا! کیسے دور رہوں... ؟ تم کیا جانو... محبت میں انسان سب کچھ دے سکتا ہے، مگر جدائی مانگنے پر بھی نہیں دے سکتا۔۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو... آمنہ! میں نہیں جانتی، مگر خود داری بھی کوئی چیز ہوتی ہے... اور ایسی بھی کیا محبت کہ انسان اپنی عزت بے عزتی محسوس نہ کر سکے۔۔۔"

آمنہ کتابیں سمیٹتے ہوئے بولی۔

"میں یہ بات تم سے اس دن پوچھوں گی، جس دن تم کسی سے پیار کرو گی... اب چلو، اٹھو... وین آگئی ہو گی۔ اوہ ہو! آج تو کتنی جلدی وقت گزرا ہے۔۔۔"

مایا نے اپنی کتابیں بیگ میں ڈالیں اور عبایا اٹھا کر جھاڑا اور پہن لیا۔ پھر وہ اپنا حجاب ٹھیک کرنے لگی۔ اور دونوں واک کرتے کرتے مزید گفتگو کرتے گیٹ پر آئیں۔ ان کی وین کی کچھ لڑکیاں پہلے سے ہی وین میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ سفید رنگ کا کیری ڈبا جس میں مایا اور آمنہ سمیت دس لڑکیاں تھیں جو کہ مختلف بیجز اور کلاسز کی تھیں۔

☆☆☆

فلائیٹ لینڈ ہوتے ہی شاویز نے اپنا لیپ ٹاپ بیگ اٹھایا اور کچھ ہی دیر بعد وہ ایئرپورٹ سے باہر نکل آیا۔ ڈرائیور نے بیگ پکڑتے ہوئے شاویز کو خوش آمدید کہا۔

"شاویز صاحب! یہاں قریب ہی میرے ایک عزیز رہتے ہیں، جو بیمار ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں، تو آپ کو گھر چھوڑ کر میں ان کی عیادت کے لیے چلا جاؤں؟"

"فضل دین! اس میں بھلا اجازت کی کیا ضرورت ہے۔ آپ ایسا کریں کہ مجھے بتائیں کہ آپ کو کہاں ڈراپ کرنا ہے۔ مجھے یہاں سے سیدھا آفس جانا ہے، وہاں مجھے کچھ وقت لگے گا۔"

" نہیں، نہیں صاحب! آپ تکلیف نہ کریں، میں خود چلا جاؤں گا۔ آپ کو پہلے ہی سفر کی تھکاوٹ ہے"

نہیں...الحمد اللہ!میرا سفر بہت اچھا گزرا ہے۔میں بالکل فریش ہوں۔ چلیں! جیسے آپ کی مرضی! میں نے مری روڈ سے گزرتے ہوئے جانا ہے، اگر آپ نے راستے میں کسی قریبی مقام پر اترنا ہے، تو آپ بیٹھ جائیں۔" گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے شاویز نے فضل دین سے مزید پوچھا۔

" نہیں صاحب! میں یہاں سے لوکل گاڑی پر بیٹھ جاؤں گا، وہ میرے مطلوبہ مقام سے گزرتی ہے۔ یہ قریب ہی ہے ڈھوک حافظ"

" چلیں ٹھیک ہے... پھر میں چلتا ہوں۔"

شاویز نے گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے اپنے آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔

کچھ ہی دیر میں وہ مری روڈ کی مصروف ترین جگہ پر پہنچ گیا۔۔۔۔

☆☆☆

" مایا! آج تمھارے ابو اپنی دکان پر دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔"

آمنہ شیشے سے باہر سڑک کی دوسری جانب موجود دکانوں کو دیکھنے لگی۔

" آمنہ! ابو اکثر اس وقت گھر جاتے ہیں۔ شاید چلے گئے ہوں گے۔"

مایا بھی گاڑی کا اک شیشہ مزید کھولتے ہوئے باہر دیکھنے لگی کہ اچانک گاڑی زوردار جھٹکے سے رکی۔

☆☆☆

شاویز نے زوردار بریک لگائی، کیوں کہ اس سے آگے والی گاڑی سے کوئی شخص ٹکرا کر اوندھے منہ نیچے گرا تھا۔ جس گاڑی سے وہ ایکسیڈنٹ ہوا تھا، وہ اسی وقت موقعہ سے فرار ہو گئی تھی جب کہ شاویز نے گاڑی سے فوراً نکل کر اس آدمی کا سر اپنے ہاتھوں میں لے کر اوپر کیا اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔

سفید کیری ڈبے کا ڈرائیور، جو شاویز کی گاڑی سے پیچھے تھا فوراً ہی گاڑی کو بریک لگا کر نیچے اترا اور بھاگتا ہوا اس شخص کی طرف بڑھا ۔ کیری ڈبے میں موجود سب لڑکیاں سہم کر رہ گئیں۔ وہ شیشے کھول کر باہر دیکھنے لگیں۔ مری روڈ کی ٹریفک بلاک ہو چکی تھی۔

اتنے میں طاہر بھاگتا ہوا کیرتی ڈبے کی طرف آیا اور ہانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

"مایا! جلدی سے باہر آؤ... مجھے لگتا ہے کہ یہ ایکسیڈنٹ تمھارے ابو کا ہوا ہے۔"

یہ سنتے ہی مایا کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کے ہوش اڑ گئے۔ وہ پاگلوں کی طرح بھاگتی ہوئی لوگوں کی بھیڑ میں سے زمین پر گرے ہوئے شخص کی طرف بڑھی۔ شاویز کے ہاتھوں میں موجود خون میں لت پت شخص کوئی اور نہیں مایا کے ابو تھے۔

وہ زار و قطار روتے ہوئے انھیں پکارنے لگی۔

"... ابو... ابو... ابو اٹھیں پلیز"

شاویز نے حوصلے سے کام لیتے ہوئے افضل صاحب کو اپنی گاڑی میں ڈالا۔ وہ جان چکا تھا کہ یہ لڑکی زخمی شخص کی بیٹی ہے، اس لیے اس نے مایا کو گاڑی میں ساتھ بٹھالیا۔ خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا، اس لیے اس نے ایمبولینس کا انتظار کرنا مناسب نہ سمجھا۔

مایا کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنی ابو کی پیشانی سے خون صاف کرتے ہوئے دعائیں کرنے لگی۔

"... یا اللہ! رحم کر... میرے ابو کو کچھ نہ ہو"

شاویز کو نا چاہتے ہوئے بھی اپنے پاپا کا آخری وقت یاد آنے لگا۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ مایا کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ وہ تیزی سے قریبی ہسپتال پہنچا۔ مایا کے والد کی حالت کافی تشویش ناک تھی۔ انھیں سیدھا ایمر جنسی میں لے جایا گیا۔

شاویز کے پاس شاید الفاظ ہی نہیں تھے کہ جس سے وہ مایا کا حوصلہ بڑھاتا۔

مایا اپنے ہاتھوں پر لگے خون کو دیکھ کر روتی چلی گئی۔ اس کے کالے عبایا کے نیچے سفید یونی فارم بھی یقیناً خون آلود ہو چکا تھا۔

شاویز ہمت کر کے مایا کے قریب آیا۔

"آپ حوصلہ رکھیں... ان شاء اللہ آپ کے والد ٹھیک ہو جائیں گے۔ آپ یہ میرا فون استعمال کر سکتی ہیں۔ اپنے گھر فون کر لیجیے تا کہ وہ آپ کے پاس پہنچ سکیں۔"

مایا نے ایک نظر شاویز کو دیکھا۔ آنسوؤں سے تر آنکھیں شاید ٹھیک طرح سے دیکھ بھی نہ پائیں، وہ مسلسل آنکھیں پونچھتی، خود کو جیسے دلاسا دے رہی تھی۔

اس نے لرزتے ہاتھوں سے فون ہاتھ میں لیا، تو اس کے ذہن میں کوئی نمبر بھی نہ ابھرا۔ وہ اسد کا نمبر یاد کرنے کی کوشش کرتی رہی ،لیکن اس کا تو ذہن معوف ہو چکا تھا۔ سارا دھیان سامنے آپریشن تھیٹر کی طرف تھا، جہاں اس کے والد کو لے جایا گیا تھا۔

اس نے کچھ کہے بغیر شاویز کے ہاتھوں میں موبائل دیتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیے۔

شاویز سمجھ گیا کہ ابھی اس کی حالت اس قابل نہیں ہے۔ وہ آہستہ سے مایا کے پیچھے چل پڑا۔ وہ اس کمرے کے باہر جا کر کھڑی ہو گئی جس کے اندر اس کے والد موجود تھے۔ ایک چھوٹی سی شیشے کی کھڑکی سے وہ اندر ہونے والی کارروائی کو نا چاہتے ہوئے بھی دیکھنے لگی ۔

انسان پر ایک قیامت تب بھی ٹوٹتی ہے جب اس کے سب سے قریبی رشتے جن پر اس کی زندگی کا دارومدار ہوتا ہے، وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہوں۔ ان رشتوں کو تکلیف میں دیکھنا، اپنے ہاتھوں پر ان کا خون پا کر بھی بے بس کھڑے رہنا، بالکل ایسے ہی ہوتا ہے کہ اپنا کلیجہ نکال کر سامنے رکھ دینا اور اس پر کئی اوزار ایک ساتھ چلتے دیکھنا اور پھر اپنے آنسوؤں سے التجا کرنا کہ تم تھم جاؤ، مجھے انھیں حوصلہ دینا ہے، جو زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا ہیں۔

مایا کی آنکھوں کے سامنے اس کے والد کے ماتھے پر ٹانکے لگائے جا رہے تھے۔ ایک چوٹ سر پر بھی لگی تھی جس میں سے خون رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

ڈاکٹر زبار بار صفائی کر کے زخم کی گہرائی کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔

مایا بے بس کھڑی دعائیں کر رہی تھی۔ درود شریف کا ورد کرتی، تو کبھی یا شافی پڑھتی۔ مگر کبھی کبھی عین ضرورت کے وقت دسترس میں رہنے والے حوصلے بھی جواب دے جاتے ہیں۔ ان پر التجاؤں کا اثر اتنا ہی ہوتا ہے جتنا بے رحم وقت کے آگے کی گئی فریادوں کا، دونوں ہی بے معنی ہوتی ہیں، تکلیف میں دیکھ کر کوسوں دور کھڑی ہو جاتی ہیں۔

مایا کی یہ حالت دیکھ کر شاویز کا دل پھٹے جا رہا تھا، کیوں کہ اسے اپنی حالت اچھی طرح یاد تھی جب اس کے والد اسی طرح آخری سانسیں لے رہے تھے۔ وہ مایا کی دلی حالت سے اچھی طرح واقف تھا حالاں کہ وہ بالکل اجنبی تھی، لیکن وہ جس کرب سے گزر رہی تھی، وہ شاویز کے دل کا بھی درد تھا، اس لیے وہ چاہتا تھا کہ اس کے والد کو بس زندگی ایک اور موقع دے دے۔

کچھ ہی دیر کے بعد مایا کی والدہ اور آمنہ اسی کیری ڈبے میں ہسپتال پہنچ گئیں۔

مایا اپنی والدہ کو آتے دیکھ کر بھاگ کر ان کے گلے لگ کر بے تحاشا رونے لگی۔ آمنہ نے انھیں حوصلہ دیا، کیوں کہ وہ دونوں اس حالت میں تھیں کہ نہ بول سکتی تھیں اور نہ ہی آنسو روک سکتی تھیں۔

مایا کے والد کے کچھ ٹیسٹ اور ایکسرے ہوئے۔ ان کے دائیں بازو میں دو فریکچر آ چکے تھے۔ ان کے سر والی چوٹ اتنی گہری نہیں تھی، اس لیے اب ان کی حالت خطرے سے باہر تھی۔

کچھ دیر کے بعد انھیں وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا۔ شاویز سرکاری ہسپتالوں سے زیادہ مطمئن نہ تھا، اس لیے اس نے مایا کی والدہ سے درخواست کی۔

”آنٹی جی! اگر آپ اجازت دیں، تو یہاں قریب ہی ایک پرائیویٹ ہسپتال ہے، وہاں انکل کی اچھی طرح سے دیکھ بھال ہو گی... ابھی انھوں نے جو ٹریٹمنٹ دی ہے، اس سے میں بالکل بھی مطمئن نہیں ہوں۔“

مایا کی والدہ نے بغیر کچھ سوچے ہامی بھر لی اور پھر انھیں ایک جدید ترین سہولیات سے آراستہ ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ وہاں جو ٹیسٹ ہوئے، ان سے یہ بات سامنے آئی کہ مایا کے والد ذیابیطس کا شکار ہیں۔ اب تو ان کے زخم بھرنے میں اور بھی وقت لگ سکتا تھا۔ شاید ان کے روز بروز کمزور ہونے کی یہی وجہ تھی۔

اب مایا اپنے والد کے پاس بیٹھی۔ ان کے چہرے پر آنکھ کے اتنے قریب زخم لگے تھے کہ ان پر ڈریسنگ ہو سکتی تھی اور نہ ہی اسٹیچنگ۔ ان میں سے ہلکا ہلکا سا خون رس رہا تھا، جو مایا آہستہ آہستہ سے صاف کر رہی تھی۔ اس کے والد کے منہ سے تکلیف کی وجہ سے کراہیں نکل رہی تھیں۔

شاویز دور کھڑا مایا اور اس کے ہر قریبی شخص کا درد سمجھ سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ انھیں اس وقت سہارے کی ضرورت ہے۔ انتہائی تھکاوٹ کے باوجود وہ مایا اور اس کے گھر والوں کو ایک منٹ کے لیے بھی تنہا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا، کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ ماں باپ کی تکلیف دیکھ کر سہنے والا حوصلہ درحقیقت عام لوگوں میں ہو ہی نہیں سکتا۔ پل پل سولی پر لٹکنا پڑتا ہے، قطرہ قطرہ جان قبض ہوتی ہے، جب ان کی تکلیف میں نکلی آواز کانوں میں پڑتی ہے اور وہ لوگ جن کا کل اثاثہ ہی والدین ہوتے ہوں، وہ تو ذرا سے

خدشے کے سامنے بھی ہاتھ جوڑ لیتے ہیں کہ خدارا! میری روح نکال لو... میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دو، لیکن میرے ماں باپ کو کانٹا بھی چھبنے نہ پائے۔۔۔

کچھ ہی دیر میں اسد ہسپتال پہنچ گیا۔ شاویز کے فون سے اس کی والدہ اسے اطلاع دے چکی تھیں۔ وہ باپ کے بستر کے آگے کھڑا مزید تفصیل لیتا رہا۔ شاویز نے اسے سارے واقعے سے مطلع کیا۔ اب اسد ادھر ادھر کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے نظر دوڑانے لگا۔ غالباوہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔ شاویز کے گھر سے فون آیا، تو وہ موبائل لے کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ گھر سے اس کی والدہ کا فون تھا۔

" ماما جانی! وہ ایک جگہ ضروری جانا پڑ گیا تھا... میں کچھ دیر تک آ رہا ہوں۔"

" بیٹا! کوئی اطلاع تو کر دیتے، ہم سب پریشان ہو رہے ہیں۔ ریحان اور شامیر کئی بار فون کر چکے ہیں۔ تمھارا فون بھی بند جا رہا تھا۔"

" ... ماما جانی! وہ نیٹ ورک ڈاؤن تھا۔ میں آپ کو گھر آ کر تفصیل بتاتا ہوں"

شاویز نے کال بند کر دی اور جیسے ہی کمرے میں واپس جانے کے لیے دروازہ کھولا، تو اسے اسد کی رعب دار آواز صاف سنائی دی، وہ نا چاہتے ہوئے بھی رک گیا۔

" کہا کس نے تھا آپ کو کہ ابو کو اس ہسپتال میں لے آئیں؟ اس کے ایک دن کا کرایا بھی میری آدھی تنخواہ کے برابر ہے۔"

" بیٹا! وہ لڑکا جس نے تمھارے ابو کو ہسپتال پہنچایا تھا، اس نے کہا تھا کہ یہاں علاج اچھا ہو جائے گا۔"

"امی! خدا کا واسطہ... آپ ہی عقل استعمال کر لیتیں۔ گھر کے حالات سے آپ واقف ہیں... اس نے کہا اور آپ ابو کو اس مہنگے ترین ہسپتال میں لے آئیں۔۔۔"

"لیکن اسد بھائی! وہ سرکاری ہسپتال والے صحیح طریقے سے نہیں دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے تو ابو کی شوگر کا ٹیسٹ بھی نہیں لیا تھا۔ ہمیں یہاں آ کر پتا چلا کہ ابو کو شوگر بھی ہے"۔

" ! بس کرو مایا بی بی"

اس نے غصے سے مایا کو گھورا۔

"شاویز ایک دم سے کسی گہری سوچ میں چلا گیا۔ ان کے حالات جان کر اور ایک جوان بیٹے کا اپنے باپ کے بارے میں یہ رویہ دیکھ کر وہ بہت افسردہ ہو گیا۔ وہ کچھ سوچنے لگا، پھر ایک پلان کے تحت اندر داخل ہو گیا۔ اسد اسے دیکھ کر منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا

وہ میں معذرت چاہتا ہوں کہ ایک ضروری فون آ گیا تھا۔ جس گاڑی سے انکل کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے، میں نے اس کار جسٹریشن نمبر نوٹ کر لیا تھا۔ اسے بتایا جا چکا ہے۔ میرا ایک دوست پولیس میں ہے، اس کی مدد سے اس ڈرائیور تک ہم پہنچ چکے ہیں۔ امید ہے کہ وہ کل تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہو گا اور اگر آپ چاہیں، تو اسے اچھی خاصی رقم ہرجانے کے طور پر ادا کرنا پڑے گی، کیوں کہ وہ وقوعہ سے بھاگا ہے۔"

اسد کے چہرے پر ایک چمک سی آئی اور وہ آگے بڑھ کر شاویز سے مصافحہ کرنے لگا۔

" بہت شکریہ! جناب! ہم آپ کے تہ دل سے شکر گزار ہیں کہ آپ نے اتنا ساتھ دیا ہے ہمارا۔"

کچھ دیر بعد شاویز اجازت لے کر وہاں سے چلا گیا، لیکن پورا راستہ وہ اسد کے رویے اور اس کے الفاظ کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس طرح کے لوگوں کا گزارہ کس طرح سے ہوتا ہو گا۔ اوپر سے اسد کا رویہ... وہ نا چاہتے ہوئے بھی یہ سوچتا رہا اور گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔

گھر پہنچ کر سیدھا اپنی والدہ کے کمرے میں داخل ہوا۔

" ! ماما جانی! السلام علیکم"

شاویز کی والدہ اپنے بیڈ پر ٹیک لگائے بیٹھی کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھیں۔ شاویز کو دیکھتے ہی ان کا چہرہ کھل اٹھا۔

"میرا بچہ!" یہ کہتے ہوئے اٹھ کر اسے اپنے گلے لگا لیا۔ "اتنے دن لگا دیے بیٹا! اور اور دوپہر کے آئے ہوئے آدھی رات کو گھر میں داخل ہو رہے ہو۔"

" ماما جانی! ابھی میں فریش ہو کر آتا ہوں اور پھر آپ کو سب کچھ بتاتا ہوں۔"

" ۔۔۔شاویز! یہ تمھاری شرٹ پر خون کے داغ... بیٹا! تم ٹھیک تو ہو"

"ماما جانی! میں بالکل ٹھیک ہوں... بس! فریش ہو کر آتا ہوں۔۔۔"

وہ پریشان سی اسے سر سے پاؤں تک دیکھتی رہیں کہ کہیں اسے چوٹ یا زخم تو نہیں لگ گیا۔

کچھ دیر بعد شاویز فریش ہو کر آیا اور ڈائننگ ٹیبل پر کھانا رکھوانے میں مدد کرتے ہوئے اپنی والدہ سے مخاطب ہوا۔

"ماما جانی! آج مری روڈ پر ایک ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور جس گاڑی نے ایک عمر رسیدہ شخص کو ہٹ کیا تھا، وہ بالکل میرے سے آگے والی گاڑی تھی۔ وہ ایسا بے حس شخص تھا کہ ایک منٹ کے لیے نہیں رکا۔ پھر میں انھیں ہسپتال لے گیا، اس لیے دیر ہو گئی۔"

" بیٹا! میں تو سمجھتی رہی کہ تم آفس گئے ہوئے ہو، اس لیے وہاں وقت لگ گیا۔"

"بس ماما جانی! وہاں میں جا نہیں پایا...ویسے بھی انسانیت کے تقاضے پورے کرنا ہی ہمارا اولین فریضہ ہونا چاہیے۔ شاید وہ انکل بے چارے روڈ کراس کرنے لگے ہوں گے۔"

" چلو! اللہ تعالیٰ انھیں صحت دے...اب تم کھانا کھالو ٹھیک سے ۔۔"

" شامیر بتا رہا تھا کہ دوبئی کا ٹور بھی کامیاب رہا ہے۔"

" جی ماما جانی! وہ تو بہت اچھا رہا... اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔" شاویز نے پلیٹ میں کھانا نکالتے ہوئے جواب دیا۔

شاویز کی والدہ بھی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر کی ادھر ادھر کی باتوں کے بعد ارمینہ بھی گفتگو میں شامل ہو گئی۔ کچھ دیر کے بعد شاویز آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ کافی دیر تک اس ایکسیڈینٹ کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر اسے مایا کا بے بس ہو کر رونا بے تحاشا یاد آیا۔ کس طرح سے وہ روڈ پر سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

انسان اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے آگے بہت ہی بے بس ہو جاتا ہے، کیوں کہ وہ ان فیصلوں کے پیچھے چھپی ہوئی حکمت نہیں جانتا۔

اسی طرح سوچتے سوچتے شاویز کو نیند آنے لگی اور وہ تھکاوٹ کے باعث گہری نیند سو گیا۔

☆☆☆

نیہا اور رمیل بھی ہسپتال پہنچ گئے اور رات دیر تک وہیں رکے رہے۔ باقی سب تو پھر بھی کچھ حوصلہ کر لیتے، مگر مایا رات بھر جاگتی رہی۔ ایک سیکنڈ کو بھی نہ سوئی۔ شاید بیٹیاں ہوتی ہی اتنی محبت کرنے والی ہیں کہ اپنا آپ بھلا دیتی ہیں جب بات ماں باپ کی خدمت اور توجہ کی آئے۔

اگلے روز مایا عبید کے ہمراہ گھر سے سوپ اور دلیہ بنا کر لائی۔ اسد اپنی جاب پر جا چکا تھا۔ مایا کی والدہ اور عبید قریب پڑے بنچ پر بیٹھے تھے اور مایا والد کو سوپ پلا رہی تھی کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی اور شاویز اندر داخل ہوا۔

فروٹ اور دیگر جوسز ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے سب کو سلام کیا اور مایا کے والد سے مخاطب ہوا۔

" انکل! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"بس بیٹا! ٹھیک ہوں۔ بہت بڑا احسان ہے تمھارا ہم پر..." مایا کے والد نے بھرائی ہوئی آواز میں شاویز کو دیکھتے ہوئے کہا، جو اس وقت ان کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا۔

مایا کے بکھرے سے بال، گلے میں دوپٹا، جسے وہ ٹھیک کرتے ہوئے سر پر پھیلا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں مسلسل رونے کی وجہ سے سوج چکی تھیں۔ سوپ کا پیالا ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ اپنی والدہ کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی، جو اس وقت عبید کے ساتھ بنچ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

"انکل! وہ جس گاڑی والے نے آپ کو ہٹ کیا تھا، وہ پکڑا گیا ہے۔" شاویز نے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے انھیں آسرا دلانے کی کوشش کی۔

مایا کی والدہ بولیں۔

" تو بیٹا! کون ہے وہ بدبخت انسان... جسے اتنا بھی اللہ تعالیٰ کا خوف نہ آیا کہ اٹھا کر ہسپتال ہی پہنچا دے۔"

"بس آنٹی جی! ایسے بھی خود غرض لوگ ہوتے ہیں، لیکن میرا جو دوست ڈی ایس پی ہے، اسے اس شخص نے معافی نامے پر دستخط کرنے کے طور پر ایک لاکھ روپے کی پیش کش کی ہے، اگر انکل اس پر دستخط کر دیں، تو وہ جو پیسے دے گا، اس سے ہسپتال کے اخراجات ادا کرنے میں مدد مل جائے گی آپ لوگوں کو... یوں آپ لوگوں پر کوئی بوجھ نہیں پڑے گا۔" شاویز نے اپنی تجویز پیش کرتے ہوئے بات کو مختصراً ختم کیا۔

کمرے میں موجود سب لوگ شاویز کو احسان مندانہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ مایا کے والد اور والدہ نے بے پناہ دعاؤں کے ساتھ شاویز کا شکریہ ادا کیا۔

" نہیں... انکل! شکریے کی کوئی بات نہیں، یہ میرا فرض ہے۔"

شاویز کو خود یہ پتا نہیں تھا کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے۔ شاید وہ جس محرومی کا شکار تھا، اس میں مایا اور اس کے باقی گھر والوں کو نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ باپ کا سایا کیا ہوتا ہے... پھر مایا کے آنسو... اس کا دل دہلا دیتے تھے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ ایسا کیوں ہے، مگر اس کی تکلیف کو وہ اپنے اندر محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مایا بہت مختلف ہے اور اس کا اپنے والد سے حد سے زیادہ پیار خود بخود شاویز کے دل میں گھر کرنے لگا۔

پھر شاویز اٹھا اور ٹیبل سے ایکسرے رپورٹ اٹھا کر دیکھنے لگا

" انکل! آپ کے بازو کا فریکچر کچھ وقت کے بعد بالکل ٹھیک ہو جائے گا... آپ نے گھبرانا نہیں ہے۔"

مایا کے والد کے بازو کندھے اور کہنی کے درمیان سے ٹوٹا تھا جس پر پلستر چڑھایا جاچکا تھا۔ اس عمر میں ہڈیاں جڑنے میں وقت تو لگتا ہے اور سب یہ بات جانتے تھے، مگر شاویز پھر بھی سب کو دلاسا دے رہا تھا اور حوصلہ بڑھا رہا تھا، وہ اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑ رہا تھا۔

"آپ کیا کرتے ہیں بھائی؟" اب عبید، شاویز سے مخاطب ہوا۔

" میں پراپرٹی کے بزنس میں ہوں... ایم بی اے مارکیٹنگ کر رکھا ہے میں نے... آپ کا نام کیا ہے؟"

" ... عبید"

" ! اوہ... اچھا... ماشاءاللہ"

پھر شاویز نے اپنے بیگ میں سے ایک کاغذ نکالا اور اس پر مایا کے والد کے دستخط لیے۔ وہ ایک معافی نامہ تھا، جو کہ شاویز بنا کر لایا تھا

۔

جیسے ہی اس نے دستخط کرا کر وہ کاغذ بیگ میں رکھا، تو خاندان کے کچھ افراد مع خالہ صغریٰ کمرے میں داخل ہوئے۔ حال احوال کر کے خالہ صغریٰ نے شاویز کے بارے میں اشاروں سے اپنی بہن سے پوچھنا شروع کر دیا۔ شاویز نے گھبرا کر اجازت لی، کیوں کہ وہ سمجھ گیا تھا کہ شاید کوئی قریبی عزیز ہیں۔

رمیل کے والد اور عاطف بھی وہیں خالہ صغریٰ کے ہمراہ تھے۔مایا نے سب کو ایکسیڈنٹ کی تفصیل سے آگاہ کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ شاویز کے متعلق بتایا کہ کیسے اس فرشتہ نما انسان نے ان کی مدد کی ہے۔

کچھ دن یوں ہی ہسپتال میں گزر گئے اور شاویز لگاتار چکر لگاتا رہا۔جس دن انھیں ڈسچارج ہونا تھا، اس دن شاویز جلدی پہنچ گیا، کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ کس قسم کے مسائل ہو سکتے ہیں، لہٰذا اس نے سب بندوبست کر لیے تھے۔

پچاس پچاس ہزار کے دو لفافے بنا کر اس نے اپنے بیگ کے اندرونی حصے میں رکھ لیے تھے۔وہ یہ رقم مایا کی والدہ کو تھماتے ہوئے بولا۔

"آنٹی جی! یہ آپ لوگوں کی امانت ہے، کل رات ہی کو یہ رقم مجھ تک پہنچی۔انکل نے اسے معاف کر دیا تھا، لیکن ایسے لوگ معافی کے قابل نہیں ہوتے ہیں۔"

"بیٹا!"مایا کے والد نے شاویز کو دیکھتے ہوئے کہا، جو ان کے بیڈ کے پاس ہی کھڑا تھا۔اگر میں اسے معاف نہ کرتا، تو کیا مجھے لگی چوٹیں اور ان سے ہونے والی تکالیف دور ہو جاتیں... نہیں ناں! میری تکلیف تو ویسے ہی رہتی، تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ میں اسے اپنے رب کی رضا کی خاطر معاف کر دوں۔

شاویز ان کی بات سن کر بہت متاثر ہوا۔ہسپتال اور دیگر اخراجات کا بل پینسٹھ ہزار روپے بن چکا تھا۔وہ بل ادا کر کے باقی رقم مایا کی والدہ نے سنبھال کر رکھ لی۔جاتے ہوئے فروٹ اور دیگر ادویات شاویز نے خود خرید لی تھیں۔

اب مایا اور اس کے والد اور والدہ شاویز کی گاڑی میں گھر پہنچ گئے۔

یہ بات تو بہت قابل ستائش اور احسان مندانہ تھی کہ جتنا ساتھ ان کا شاویز نے دیا تھا، اتنا ساتھ تو اپنے خون کے رشتے بھی نہیں دیتے۔ان کا اپنا سگا بیٹا اسد جان بوجھ کر آج بھی آفس گیا تھا، کیوں کہ اگر وہ ہسپتال چلا جاتا، تو وہاں کے اخراجات بھی شرماحضوری میں اسے ادا کرنے پڑتے۔

لیکن اللہ تعالیٰ تو بہت ہی عظیم ترین ہے، جب اولاد ہی ایسی احسان فراموش ہو، تو ایسے والدین کے لیے، بہتر وسیلے وہ رب خود بنا دیتا ہے۔وہ اپنے بندے کو کبھی بھی بے یارومددگار نہیں چھوڑتا۔

شاویز کا نمبر افضل صاحب نے اپنے موبائل میں سیو کر لیا تھا اور وہ اکثر انھیں روٹین کے چیک اپ کے لیے گھر سے لے جاتا تھا۔

اسی طرح ایک ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ افضل صاحب پورا دن گھر میں رہتے، بازو ٹھیک ہونے میں جانے اور کتنا وقت لگ جاتا، مگر ان کی دوائیوں کے اخراجات بہت زیادہ تھے، جو باقی بچ جانے والے پینتیس ہزار میں سے ادا ہو رہے تھے۔

ردا اور اسد کا رویہ بالکل بدل چکا تھا، کیوں کہ گھر کا پورا خرچا اسد کے سر پر آچکا تھا۔ اس کا برتاؤ پہلے سے بھی زیادہ سخت ہو گیا۔ مایا کے کالج کی فیس بھی اس کی والدہ نے اسی رقم میں سے ادا کی۔ اب پریشانی روز بروز بڑھنے لگی تھی۔

آج مایا کالج میں پورا دن بہت افسردہ سی رہی۔ وہ اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھی آج پھر دل ہی دل میں خود سے ہم کلام رہی۔ گھر کے حالات ...ردا اور اسد کا بدلتا ہوا رویہ...وہ خود کو بہت سنگین حالات کے لیے تیار کر رہی تھی۔

شاویز اس کے برے وقت میں ایک مضبوط سہارا بن کر آیا تھا کہ وہ نا چاہتے ہوئے بھی اس کے بارے میں سوچنے لگی۔

وہ یہ سب کیوں کر رہا تھا؟ اس کا کیا مفاد تھا یا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وسیلہ بن کر آیا تھا کہ جس کا نہ کوئی ذاتی فایدہ تھا اور نہ کوئی غرض...وہ بس سلجھا ہوا انسان تھا، جو مایا سمیت اس کے گھر کے ہر فرد کے دل میں اپنی جگہ بنا چکا تھا۔

کچھ دیر کے بعد آمنہ اسے ڈھونڈتی ہوئی وہاں آگئی۔

" ! مایا! تم یہاں ہو؟ پورا کالج ڈھونڈ لیا یار! کیا ہوا؟ یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ سب ٹھیک ہے ناں"

آمنہ اس کے ساتھ بنچ پر بیٹھتے ہوئے سارے سوال ایک ساتھ پوچھتی چلی گئی۔

" بس آمنہ! دل کچھ اداس ہے ہمارے فائنل ایگزامز کب ہوں گے، میں کوئی جاب کرنا چاہتی ہوں۔"

" کیوں کیا ہوا مایا! انکل تو ٹھیک ہے ناں؟"

ہاں! سب ٹھیک ہے میں ایسے ہی گھر والوں کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ اب ابو کو میں نے کام نہیں کرنے دینا ہے، یہ میں نے "

" ! سوچ لیا ہے...ان شاء اللہ

" سب اچھا ہو گا مایا! اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھو... آؤ گراؤنڈ میں چلتے ہیں۔"

پھر بیگ اٹھا کر دونوں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی گراؤنڈ میں جا کر بیٹھ گئیں۔

"کیا بنا نیہال کا؟ اب اس کا تمھارے ساتھ کیسا رویہ ہے؟"

آمنہ نظریں جھکاتے ہوئے دھیمی آواز میں بولی۔

"ویسا ہی ہے مایا! بہت دل دکھتا ہے... وہ بدن بدن مجھ سے دور ہوتا جارہا ہے اور میں کچھ نہیں کر پارہی... شاید سب سے زیادہ اذیت ناک بے بسی یہی ہوتی ہے کہ جب جان سے زیادہ عزیز شخص کو ہم رفتہ رفتہ خود سے دور جاتا دیکھیں اور سوائے اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر مرنے کے کچھ نہ کر پائیں... کاش محبت کی طبیعت میں زبردستی ہوتی، تو زور زبردستی کر کے ہاتھ پکڑ کے... چھوڑ جانے والوں کو موڑ لاتا ہر کوئی... پھر نہ بے بسی رہتی نہ ہی جدائی۔۔۔"

آمنہ سر جھکائے بولتی رہی اور آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوتی چلی گئیں۔ آنسو اس کے رخساروں سے ہوتے ہوئے اس کی گود میں گر رہے تھے۔

"مایا! اس شخص نے آج تک مجھ سے کچھ نہیں مانگا تھا... بے لوث محبت کے سوا... میں نے اسے انکار کیا نہ مایوس کیا۔۔"

"آمنہ! ایک بات کہوں... جو کبھی نہیں مانگتے ناں! وہ اگر چھیننے پر آجائیں، تو سب سے پہلے زندہ رہنے کا حق چھین لیتے ہیں... اتنا مجبور کر دیتے ہیں کہ زندگی سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ تم اپنا حال دیکھو... کیا کر لیا ہے... یہ وہی نیہال ہے ناں! جس کے بارے میں پہلی بار بتاتے ہوئے تم نے کہا تھا کہ اس نے تمھیں کبھی رونے نہیں دیا... آنکھیں دیکھ رہی ہو اپنی؟ کیا فائدہ ہوا آمنہ...؟؟؟ کتنے سال برباد کیے تم نے... وہ شخص ایک لمحے میں ختم کر گیا... گزر رہے ہیں اس کے دن رات... تمھارے بغیر... یاد آئی تم اسے؟؟ ایک بار بھی اس نے مڑ کر دیکھا...؟ اور تم ہو کہ روئے چلی جارہی ہو... بجھ گئی ہیں تمھاری آنکھیں... اتنا اندھا اعتبار کرتا ہے کوئی بھلا...؟ سچ کہوں آمنہ! جن آنکھوں میں محبت کی روشنی بہت چمکتی رہی ہو ناں! تو ان آنکھوں کو اسی محبت کے پھیلائے گئے اندھیرے دکھائی نہیں دیتے... یہاں تک کہ انسان کا پورا وجود تاریکیوں میں سما جائے اور وہ روشنی آنکھوں کو اندھا کر جائے یہی ہوا ہے تمھارے ساتھ بھی... تمھیں بھی نیہال کی محبت کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔۔۔"

"مایا! پلیز... خاموش ہو جاؤ۔۔۔"

آمنہ منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے آنسو چھپانے لگی۔

”آمنہ! کاش میں نے پہلے تمھیں سمجھایا ہوتا، تو آج یہ دن دیکھنا نہ پڑتا... تمھاری تکلیف کی آج یہ شدت نہ ہوتی، لیکن ابھی بھی زیادہ وقت نہیں ہوا... اچھا ہوا، اس کی اصلیت پتا چل گئی ہے۔“

”مایا! اتنا آسان نہیں ہے، میں تمھیں کیسے سمجھاؤں... وہ میری پہلی محبت ہے، خواب دیکھے ہیں بہت سے اس کے ساتھ... میں جب بھی سوچتی ہوں ناں کہ میں اسے بھول جاؤں گی، میرا دل خود دیوار بن کے میرے فیصلے کے آگے کھڑا ہو جاتا ہے، میں اس کی سوچوں کو جتنا ذہن سے نکالتی ہوں، اتنا ہی میرے ارد گرد وہ ہر منظر میں دکھائی دینے لگتا ہے۔ کبھی کبھی تو لگتا ہے، وہ شخص میرے ذہن سے میرے دل سے نکل بھی جائے تو بھی... وہ مجھ میں رہے گا۔ میری روح میں شامل ہو چکا ہے وہ مایا! میں اس کے تصور کو، اپنی روح سے کیسے الگ کروں، کیسے سہہ لوں اتنی بڑی اذیت...؟“

” آمنہ! کیا ہوتی ہے پہلی محبت؟ کیا مطلب ہے تمھارا اس بات سے؟ محبت تو محبت ہوتی ہے۔۔۔“

”نہیں مایا! پہلی محبت قدیم درخت کی طرح ہوتی ہے جسے بظاہر کاٹ کے پھینک بھی دو، تو بھی اس کی جڑوں تک رسائی ممکن نہیں ہوتی... وہ اندر ہی اندر میلوں میل تک پھیلی ہوتی ہے... بالکل جیسے نیہال کی محبت میرے اندر پھیل چکی ہے، لیکن تم تب تک نہیں سمجھو گی، جب تک تم خود محبت نہ کر لو کسی سے... اس دن میں تم سے پوچھوں گی۔“

”پتہ نہیں آمنہ! کون سی ایسی فیلنگ ہے یہ جس کا مجھے دیکھنے سے اندازہ نہیں ہو رہا... ویسے ایک بات کہوں... محبت کرنے والوں میں ایک یہی برائی ہوتی ہے آنکھوں دیکھی بے وفائی پہ بھی کنارے کا رخ نہیں کرتے یہاں تک کہ اندھے اعتبار کی ناؤ ڈوب جاتی ہے ان کی تمام تر وفاؤں کے خزانے سمیت... چلو! چھوڑو اٹھو... بھول نہیں سکتی، پر بھولنے کی کوشش کرو... میں تمھارے لیے دعا ہی کر سکتی ہوں... آمنہ! اور کیا کہوں۔۔۔“

دونوں بیگ اٹھائے کوریڈور کی طرف چلی گئیں۔

☆☆☆

” ماما! آپ نے شاویز سے بات کی؟“

ارمینہ موبائل اٹھائے باہر لان میں اپنی ماں کے سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی، جو چائے کا کپ اٹھائے کسی کتاب کے مطالعہ میں بزی تھیں۔

" ! کس بارے میں ارمینہ "

" اوہو ماما! بھول گئی ہیں آپ...وہ شفق آپی کی نند زِمل کے لیے آپ نے بات کرنا تھی ناں؟"

"اوہ اچھا! ہاں، ہاں بھئی! مجھے یاد ہے، میں کروں گی، لیکن آج کل وہ الجھا ہوا ہے کام میں۔ ذرا فارغ ہو جائے، تو سکون سے بات کرتی ہوں تا کہ وہ ٹھنڈے دل سے اپنی رائے دے سکے اور ویسے بھی ارمینہ ! میں اس معاملے میں پر سکون ہوں، کیوں کہ مجھے پتا ہے کہ وہ نہ کر ہی نہیں سکتا۔ میں سوچ رہی ہوں کہ کسی دن موقع دیکھ کر شفق سے بھی بات کروں تا کہ وہ اپنے سسرال والوں کے کانوں میں سے بھی گزار دے یہ بات۔۔"

" اچھا ٹھیک ہے ماما! یہ تو بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔ اچھا! میں مائرہ کی طرف جا رہی ہوں شام تک آ جاؤں گی۔

" اوکے ! ٹھیک ہے بیٹا! ڈرائیور کو بلا لیا؟

" ماما! میں خود ڈرائیو کر کے جاؤں گی، ڈرائیور کی ضرورت نہیں ہے۔"

" ! چلو! جیسے تمھاری مرضی ...بیٹا"

کتاب کو ایک طرف رکھتے ہوئے وہ بھی اٹھیں اور اندر لاؤنج کی طرف چلی گئیں۔

☆☆☆

" ردا بیٹی! ذرا فریج میں رکھا ہوا سوپ تو لانا اپنے ابو کے لیے... دوائی دینی ہے انھیں۔"

ردا غصے میں پہلے سے ہی بھری بیٹھی تھی۔ کچن سے اٹھ کر کمرے میں آئی، جہاں افضل صاحب بیڈ پر لیٹے ہوئے تھے اور ان کی بیوی ان کے پاس بیٹھی سورہ یٰسین پڑھنے میں مصروف تھیں۔

" امی! وہ سوپ اسامہ کو دے دیا ہے، کیوں کہ اسے بھوک لگی ہوئی تھی اور روٹی اس وقت تیار نہیں ہوئی تھی۔"

"چلو! کوئی بات نہیں، اوپر فریزر میں دیکھو، چکن کا ایک پیکٹ رکھا تھا اور سوپ چڑھا دو ذرا جلدی سے۔۔۔"

ردا نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے بہت ہی برے طریقے سے جواب دیا۔

"وہ جو اسد لے کر آئے تھے؟ وہ چکن رات کو میں نے بچوں کو بنا کر دے دیا تھا۔ امی! اب آپ لوگ سارا اسد پہ تو نہ ڈالیں۔ مایا اور عبید کی پڑھائی اب اتنی بھی ضروری نہیں ہے، وہ کوئی چھوٹی موٹی نوکری کریں اور گھر کے خرچوں میں اسد کا ہاتھ بٹائیں۔ ابو بھی چار پائی پر پڑ گئے ہیں۔ کسی ایک شخص کو بھی اسد کا خیال نہیں ہے۔ اتنا تھک جاتے ہیں، رات بھر وہ تھکاوٹ کی وجہ سے بیمار رہے، کچھ تو آپ لوگ احساس کریں۔"

ردا یہ کہہ کر پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

افضل صاحب کی آنکھیں تو اسی وقت بھر آئیں اور انھوں نے منہ پر لحاف لے لیا۔ جب کہ مایا کی والدہ اٹھیں اور سورہ یٰسین کو شیلف میں رکھ کر منہ پھیرتے ہوئے رونے لگیں۔ ردا کی باتوں سے وہ دونوں ٹوٹ کر رہ گئے تھے۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور مایا خوش گوار موڈ میں گھر داخل ہوئی۔ اونچی آواز میں سلام کر کے سیدھا اپنے والدین کے کمرے میں چلی گئی۔ اس کا معمول تھا جب سے اس کے والد کا ایکسیڈنٹ ہوا، تب سے وہ کالج سے آتی، بیگ اٹھائے سیدھا ان کے کمرے میں آتی۔

مگر آج جب وہ اندر داخل ہوئی، تو سلام کا جواب بھی بس دھیمی آواز میں ملا، وہ بھی صرف اپنی امی سے۔

"کیا ہوا امی! سب ٹھیک تو ہے؟ ابو تو اس وقت نہیں سوتے... ابو کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

اسے بہت تشویش ہوئی۔ اچانک اسے لگا کہ وہ رو رہی تھیں۔

"امی! کیا ہوا؟ پلیز... مجھے بتائیں۔"

مایا کا تو دل جیسے مٹھی میں آ گیا تھا۔

"کچھ نہیں بیٹا! بس ایسے ہی۔۔۔۔"

وہ چہرہ دوپٹے سے پونچھتے ہوئے مایا کو سر پہ پیار دیتی ہوئی ایک طرف سے ہو کر باہر نکل گئیں۔

"آخر مجھے بتائیں گی آپ کہ کیا ہوا؟"

مایا بیگ ایک طرف رکھتے ہوئے ان کے پیچھے دوڑی۔

"کس نے کچھ کہا ہے؟ آپ مجھے بتائیں گی یا نہیں؟" مایا نے تلملا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں ہوا مایا! جاؤ جا کر یونیفارم تبدیل کرو... میں کھانا ڈال کر لاتی ہوں۔"

"آپ نے کھانا کھایا؟ اور ابو نے؟"

"مجھے بھوک نہیں ہے مایا! اور تمھارے ابو کا دل نہیں چاہ رہا۔"

"تو کیا انھوں نے ابھی تک دوائی بھی نہیں کھائی... امی! حد کرتی ہیں آپ کہ دل نہیں چاہ رہا۔ لائیں مجھے دیں کھانا، میں ابو کو خود دے کر آتی ہوں۔"

"مایا! عبید آ جائے، تو مرغی کا سوپ بنا کر دیتی ہوں۔ وہ لا دے گا مجھے بازار سے جا کر۔۔۔"

"امی! فریزر میں پڑا تو تھا۔۔۔"

اتنے میں ردا کچن میں آ گئی۔

"اگر میں نے دو بوٹیاں بچوں کو کھلا ہی دیں، تو آپ لوگوں نے سر پہ قیامت اٹھالی ہے ایک ایک بندہ آ کر انکوائری کر رہا ہے... حد ہوتی ہے کسی چیز کی۔"

مایا حیران پریشان ہو کر اپنی بھابھی کا ایک نیا روپ دیکھنے لگی۔ جو بھی تھا، لیکن آج تک وہ مایا کے ماں باپ کے سامنے نہیں بولی تھی، لیکن اب اس نے ماں کا لحاظ کیا نہ بیمار باپ کا۔

☆☆☆

ردا کا یہ برتاؤ اب روز کا معمول بن گیا۔ ہر روز کسی نہ کسی چھوٹی سی بات کو طول دینا اور لڑائی جھگڑا کرنا اس کی عادت بن گیا اور جب اس سے بھی تسلی نہ ہوئی، تو اسد کے کان بھرے جانے لگے۔ آخر ایک دن ردا نے اپنے دل کی بات اسد کے سامنے ایک فائدہ مند تجویز کے طور پر پیش کر دی۔

"اسد! دیکھیے ناں! کتنا مشکل ہو گیا ہے کہ گھر کے خرچے پورے کرنا۔ روز کوئی نہ کوئی خرچہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ آپ اکیلے کمانے والے اور اتنے لوگوں کا بوجھ...اسد! ہمارے اپنے بھی بچے ہیں۔ کل کو وہ بڑے ہوں گے۔ ہم نے ان کے لیے کیا جوڑا ہے۔ ایک پیسہ بھی نہیں بچتا کہ ہم اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے سیو کریں۔" ردا نے اسد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے التجائیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اسید بیڈ پر بیٹھا سوچوں میں گم تھا۔ اسد نے ردا کا ہاتھ پکڑ کر اسے سامنے بٹھالیا۔

"ردا! میں کیا کروں، تم کہتی تو ٹھیک ہو۔ میں خود تھک گیا ہوں۔ میرے بچوں کو میری کمائی سے تیسرا حصہ بھی نہیں جاتا، حالاں کہ وہ سب سے زیادہ حق دار ہیں، میری کمائی کے۔"

"اسد! کرنا کیا ہے؟ ردا نے شاطرانہ انداز میں چال چلتے ہوئے ایک اور مشورہ اسے دیا۔ "آپ ایسا کیوں نہیں کرتے! اپنی امی ابو سے کہیں کہ کہیں قریبی کوئی سستا سا مکان لے کر اس میں شفٹ ہو جائیں اور پھر ہم بھی تھوڑے وقت کے بعد ان کا حال " پوچھنے جاتے رہیں گے ناں۔ ہم کون سا انھیں اس حال میں چھوڑیں گے۔

" ردا نے اسد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اپنی بات پر قائل کرنے کی کوشش کی۔

" لیکن ردا! ابو تو کام پر نہیں جاسکتے، تو پھر وہ لوگ کیسے دیں گے کرایا اور گھر کے اخراجات کیسے پورے ہوں گے؟"

"اوہ ہو! شاید آپ کو پتا نہیں ہے کہ امی کے پاس کافی بڑی رقم موجود ہے۔ وہ آپ نے بتایا تھا ناں کہ انھیں پیسے ملے ہیں، وہ ابو کے ایکسیڈنٹ والے کہیں سے۔ دیکھ لیں اسد! آپ کو تو ہوا بھی نہیں لگنے دی انھوں نے ان پیسوں کی۔"

"ہاں ردا! تم ٹھیک کہتی ہو۔ بہت خود غرض ہو جاتے ہیں یہ لوگ! آخر میں بھی تو گھر کا فرد ہوں۔ ہسپتال کے سارے اخراجات کا انھوں نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا ہے کہ کس طرح سے وہ فیس ادا ہوئی ہے۔ مجھے تو کوئی کچھ سمجھتا ہی نہیں ہے۔ بس! پیسے کمانے کی مشین بنا کر رکھا ہے۔ میں ان سے آج ہی بات کرتا ہوں اب اپنا بندوبست کرلیں۔"

"اسد! آپ کو یاد ہے، وہ نیہا کی شادی کے لیے خالہ صغریٰ سے جو پچاس ہزار ادھار لیا تھا ابو نے...مجھے تو لگتا ہے کہ وہ بھی آپ کے سر آجائے گا۔ اگر آپ نے وقت پر اپنا بچاؤ نہ کیا تو۔۔۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو ردا! یہ تو میں بھی سوچ رہا تھا کہ جس دن خالہ گھر آ گئیں پیسے لینے کے لیے آئیں، اس دن سب کی نظریں مجھ پر لگ جاتی ہیں کہ اب یہی دے۔"

اسد غصے سے اٹھا اور عبید اور مایا کو امی ابو کے کمرے میں آنے کا کہہ کر وہ خود بھی وہیں چلا گیا۔

مایا اور عبید ایک دوسرے سے اشارے سے پوچھنے لگے کہ آخر کیا ماجرا ہے، کیوں کہ جو بھی ہو رہا تھا، وہ سب ان کے لیے نیا ہو رہا تھا ۔ خیر دونوں اٹھ کر کمرے میں چلے گئے۔

" ابو! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

اسد نے ایکسیڈنٹ کے بعد شاید پہلی بار اپنے والد کا حال پوچھا تھا۔ وہ سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ مایا اور عبید بھی اندر آ کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔

" ! بہتر ہوں اب! بس بازو جلدی سے ٹھیک ہو جائے، تو اپنا کام شروع کروں۔ سارا بوجھ تمھارے کندھوں پر آ گیا ہے بیٹا"

"ابو! آپ کی بات تو ٹھیک ہے، بوجھ تو سارا مجھ پر آ گیا ہے۔ بجلی کے بل، گیس، پانی گھر کا سودا، بچوں کی فیسیں... میں کس طرح اٹھاؤں یہ سارے خرچے...؟ اب آپ لوگ مہربانی کریں، قریب ہی کوئی گھر دیکھ لیں اور اگر آپ لوگ نہیں دیکھ سکتے، تو مجھے بتا دیجیے... میں آپ لوگوں کے لیے دفتر سے وقت نکال کر دیکھ لیتا ہوں۔"

اسد کے خاموش ہوتے ہی پورے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ سب بے یقینی سے ایک دوسرے کے منہ کو تکنے لگے۔

"لیکن بھائی! ہم لوگ ابھی پڑھ رہے ہیں... ابو کی حالت آپ کے سامنے ہی ہے... ہم کس طرح"

"یہ میں نہیں جانتا مایا!" اسد غصے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "ایک دو دن میں بندوبست کر لیں، تو اچھا ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔ صبح آفس بھی جانا ہے۔" اسد اپنا فیصلہ سنا کر واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔

عبید اور مایا بت بنے وہیں کھڑے رہے۔ جب کہ افضل صاحب اور ان کی بیوی بچوں کو حوصلہ دیتے رہے۔

"کوئی بات نہیں۔ تم دونوں آرام سے سو جاؤ... تمھیں اس بارے میں پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔" مایا کے والد نے دھیمے انداز میں کہا۔

ماں باپ کتنے اچھے ہوتے ہیں ناں! بالکل سایہ دار درختوں کی طرح... خود جل جاتے ہیں، لیکن اولاد پر ایک ہلکی سی تپش بھی نہیں پڑنے دیتے۔

مایا اور عبید جانتے تھے کہ وہ دونوں ٹوٹ چکے ہیں، لیکن ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔

اپنے امتحان کی تیاری کے لیے عبید، مایا والے کمرے میں ہی سوتا تھا۔ مایا رات دیر تک اسے بھی پڑھاتی اور خود بھی پڑھتی، لیکن آج کی رات شاید اسد اور ردا کے سوا کوئی اور سکون سے نہیں سو پایا تھا۔ سب ہی پریشان تھے، کیوں کہ اتنے قریبی رشتوں کے اتنے بھیانک رنگ دیکھ کر برداشت کرنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ مایا عبید سے کافی دیر تک اسی مسئلے پر بات کرتی رہی۔ سب کے لیے بے یقینی والی کیفیت تھی۔

ادھر افضل صاحب اور ان کی بیوی اسد کے اس سلوک کے بارے میں سوچتے رہے اور چپکے چپکے روتے رہے۔ کیا ماں باپ اس لیے اولاد کو پال پوس کر بڑا کرتے ہیں کہ جب وہ کچھ کما کر دینے کی حالت میں آ جائیں، تو ان سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کر لیں۔

"بیگم! اگر تمھارے پاس کچھ رقم رکھی ہوئی ہے، تو میں صبح عبید کو ساتھ لے کر جاتا ہوں، کوئی چھوٹا سا مکان دیکھتا ہوں۔ جتنا جلدی ممکن ہو، ہم یہاں سے چلے جائیں، تو اچھا ہے۔" اب وہ بے سدھ سے لیٹے ہوئے سامنے دیوار کو تکتے ہوئے اپنی بیوی سے پوچھنے لگے۔"

"میرے پاس تیس ہزار پڑا ہے۔ آپ اللہ کا نام لے کر دیکھیں، کوئی مناسب سے کرائے والا گھر۔ میں تو خود یہاں نہیں رہنا چاہتی۔ جب اولاد کو ماں باپ کی تکلیف بھی نہ دکھائی دیتی ہو، تو اس سے زیادہ کیا انتظار کرنا کہ ان کے دل میں ہمارے لیے احساس پیدا ہو گا۔"

وہ دونوں کچھ دیر ایسی ہی باتیں کرتے رہے، مگر نیند آتے آتے بھی آنسوؤں کی قطاریں لگ گئیں۔ دونوں ایک دوسرے سے منہ چھپا کر ناچاہتے ہوئے بھی روتے رہے۔ تکلیف اتنی شدید تھی کہ رونا تو آ ہی جاتا ہے۔ اور وہ تو پھر ایسے ماں باپ تھے جنھوں نے ... ساری زندگی محنت کر کے اسد جیسی اولاد کو پروان چڑھایا تھا

اگلے ایک دو دن میں کچھ گلیاں چھوڑ کر ایک دو کمروں والے مکان کا بندوبست ہو گیا۔ کرایا آٹھ ہزار روپے تھا، جو دیگر مکانات کی نسبت قدرے کم تھا۔ سامان اتنا زیادہ تو تھا نہیں کہ رکھنے اور لے جانے میں وقت لگتا۔ تھوڑا بہت جو سامان تھا، وہ عبید نے اسی دن اپنے چند دوستوں کی مدد سے اٹھوا لیا تھا۔

نیہا اور رمیل کو بھی اس کی خبر ہوئی، تو وہ بھی بہت افسردہ ہوئے اور فوراً ملنے آ گئے۔ ایک مہینے کا کرایا ایڈوانس دے کر باقی پانچ ہزار روپے سے راشن اور دوسری اشیاء خرید لی گئی تھیں۔

کچھ دن کے بعد افضل صاحب کا روٹین کا چیک اپ تھا اور شاویز کو یاد تھا لہٰذا وہ مقررہ وقت پر ان کے گھر پہنچ گیا۔ دروازے پر دستک دے کر اب وہ دروازے کے کھلنے کا منتظر تھا۔ اچانک ردا نے دروازہ کھولا۔

" جی! کس سے ملنے ہے آپ کو؟"

" السلام علیکم! میں شاویز ہوں۔ وہ انکل کو لے کر جانا تھا۔ آج ان کا چیک اپ تھا۔"

ردا نے ایک نظر دروازے سے باہر جھانکا۔ سوٹ پہنے ہوئے مہذب سی شخصیت کا مالک شاویز نظریں جھکائے جواب کا منتظر کھڑا تھا ۔

"وہ اب یہاں نہیں رہتے..."ردا نے جل بھن کر جواب دیا۔

" لیکن کچھ دن پہلے تک تو وہ یہیں تھے۔۔۔"

" اوہو... بھئی! بتا دیا ناں! اب نہیں رہتے... آپ کے پاس ان کا فون نمبر ہے، تو انھیں فون کر لیں۔"

زور دار جھٹکے سے اس نے دروازہ بند کر لیا اور اندر چلی گئی۔

شاویز بہت حیران ہوا اور سوچتا سوچتا واپس گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے سر جھٹکا اور افضل صاحب کا نمبر ملایا۔ کچھ دیر بیل جاتی رہی اور پھر انھوں نے فون اٹھا لیا۔

" السلام علیکم... انکل! شاویز بات کر رہا ہوں۔"

وعلیکم السلام! کیا حال ہیں بیٹا!"افضل صاحب نے جواب دیا۔"

"جی انکل! میں ٹھیک ہوں... آج آپ کا ایکسرے اور معاینہ ہونا تھا... میں آپ کے گھر آیا تھا، لیکن وہاں سے کسی خاتون نے مجھے بتایا کہ آپ لوگ وہاں سے جا چکے ہیں۔"

"جی بیٹا! اسی علاقے میں چند گلیاں چھوڑ کر یہ مکان میں نے لیا ہے... میں آپ کو ایڈریس سمجھاتا ہوں، آپ وہاں سے کسی سے پوچھ لیں جامعہ مسجد کی گلی کہاں ہے۔ میں گلی کے باہر کھڑا ہوتا ہوں، آپ کو پتا چل جائے گا۔"

"جی انکل! ٹھیک ہے، میں پہنچ رہا ہوں۔"

شاویز نے موبائل رکھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی اور ایک دو لوگوں سے پوچھ کر مطلوبہ جگہ پہنچ گیا۔

تھوڑی دیر میں وہ افضل صاحب کے گھر میں موجود تھا۔ صحن میں موجود ایک کرسی پر وہ افضل صاحب اور ان کی بیگم کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ دونوں وہاں بچھی ہوئی چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔

شاویز کے گھر بدلنے کی وجہ پوچھنے پر ان دونوں کی آنکھیں بھر آئیں اور نا چاہتے ہوئے بھی انھوں نے اپنا دکھ کھول کر شاویز کے سامنے رکھ دیا۔ وہی اس مشکل گھڑی میں ان کا واحد غم گسار تھا۔

ساری بات سن کر وہ بہت رنجیدہ ہوا، لیکن انھیں حوصلہ دیتا رہا۔ کچھ دیر باتوں کے بعد وہ انھیں اسی پرائیویٹ ہسپتال معاینے کے لیے لے گیا۔

☆☆☆

فلاسفی کی کلاس میں بیٹھتے ہی آمنہ اور مایا نے اپنی نوٹ بک کھولی اور آج کے ٹیسٹ کی دوہرائی کرنے لگی۔ کچھ پوائنٹس جو آمنہ کو کلیئر نہیں تھے، مایا نے اسے مزید سمجھاتے ہوئے کچھ مثالیں دیں۔ دس منٹ گزر چکے تھے، لیکن ابھی تک مس فوزیہ کلاس میں نہیں آئی تھیں۔ وہ ڈسپلن کی ہیڈ تھیں اور آج سے کالج میں اسٹوڈنٹ ویک کی تیاری شروع ہو چکی تھی۔ شاید وہ کسی ضروری کام کی وجہ سے کلاس میں نہیں آسکی تھیں۔ یہ معلومات کلاس انچارج نے فراہم کیں، تو پوری کلاس خوشی سے اچھل پڑی۔

کافی لڑکیاں اٹھ کر جا چکی تھیں جب کہ مایا نے زبردستی آمنہ کو روک رکھا تھا کہ اگر مس فوزیہ آگئیں، تو بہت ڈانٹ پڑے گی، اس لیے وہ بھی خاموشی سے بیٹھ گئی۔

مزید دس منٹ گزرنے کے بعد مایا کی ہمت بھی جواب دے گئی اور وہ بھی آمنہ کے ہمراہ اولڈ بلاک کی طرف ایک درخت کی چھاؤں میں بنچ پر جا کر بیٹھ گئی۔

مایا، آمنہ کو اسد کی ساری کارروائی اور اس کے بعد ہونے والے سارے واقعے سے آگاہ کر چکی تھی، کیوں کہ اس کا سٹاپ بدلا جا چکا تھا اور آمنہ اس سے گھر کے اچانک بدلنے کی وجہ بار بار پوچھنے لگی، تو مایا کو نا چاہتے ہوئے بھی بتانا پڑا۔

"مایا! تمہیں پتہ ہے۔۔ نیہال نے اب کبھی رابطہ نہیں کیا۔ تمھاری باتوں کے بعد میں بھی اب اسے کوئی میسج یا کال نہیں کرتی۔ دل کو سکون مل جائے بس! بہت ستایا ہے اس محبت نے مجھے..." آمنہ دور گراؤنڈ کی طرف دیکھتے ہوئے سرد آہ بھرتے ہوئے بولی۔

"آمنہ! سوکھے پتوں کو کبھی درختوں سے ٹوٹتے دیکھا ہے؟ ان کے اگنے سے لے کر ٹوٹ کر بکھرنے تک کے سب رنگ رشتوں پہ بھی آتے ہیں... ان کے بھی موسم ہوتے ہیں۔ ایک وقت میں وہ اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ تیز آندھی کو بھی مات دے دیتے ہیں، مگر رفتہ رفتہ ان کے رنگ پھیکے پڑنے لگتے ہیں اور پھر ایک دن ایک ہلکے سے جھونکے سے ٹوٹ کر دور تک بکھر جاتے ہیں۔ انسان جن سے جدائی کا سوچ ہی نہیں سکتا، ان کے بغیر بھی جی لیتا ہے۔ شاید کوئی بھی ضروری نہیں ہوتا کسی کے لیے۔" مایا پاؤں کے نیچے پڑے ہوئے سوکھے پتوں کو اپنے جوتے سے کبھی ادھر کرتی، تو کبھی ادھر کرتی۔ "آمنہ! رشتے بھی ایسے ہی ٹوٹ کر بکھرتے ہیں اور اتنے ہی بے وقعت ہو جاتے ہیں جتنے یہ ٹوٹے ہوئے پتے ہیں۔ مجھے یہ اچھا لگا ہے کہ تم اب اس سے رابطہ نہیں کرتیں۔ رہی بات دل کے سکون کی، تو اس کے لیے سب سے بہتر طریقہ یہی ہوتا ہے کہ اگر کوئی ٹھوکر مار کر گرا جائے، تو اسے اس کے سہارے کے بغیر اٹھ کر دکھایا جائے اور خود کو اس مقام تک پہنچائے کہ وہ آپ کو سر اٹھا کر دیکھے۔ یہی سب سے بڑا سبق ہوتا ہے اس شخص کے لیے اور یہی بہترین طریقہ ہوتا ہے اس سے بدلہ لینے کا اور یقین مانو آمنہ! جب تک خود کو کسی مقام پر پہنچاؤ گی ناں! کچھ بن جاؤ گی، کامیاب ہو جاؤ گی، تو تمھیں سکون بھی ملے گا اور دوسرے شخص کو پچھتاوا بھی تب ہی ہو گا۔۔"

آمنہ غور سے مایا کی باتیں سنتی رہی۔

"سچ کہتی ہو مایا! تمھاری باتوں سے مجھے بہت سکون ملتا ہے، بہت حوصلہ ملتا ہے۔ بس! ایک دکھ ہے کہ اسے میں نے سچی محبت دی تھی... وہ اسے کیوں راس نہ آئی۔"

"آمنہ! سچی بے لوث محبت بھی اکثر لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث بن جاتی ہے، ہم جتنا ان کے قریب جانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ اتنا ہی اپنے اردگرد تلخ رویوں کی اونچی دیواریں کھینچ لیتے ہیں۔ ہم چاہے صبر کی ساری حدیں پار کر کے ان تک پہنچ بھی جائیں، مگر ان کے معیار تک کبھی نہیں پہنچ سکتے اور وہ معیار کم از کم محبت کرنے والوں کا نہیں ہو سکتا، کیوں کہ محبت کرنے والے کبھی دھتکارتے نہیں ہیں۔ نیہال نے تمھاری محبت سمیت تمھیں ٹھکرا دیا، تو اس سے خود اندازہ لگا لو... وہ تمھاری سچی محبت کے قابل ہی نہیں تھا۔ آمنہ! اگر تمھیں میری باتیں واقعی ہی سکون اور ہمت دیتی ہیں، تو وعدہ کرو کہ اس شخص نے اگر کبھی رابطہ کیا بھی، تو تم اسے آئینہ ضرور دکھاؤ گی۔"

آمنہ حیرت سے مایا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"آئینہ دکھاؤں گی؟ مگر وہ کیوں مایا! اس سے کیا ہو گا... میرا دل تو ٹوٹ ہی چکا ہے"

"کبھی کبھی آئینہ دکھانا، اس لیے ضروری نہیں ہوتا کہ ہمیں اپنے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا مداوا چاہیے۔۔۔ حقیقتاً کچھ زیادتیوں کی معافی دے کر بھی سہنے والے کی تکلیف میں کمی نہیں آتی۔ وہ معافی دے کر بھی اسی سولی پر لٹکا رہتا ہے۔ آئینہ دکھانے کا مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ جو زہر وہ ہماری زندگی میں گھول کے پر سکون ہوتے ہیں، اس زہر کی تلخی کا ذرا برابر حصہ وہ اپنے شب و روز میں شامل رکھیں تا کہ روز قیامت حساب دینے میں آسانی رہے۔"

"! ٹھیک کہتی ہو تم مایا"

آمنہ کچھ دیر یوں ہی مایا سے اپنے دل کا حال کہتی رہی اور اس کی باتوں سے اپنے دل کو تسلی دیتی رہی۔

☆☆☆

شاویز، افضل صاحب کے معاینے کے بعد انھیں گھر لے آیا۔ وہ لوگ بیٹھے باتوں میں مصروف تھے کہ کچھ دیر کے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

"عاطف۔۔۔ آؤ بیٹا! کیسے ہو تم؟"

"جی خالہ! ٹھیک ہوں میں۔"

عاطف نے اندر آتے ہوئے گھر کا جائزہ لیا۔ ادھر ادھر دیکھ کر آگے بڑھتے ہوئے اس نے ایک گہری نظر شاویز پر ڈالی اور پھر افضل صاحب کو سلام کر کے وہیں بیٹھ گیا۔

شاویز نے خود اٹھ کر عاطف سے ہاتھ ملایا جب کہ عاطف کا انداز بہت مشکوک دکھائی دیا۔

"خالہ! آپ نے گھر بدل لیا، یہ تو بہت اچھا کیا۔ ویسے بھی جو اولاد گھر بار والی ہو، تو اس پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے۔ مجھے بڑا ترس آتا تھا بے چارے اسد پر..." عاطف نے طنزیہ لہجے میں بات کرتے ہوئے ایک بار پھر عجیب سی الجھی ہوئی نظروں سے شاویز کو دیکھا۔

شاویز کو اس کی یہ بات بڑی ناگوار گزری۔ کچھ دیر وہ اسی طرح جلی کٹی باتیں کرتا رہا، اتنے میں مایا کالج سے آگئی۔ سب سے سلام دعا کے بعد وہ عبایا اتار کر فریش ہو کر کچن میں آئی، تو اس کی والدہ نے چائے لانے کا کہا۔ مایا کچھ تشویش کا شکار تھی، کیوں کہ عاطف کی گھر میں اس طرح موجودگی اس کے لیے بالکل ایک نئی بات تھی اور ناقابل یقین بھی۔ پھر کچھ دیر یوں ہی سوچنے کے بعد ایک دم سے اس کے ذہن میں آیا۔

"کہیں عاطف اس رقم کے لیے تو نہیں آیا، جو نیہا کی شادی پر خالہ صغریٰ سے ادھار لی تھی، اگر وہ رقم لینے آیا ہے، تو ہم اس وقت کیسے ادا کریں گے؟"

اسی سوچ میں مگن وہ چائے کپوں میں ڈال کر ٹرے میں رکھ کر باہر لے گئی۔ سب کو چائے دیتے ہوئے جب اس نے ٹرے عاطف کے آگے کی، تو وہ بہت ہی نامناسب طریقے سے اسے گھورنے لگا۔ مایا کا دل چاہا کہ وہ ٹرے وہیں پھینک کر اندر چلی جائے۔ اسے عاطف کی نظروں سے بہت الجھن ہو رہی تھی۔ چائے دینے کے بعد وہ وہاں ایک لمحے کے لیے بھی نہ رکی۔

شاویز کو محسوس ہوا کہ کچھ گڑبڑ ہے، کیوں کہ مایا پہلے ایسے نہیں گھبرایا کرتی تھی۔ وہ ایک سمجھ دار اور مہذب لڑکی تھی۔ مگر وہ سمجھ نہ پایا کہ آخر ہوا کیا ہے۔

کچھ دیر گزری تو شاویز نے اجازت لی اور وہاں سے نکل کر آفس کے کسی کام کے سلسلے میں اسلام آباد ہائی وے کی طرف چلا گیا جب کہ عاطف کچھ دیر اور بیٹھا اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے آخر کار شاویز کے متعلق عجیب سے سوالات کرنے لگا۔

" خالو جی! برا نہ مانیں، تو ایک بات کہوں؟ مجھے یہ بالکل اچھا نہیں لگا کہ آپ نے ایک غیر مرد کو گھر پہ بٹھا رکھا تھا۔"

عاطف نے کندھے اچکاتے ہوئے ایک اور طنز کا تیر چلا دیا۔

"عاطف! وہ ہمارا محسن ہے اور میں اسے جتنا جان سکا ہوں، وہ ایک شریف گھرانے کا بچہ ہے۔ میں نے اس میں کوئی غلط حرکت نہیں دیکھی اور سب سے بڑی بات اس نے ہمارے برے وقت میں ہمارا ساتھ دیا تھا۔"

افضل صاحب نے واضع الفاظ میں دوٹوک بات کی۔

"لیکن خالو! جوان بچی ہے آپ کے گھر میں۔ میں نے تو اس لیے کہا تھا... خیر! چلتا ہوں خالہ! دروازہ لگا لو۔"

عاطف منہ بناتے ہوئے اٹھا اور دروازے سے باہر چلا گیا۔

مایا کمرے سے باہر آئی۔

"امی! کیوں آیا تھا یہ شخص؟ مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔ خالہ سے کہہ دیں کہ خود آجایا کریں۔"

مایا غصے میں کچن میں آکر بیٹھ گئی جہاں اس کی والدہ روٹی بنانے میں مصروف تھیں۔

"مایا! حد کرتی ہو تم۔ تمھارے ابو کا پتا کرنے کے لیے اگر وہ آ ہی گیا، تو تمھیں کیا مسئلہ ہے؟ کچھ کہا ہے اس نے تمھیں؟" اس کی والدہ روٹی توے پر ڈالتے ہوئے مایا کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔" ویسے بھی وہ کون سا روز روز آتا ہے۔ عزت کیا کرو، بڑا ہے تم سے۔

"امی! جن رشتوں پہ بال برابر بھی شک ہو، وہ کبھی بھی قابل احترام نہیں ہوسکتے۔ ان کی طرف سے اتنا ہی چوکس رہنا چاہیے جتنا آستین کے سانپ سے رہا جاتا ہے۔"

"اے ہائے مایا! توبہ ہے تم سے... شاویز بھی تو آتا ہے۔ اس کے متعلق تم نے کبھی ایسے الفاظ استعمال نہیں کیے۔"

"کیوں کہ امی! شاویز کی آنکھیں مجھے کبھی نہیں چبھیں۔ وہ ہمیشہ عزت کی نگاہ سے مجھے دیکھتا ہے مگر آج جس انداز سے عاطف بھائی نے مجھے دیکھا ہے، مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔"

"چلو! شکر ہے مایا! کوئی تو تمھیں پسند آیا۔ یہ لو! عبید کو کھانا دے آؤ۔"

انھوں نے پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے مایا کوٹرے میں روٹی رکھ کر دی، تو وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

" امی! پتا نہیں آپ لوگوں کو میری بات ایک بار میں سمجھ کیوں نہیں آتی۔ افسوس ہوتا ہے آپ لوگوں پر۔"

یہ کہہ کر وہ ٹرے اٹھائے کچن سے باہر چلی گئی۔

کچھ دن گزرے تو نیہا اور رمیل مٹھائی کا ڈبا لیے گھر آ گئے۔ دونوں ہی ضرورت سے زیادہ خوش دکھائی دے رہے تھے۔ مایا اور عبید اپنے اپنے معمول کے مطابق کالج اور سکول میں تھے۔ افضل صاحب اور ان کی بیگم دونوں گھر پر موجود تھے۔ نیہا نے آتے ہی ماں کے گلے لگ کر انھیں ڈھیر سارا پیار کیا جو کہ صحن میں بیٹھی سبزی بنانے میں مصروف تھیں اور افضل صاحب قریب ہی پڑی کرسی پر بیٹھے اپنے بازو اور ہاتھ کی ہلکی پھلکی ورزش کر رہے تھے۔ ہاتھ کبھی بند کرتے، تو کبھی کھولتے تاکہ ایک ہی جگہ اکڑ نہ جائے۔ رمیل نے ان کے قریب ہی ایک کرسی سنبھال لی اور نیہا ماں کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر حال احوال کے بعد رمیل نے بات شروع کی۔

"پھوپھو اور انکل! آپ کی دعا سے مجھے آسٹریلیا کی ایک کمپنی میں سینیئر ویب ڈیزانر کی پوسٹ پر جاب مل گئی ہے اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ ان کی تنخواہ فیکس ہے، کوئی کمیشن بیس یا کنٹریکٹ کا چکر نہیں ہے۔"

افضل صاحب اور ان کی بیگم نے سنتے ہی ہاتھ بلند کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ انھیں یہ سن کر بہت خوشی ہوئی تھی۔

"بیٹا! تمھیں کیسے پتا چلا اس کمپنی کا؟" افضل صاحب نے مزید تفصیل پوچھنے کے لیے رمیل کی طرف دیکھا۔"

"انکل! میں کچھ سالوں سے اس کمپنی کے ساتھ کنٹریکٹ بیس پر کام کر رہا تھا اور اب وہ لوگ مجھے پرمانٹ اپنا امپلائیر ہائر کرنا چاہتے ہیں۔ میں اور نیہا نادرا آفس جا رہے ہیں۔ اس کا شناختی کارڈ اپنے نام پر بنوانا ہے اور ساتھ ہی پاس پورٹ کے لیے بھی اپلائی کرنا ہے ۔"

"نیہا کی والدہ نے اس کی خوشی محسوس کرتے ہوئے اسے گلے سے لگا لیا اور پھر سے ان دونوں کے لیے دعائیں مانگنے لگیں۔ افضل صاحب بھی یہ خبر سن کر بہت خوش تھے۔ "اچھا انکل! اب ہم نکلتے ہیں۔

پھر وہ نادرا آفس کے لیے روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد بھی ان کے گھرانے کا تذکرہ افضل صاحب اور ان کی بیگم آپس میں کرتے رہے۔

☆☆☆

مایا اور عبید کا زیادہ تر وقت امتحانات کی تیاری میں گزرنے لگا۔ عبید کی ڈیٹ شیٹ بھی آگئی تھی اور اس کے امتحان دو ہفتوں بعد ہونے والے تھے، اس لیے وہ زیادہ تر اپنا وقت پڑھائی میں گزار رہا تھا۔ کبھی وہ اسکول چلا جاتا اور کبھی اپنے کسی دوست کی طرف۔ اکثر وہ میتھ کے کسی سوال پر اٹک جاتا، تو اسے مدد کے لیے مایا یا اسکول ٹیچر کی ضرورت پڑتی۔

شاویز اپنے کام کے ساتھ ساتھ افضل صاحب سے بھی فون پر مسلسل رابطے میں رہتا۔ اسے ناچاہتے ہوئے بھی ان کی شفقت بھری شخصیت میں اپنے والد دکھائی دیتے، اس لیے وہ ان کی دل و جان سے عزت کرتا تھا۔ گھر کے حالات جیسے بھی تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے وقت پاس ہو رہا تھا۔ اکثر آس پاس کے رشتے دار پتا کرنے آجاتے، مگر سب سے دل خراش رویہ ان کے اپنے بیٹے اور بہو کا تھا جنھوں نے مڑ کر دیکھنا تو دور کی بات فون کر کے خبر تک نہ لی تھی۔

شاید ایسے ہی ہوتے ہیں، وہ رشتے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ خون سفید ہو گیا ہے ان کا۔ جب رشتوں سے احساس مر جائے، تو پھر وہ اتنے ہی ناکارہ ہو جاتے ہیں جتنے شاخ سے ٹوٹ کر پتے۔ نہ تو ان کی اپنی شناخت رہتی ہے اور نہ کوئی پہچان۔

☆☆☆

شاویز نے ایک دو ضروری ای میلز کی اور گھڑی دیکھتے ہوئے فوراً موبائل اٹھا کر افضل صاحب کا نمبر ملایا۔ کچھ دیر بیل بجنے کے بعد کال ریسیو ہو گئی۔

”السلام علیکم... انکل! آپ تیار ہیں ناں! میں بس پہنچ رہا ہوں۔ آپ کے بازو کا فائنل ایکسرے ہو گا اور اللہ کرے آج آپ کا پلستر ریموو ہو جائے۔“

شاویز نے ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھائی، اپنا کیبن کلوز کیا اور بات کرتے ہوئے گاڑی میں آکر بیٹھ گیا۔

افضل صاحب نے سلام دعا کے بعد اپنے منتظر ہونے کی تصدیق کی اور فون بند کرتے ہوئے اٹھے۔

" میرے سارے ایکسرے اور رپورٹس مجھے دے دو بیگم! شاویز تھوڑی ہی دیر میں یہاں پہنچنے والا ہے۔"

ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ عاطف شراب کے نشے میں دھت زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔

" تم رکو! میں دیکھتا ہوں۔"

افضل صاحب نے دروازہ کھولا، تو ساتھ ہی ایک زور دار جھٹکے سے عاطف لڑکھڑاتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس کے منہ سے شراب کی بد بو کافی دور سے آ رہی تھی۔ افضل صاحب اس کی یہ حالت دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور ایک دم اس کے پیچھے چل پڑے۔

وہ خالہ خالہ پکارتا ہوا صحن میں کرسی کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔

"امی بتا رہی تھیں کہ ابھی تک آپ لوگوں نے پیسے ادا نہیں کیے..." وہ لڑکھڑاتی ہوئی بے ربط سی آواز میں بولتا چلا گیا۔

افضل صاحب اپنی بیوی کے آگے جا کر کھڑا ہو گئے۔

جاؤ عاطف! تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی مجھے... اپنی امی کو بھیجو۔" افضل صاحب نے غصیلے لہجے میں اسے کہا۔

" آج تو میں پیسے لیے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

وہ کرسی پر پھیل کر بیٹھ گیا اور پاؤں سامنے پڑی چارپائی پر ٹکا دیے۔

افضل صاحب گھبرا کر اپنی بیوی کو دیکھنے لگے۔

" آپ اس کے پاس رکیں، میں صغریٰ آپا سے جا کر بات کرتی ہوں۔"

وہ لمبی سی چادر اٹھا کر اوڑھتے ہوئے افضل صاحب سے کہہ کر باہر نکل گئیں۔

اتنے میں شاویز بھی پہنچ گیا۔ وہ گاڑی لاک کرتا ہوا وہیں کھڑا ہو گیا اور فون پر افضل صاحب کو اپنی آمد کی اطلاع دینے لگا تا کہ وہ باہر آ جائیں۔ کچھ دیر بیل جاتی رہی اور جب کال پک نہ ہوئی، تو اس نے خود آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دے ڈالی۔ اتنے میں مایا بھی اپنے کیری ڈبے سے نکلتے ہوئے گھر کی طرف آتی دکھائی دی۔

سیاہ برقعے میں ملبوس سر پر حجاب لیے، کچھ کتابیں ہاتھ میں اٹھائے، بیگ کندھے پر لٹکائے وہ نظریں جھکا کر گلی کے ایک کنارے پہ چلتی ہوئی آ رہی تھی۔ شاویز جانے کیوں ہر بار اس کی شخصیت سے متاثر ہو جاتا تھا، کیوں کہ وہ ہر گز عام لڑکیوں جیسی نہیں تھی۔ ایک رکھ رکھاؤ تھا، ایک مضبوط شخصیت تھی، اجلا سا کردار تھا۔ اس میں وہ سب خوبیاں موجود تھیں، جو آج کل کے دور میں شاید بہت ڈھونڈنے کے بعد ہی ملتی ہوں گی۔

شاویز اسے آتا دیکھ کر نظریں جھکا کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ مایا اس کے پاس سے گزرتی ہوئی سلام کر کے اندر چلی گئی۔ شاویز بھی آہستہ سے اس کے پیچھے اندر داخل ہو گیا۔ افضل صاحب مایا کو دیکھ کر ایک دم محتاط انداز میں اسے ایک طرف سے گزر کر اندر کمرے میں جانے کا کہنے لگے۔

گھر کی فضا میں شراب کی ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔ مایا کچھ ٹھیک سے اندازہ نہ لگا سکی۔ عاطف کے قریب سے گزرتے ہوئے اس پر ایک نگاہ ڈالتی ہوئی وہ اندر جانے لگی کہ عاطف کی عجیب و غریب حالت سے وہ چونک گئی۔ وہ کرسی کی پشت پر سر ٹکائے آنکھیں بند کر کے کچھ گنگنا رہا تھا۔ اس کی بے ربط بھدی آواز نشے کی وجہ سے مزید کانوں کو ناگوار گزر رہی تھی۔ وہ ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں مسلسل کوئی گانا گنگناتا رہا۔

شاویز بھی ایک طرف کھڑا سب کچھ خاموشی سے دیکھتا رہا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ عاطف نشے کی حالت میں ہے۔ مگر وہ ان کے گھر اس حالت میں کیا کر رہا تھا۔ اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا، جس کے لیے اس نے افضل صاحب سے پوچھا۔

”انکل! سب ٹھیک تو ہے ناں؟“

اس کا بولنا تھا کہ افضل صاحب جو کہ عاطف کے سامنے ذرا فاصلے پر بت بنے کھڑے تھے، ایک دم سے چوکنا ہو گئے۔

”جی شاویز بیٹا! سب ٹھیک ہے۔“

وہ گھبرائے سے کبھی عاطف کو تو کبھی شاویز کو دیکھتے۔ مایا عجیب سی بے چینی کی کیفیت میں کھڑی حالات کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ چاہ کر بھی یہ سمجھ نہ پائی کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

اسی اثنا میں عاطف نے آنکھیں کھولیں، تو اسے سامنے مایا کھڑی دکھائی دی۔ اس کے پاس ہی افضل صاحب اور شاویز بھی کھڑے تھے۔ عاطف بغیر کچھ سوچے بجلی کی سی تیزی سے اٹھا اور مایا کی طرف لپکا۔ اپنا بیلینس برقرار رکھتے ہوئے اس نے بجلی کی سی تیزی سے مایا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچنا چاہا۔ وہ تیزی سے اس کا ہاتھ جھٹک کے، دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

افضل صاحب نے ایک ہاتھ سے عاطف کی شرٹ کو پیچھے سے کھینچتے ہوئے اسے پوری طاقت سے ایک طرف پھینکنا چاہا، تو عاطف نے ان کی جانب مڑتے ہوئے زوردار دھکے سے افضل صاحب کو پیچھے کی جانب پھینک دیا۔ شاویز نے فوراً افضل صاحب کو بڑھ کر سنبھال لیا، مگر اتنے میں کرسی کا ایک کونا اس قدر زور سے ان کے ماتھے پر لگ چکا تھا کہ وہ تکلیف سے تڑپ اٹھے۔ شاویز سے اس کی یہ حرکت برداشت نہ ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ جڑ دیا۔ اب عاطف ایک ہاتھ سے اپنا گال سہلاتے ہوئے گالی گلوچ پر اتر آیا۔

”تو ہوتا کون ہے ہمارے معاملے میں دخل دینے والا۔ سب پتا ہے مجھے، جو گل کھل رہے ہیں اس گھر میں۔“

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور بولتا، مایا نے اچھل کر ایک تھپڑ اس کے منہ پر جڑ دیا۔ اپنے والد کے ماتھے سے خون بہتا دیکھ کر وہ بھاگتی ہوئی آئی تھی اور صحن میں کھڑے ہوئے عاطف پر برس پڑی۔ مایا کا خون کھول رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس انسان کو جان سے مار دیتی۔ عاطف نے تھپڑ کھانے کے بعد خونخوار نظروں سے مایا کی طرف دیکھا اور اس سے پہلے کہ وہ مایا پر ہاتھ اٹھاتا، شاویز نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ مایا فوراً اپنے والد کے گلے لگ گئی اور اپنے دوپٹے سے ان کا بہتا ہوا خون صاف کرنے لگی۔

عاطف بڑبڑاتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔ شاویز بھی افضل صاحب کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ افضل صاحب مسلسل عاطف کو برا بھلا کہتے رہے۔ شاویز کے بار بار پوچھنے پر انھوں نے عاطف کے گھر آنے کا مقصد بتا دیا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ مایا کی والدہ اپنی بہن کے ساتھ گھر میں داخل ہوئیں۔ مایا نے عاطف کا سارا کارنامہ انھیں سنا دیا۔ خالہ صغریٰ اپنے لاڈلے کی حرکت پر پردہ ڈالنے کے لیے اس کی سابقہ بیوی کی بے وفائی کا الزام دیتی رہیں۔ شرمندگی کے باعث وہ وہاں زیادہ دیر نہ ٹھہریں۔

شاویز، مایا کے ہمراہ افضل صاحب کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ وہ مایا کی تکلیف کو یوں محسوس کر رہا تھا جیسے ان کا آپس میں گہرا تعلق ہو۔ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ ایسا کیوں ہے۔ مایا دل ہی دل میں شاویز کو ڈھیروں دعائیں دیتی رہی اور جس انداز سے اس نے عاطف کا

ہاتھ پکڑ کر مایا کی حفاظت کی تھی، وہ لمحہ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا، کیوں کہ جو درد شاویز کے دل میں ان کے لیے تھا، وہ درد ہر کوئی محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ ورنہ! اسے کیا پڑی تھی باقی لوگوں کی طرح وہ بھی بے حس تماشائی بن جاتا۔

واپسی پر آتے ہوئے شاویز نے اپنے اے ٹی ایم سے کچھ رقم نکلوائی اور پھر افضل صاحب کے گھر پہنچ کر ان سے مخاطب ہوا۔

"انکل! میں آپ کی عزت ایسے ہی کرتا ہوں جیسے میں اپنے والد کی کرتا تھا۔ خدا جانتا ہے کہ آپ کی ذرا برابر بھی تکلیف مجھے بے چین کر دیتی ہے، لیکن آج جو کچھ اس گھر میں ہوا، اللہ نہ کرے کہ وہ کبھی میری غیر موجودگی میں دوبارہ ہو، اس لیے یہ پچاس ہزار روپے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ ان لوگوں کو دے دیں اور جان چھڑا لیں۔ پلیز انکل! انکار نہ کیجیے گا۔"

بات کرتے کرتے شاویز کی آنکھیں بھر آئیں۔

"اور انکل! اگر آپ مجھے اپنا بیٹا سمجھ کر یہ قبول نہیں کر سکتے، تو ادھار سمجھ کر رکھ لیجیے تاکہ آپ کی انا کو ٹھیس نہ پہنچے۔"

شاویز لگاتار بولتا چلا گیا۔

" اور انکل! اب تو ماشاءاللہ اگلے ہفتے آپ کا پلستر ریموو ہو جائے گا اور آپ اللہ کے فضل سے دوبارہ اپنے معاملات دیکھ سکتے ہیں۔"

سب ہی تقریباً لاجواب تھے اور شاویز کی اتنی محبت دیکھ کر سب کی آنکھیں اشکوں سے تر ہو چلی تھیں۔ افضل صاحب نے بے اختیار اٹھ کر شاویز کو گلے لگا لیا اور ان کی بیگم اسے دعائیں دیتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کرنے لگیں۔ شاویز خود کو بہت پر سکون محسوس کرنے لگا۔

وہ وقفے وقفے سے مایا کی طرف دیکھتا اور اس کی معصومیت پر رشک کرتا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مایا کے لیے اپنے دل میں کچھ جذبات سے محسوس کرنے لگا تھا، لیکن وہ خود بے یقینی کی سی کیفیت میں تھا، اس لیے کوئی حتمی رائے قائم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ احساس کا رشتہ ہے یا محبت کا۔ فقط اتنا تھا کہ وہ اس گھر کے ہر فرد کو ہر دکھ اور تکلیف سے بچا لینا چاہتا تھا اور پھر مایا کے چہرے کی معصومیت اور سکون اس کی اپنی ذات کے لیے راحت کا باعث بنتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

یوں ہی کچھ عرصہ گزر گیا۔مایا اور عبید امتحانات سے فارغ ہوئے اور افضل صاحب نے دوبارہ اپنا فرنیچر کا کام سنبھال لیا۔رمیل اور نیہا آسٹریلیا جا چکے تھے۔حالات اپنے معمول پر تھے۔سب کچھ پہلے جیسا خوش گوار ہو گیا تھا۔شاویز ان سب میں بہت گھل مل گیا تھا ،جیسے وہ اس خاندان کا ہی حصہ ہو۔پھر رفتہ رفتہ اس کا دل مایا کے لیے دھڑکنے لگا۔سب کچھ اتنا غیر محسوس طریقے سے ہوا کہ شاویز کو خبر بھی نہ ہوئی۔وہ کب اس کا گرویدہ ہو گیا،اسے کچھ پتا نہیں تھا۔اب تو بس یہ حال ہوتا کہ وہ اس کی دل ہی دل میں آرزو کرنے لگا،لیکن مایا،شاویز سے ابھی تک بے تکلف نہیں ہوئی تھی۔وہ بہت محتاط رہنے والی لڑکی تھی اور یہی بات شاویز کے لیے بہت متاثر کن تھی۔وہ جانتا تھا کہ مایا میں کچھ تو انوکھا ہے،کیوں کہ وہ عام لڑکیوں کی طرح اس کی توجہ پانے کی ہرگز کوشش نہ کرتی اور اگر محسوس کرتی کہ شاویز انجانے میں اس سے پر تکلف ہونے کی کوشش کر رہا ہے،تو ضرورت سے زیادہ محتاط ہو جاتی اور اچھی شریف لڑکیوں کو شاید ایسا ہی ہونا چاہیے۔

شاویز اکثر دل میں سوچتا۔

"میں اسے نہیں جانتا مگر اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ جس کسی کی قسمت میں لکھی ہے،وہ شخص دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہو گا۔"

شاویز کے دل میں مایا کی محبت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی اور وہ اسے پانے کے لیے دعائیں کرنے لگا۔کئی بار اس نے سوچا کہ اپنے گھر میں بات کرے،مگر اس خیال سے خاموش ہو جاتا کہ زیادہ ضروری مایا اور اس کے گھر والوں کی رضامندی ہے۔ورنہ اپنی والدہ اور گھر کے دوسرے افراد کے بارے میں وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ سب اس کی خوشی میں خوش ہوں گے،اس لیے وہ مایا کے والدین سے بات کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

کئی بار مایا کے گھر اس خیال سے گیا کہ آج بات کر لے گا،مگر ہمت نہ کر پاتا۔شاویز،مایا تک اپنے دل کی بات پہنچانے سے پہلے اس کے والدین کو اپنی خواہش بتانا چاہتا تھا،کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ مایا کس طرز کی لڑکی ہے۔وہ کبھی بھی شاویز کی محبت کو قبول نہیں کرے گی جب تک اسے اس کے والدین کی طرف سے تسلی نہ ہو گی اور شاویز خود بھی ایک مہذب اور اخلاقی اقدار کا پاس رکھنے والا لڑکا تھا،اس لیے وہ پہلے مایا کے والدین سے بات کرنا چاہتا تھا۔

آخر ایک دن ہمت کر کے وہ پھر سے اسی نیت کے ساتھ مایا کی والدہ سے اجازت لے کر گھر آگیا۔ عبید کسی جاب کے انٹرویو کے لیے گھنٹہ پہلے ہی گھر سے نکلا تھا اور مایا اپنے کمرے میں اپنی کتابوں کو ایک ڈبے میں ترتیب سے رکھنے میں مصروف تھی۔ افضل صاحب کی طبیعت کچھ ناساز تھی، اس لیے وہ گھر پر ہی موجود تھے۔ وہ اور ان کی بیگم شاویز کے گھر والوں کا حال احوال پوچھنے کے بعد اس کی ضروری بات کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"شاویز بیٹا! آپ فون پر کسی ضروری بات کا ذکر کر رہے تھے۔ کیا کام تھا بیٹا!" افضل صاحب شاویز سے تفصیل پوچھتے ہوئے اٹھ کر بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

شاویز گھبرائے سے انداز میں سامنے صوفے پر بیٹھا ان کی بات سے مزید گھبرا گیا۔

بولو بیٹا!" مایا کی والدہ نے بھی شاویز سے دو تین بار پوچھا۔"

وہ قریب ہی پڑے دوسرے صوفے پر بیٹھی شاویز کے جواب کی منتظر تھیں۔

" جی آنٹی!"

شاویز نے صوفے پر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے پھر سے ہمت کی۔ اس کی گھبراہٹ اور بے چینی سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کچھ بہت ہی اہم بات کرنا چاہتا ہے، کیوں وہ پہلے کبھی ان کے سامنے اتنی الجھن کا شکار نہیں ہوا تھا۔ گلا صاف کر کے اس نے پھر سے ہمت کر کے بات شروع کی۔

"وہ دراصل... آپ سب لوگ مجھے اتنے اچھے لگتے ہیں، اتنا پیار ملا ہے آپ سب سے، میری بڑی خواہش ہے کہ میں آپ کی فیملی کا حصہ بن جاؤں۔۔۔"

وہ آنکھیں جھکا کر بولتا چلا گیا۔

افضل صاحب اور ان کی بیگم ایک دوسرے کو یوں دیکھنے لگے جیسے وہ بھی کسی بے یقینی کا شکار ہوں۔

" بیٹا! میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔" افضل صاحب نے شاویز سے کھل کر بات کرنے کو کہا۔

" دراصل انکل! میں اپنی والدہ کو بھیجنا چاہتا ہوں، اگر آپ لوگ اجازت دیں، تو۔۔ مایا کا ہاتھ مانگنے۔۔۔"

اتنے میں وہ پسینے میں مکمل طور پر شرابور ہو چکا تھا۔ دل تھا کہ سینے سے باہر نکلنے کو تھا، وہ اپنی دھڑکنیں بہت واضع طور پر سن سکتا تھا

۔

" بیٹا! ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

مارے خوشی کے مایا کی والدہ اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"لیکن مایا کی رائے لینا ضروری ہے بیگم!" افضل صاحب نے فیصلہ مایا پر چھوڑتے ہوئے بات کو ایک واضح پہلو کی طرف موڑ دیا۔

شاویز بہت سکون سا محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ اٹھنے سے پہلے مایا کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔ جیسے ہی وہ واپس جانے کے لیے کمرے سے باہر نکلا، مایا کتابوں کا ڈبا اٹھائے اسٹور روم کی طرف جا رہی تھی۔ وہ بھاری بھر کم ڈبا اس نے بڑی مشکل سے اٹھایا ہوا تھا۔ شاویز کا دل چاہا کہ اس کے ہاتھوں سے وہ بوجھ لے کر خود رکھ دے جہاں وہ اسے رکھنے جا رہی تھی، مگر وہ چاہ کر بھی ایسا نہ کر سکا۔"

مایا کے گھر سے اپنے گھر جاتے ہوئے سارے راستے وہ وہ مایا کے جواب کے متعلق سوچتا رہا۔ کچھ لوگ اچانک ہی اتنے اہم ہو جاتے ہیں کہ ان کے منہ سے ایک اقرار سننے کے لیے بھی دل پہروں دعاؤں کے سجدے میں جھکا رہتا ہے اور شاویز کا دل بھی بے اختیار دعاؤں کی سی کیفیت میں مبتلا تھا۔

شام ہوئی، تو مایا کی والدہ اس کے کمرے میں مایا کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔ مایا کسی اسلامی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھی۔

" امی! خیریت ہے؟ کوئی کام تھا مجھ سے، مجھے بلا لیتیں۔"

" ! نہیں، نہیں کوئی کام نہیں تھا۔ بس کچھ بات کرنا تھی تم سے... مایا"

" جی امی! کیا بات کرنی ہے؟"

وہ کچھ دیر سوچتے ہوئے پھر بولیں۔

" مایا! شاویز کیسا لڑکا ہے؟"

"کیوں امی! خیریت؟"

مایا کتاب بند کرتے ہوئے تشویش کا شکار ہوئی۔

" ہاں، ہاں! خیریت ہی ہے۔"

" محسن ہیں ہمارے... احسان ہیں ان کے ہم پر، لیکن آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔ آپ خود بھی تو جانتی ہیں کہ وہ بہت اچھے ہیں۔"

" مایا! وہ اپنی والدہ کو بھیجنا چاہتا ہے... تمھارے رشتے کے لیے۔"

مایا ایک دم سے حیرت سے اچھلی اور اپنی امی کو تکنے لگی۔

" میرے رشتے کے لیے؟ امی! آپ کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو گی۔"

"نہیں مایا! آج اس نے مجھ سے اور تمھارے ابو سے بات کی ہے۔۔۔"

اب مایا غصے میں تلملا اٹھی۔

" اور آپ لوگوں نے کیا جواب دیا؟"

"اوہ ہو! اس میں غصہ کرنے والی کون سی بات ہے۔" مایا کی والدہ نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "اور ہم نے اسے کیا جواب دینا تھا ۔۔ ظاہری بات ہے کہ تمھاری رائے بھی تو پوچھنا تھی مایا!"

"امی! میری طرف سے صاف انکار ہیں، انھیں بتا دیں... میں بھی سوچ رہی تھی کہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان کسی مطلب کے بغیر احسان پر احسان کرتا چلا جائے۔۔۔"

"مایا! خدا کا خوف کرو۔ اس کی نیت پر کیوں شک کرتی ہو، وہ مطلب سے نہیں ملتا تھا۔" مایا کی والدہ برہم ہوئیں۔ "اور ضروری نہیں کہ ہر شخص مطلب سے ملے۔"

"جی امی! بالکل صحیح... ہر شخص مطلب سے نہیں ملتا، لیکن ہر شخص مطلبی ضرور ہوتا ہے۔ کبھی نہ کبھی وہ اپنا مطلب آپ کے سامنے رکھ ہی دیتا ہے... کسی نہ کسی صورت میں... کوئی نہ کوئی تقاضا کر ہی لیتا ہے۔۔"

مایا غصے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"مایا بیٹا! اسے بھلا ہم سے کیا لالچ ہے؟ وہ تو خود اتنا بڑا آدمی ہے... روپیا پیسا، ہر چیز اس کے پاس ہے... اس نے تو عزت سے تمھارا ہاتھ مانگا ہے..." امی نے مایا کو نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"آپ کو سمجھ کیوں نہیں آتی امی! کہ رشتے اپنی حیثیت کے لوگوں میں جوڑنے چاہئیں... اپنی اوقات کے مطابق... میں نے کبھی محلوں کی خواہش نہیں کی... نہ ہی اپنی حیثیت سے اونچے خواب دیکھے ہیں، کیوں کہ گھر جتنے بڑے ہوتے ہیں، لوگوں کے دل اتنے ہی چھوٹے ہوتے جاتے ہیں... محبت اور خلوص کی حدیں مقرر ہوتی ہیں اور بڑے گھروں کے رشتے بھی کھوکھلے ہوتے ہیں... اپنے اپنے مخصوص کمروں کی چار دیواری تک محدود... کیا آپ کو اچھا لگے گا کہ میں وہاں رہ کر ساری زندگی احساسِ کمتری میں مبتلا رہوں...؟"

مایا اب اپنی امی کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

" مایا! تم صرف غلط سوچ رہی ہو اور یہ سراسر ناشکری ہے... اتنا بتادوں میں تمھیں... اللہ کی رحمت سے منہ موڑ رہی ہو تم۔"

" ناشکری؟ امی! کس چیز کی ناشکری؟"

"مایا! اس کی محبت دیکھو... ہمارے حالات جانتے ہوئے بھی اس نے رشتہ جوڑنے کی خواہش کی ہے... کیوں خواہ مخواہ آزمائش میں پڑ رہی ہو مایا!"

امی اسے سمجھانے کی سر توڑ کوشش کر رہی تھیں کہ مایا کسی طرح سے مان جائے۔

"امی!" ایک لمحے کو رکتے ہوئے وہ پھر سے بولی۔ "محبت آزمائش ہی تو ہوتی ہے اور وہ بھی ایسے انسان کی محبت جس کے بہت احسان ہوں آپ کی ذات پہ... پھر آپ اسے انکار کرتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں اور اقرار بھی... انکار کرو، تو احسان فراموش اور اقرار کرو، تو احسان مند... کچھ احسانوں کا بوجھ کسی صورت کم نہیں ہوتا، چاہے بغاوت کر دو یا اپنا آپ گروی رکھ دو..."

" ٹھیک ہے مایا! میں جواب دے دیتی ہوں تاکہ اسے پتا چلے کہ ہم تکبر کی آخری حد پہ چڑھ کے بیٹھے ہیں۔"

مایا کی والدہ مزید کچھ کہے سنے بغیر وہاں سے اٹھ کر چلی گئیں۔

"یہ تکبر نہیں ہے امی! کاش میں آپ کو سمجھا سکوں... یہ شاویز کا جذباتی فیصلہ ہے اور میں اس کے جذبات کے لیے خود کو کسی اذیت میں نہیں ڈالنا چاہتی۔"

مایا اب اپنے دل سے باتیں کرنے لگی۔

اگلے دن افضل صاحب نے مایا کے انکار کی خبر شاویز کو فون پر دے کر معذرت کر لی۔ وہ اس خبر سے ٹوٹ کر رہ گیا۔ کئی دنوں تک وہ آفس گیا نہ مایا کے گھر۔ اپنے کمرے میں پڑا رہا اور اپنی والدہ سے طبیعت کی ناسازی کی وجہ کہہ کر بات کو ٹالتا رہا، لیکن دل ہی دل میں ہزاروں سوال لیے وہ مایا کے انکار کو جاننے کے لیے اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ کئی بار اس کی گلی سے واپس ہو گیا، لیکن ایک دن ہمت کر کے وہ شکستہ سے وجود سے مایا کے دروازے پر کھڑا دستک دیتے دیتے رکا، لیکن پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے دستک دے دی۔ گھر پر صرف مایا اور اس کی والدہ ہی موجود تھیں۔

شاویز کی طبیعت حقیقت میں ناساز لگ رہی تھی۔ اس کی شیو بھی بڑھی ہوئی تھی۔ وہ معمول کے حلیے سے قدرے مختلف دکھائی دے رہا تھا۔ مایا کی والدہ اس کی یہ حالت دیکھ کر بہت رنجیدہ سی ہو گئیں۔ شاویز نے اندر آتے ہی دھیمے سے لہجے میں کہا۔

" آنٹی! میں بس مایا سے انکار کی وجہ پوچھنا چاہتا ہوں... اگر آپ برا نہ مانیں، تو کیا میں اس سے کچھ دیر کے لیے بات کر سکتا ہوں

مایا کی والدہ نے اسے اپنے کمرے میں صوفے پر بیٹھنے کو کہا اور خود کچھ کہے بغیر مایا کو بلانے اس کے کمرے میں چلی گئیں۔

مایا اپنی سی وی کی کاپیاں اکٹھی کر کے فائل میں لگانے میں مصروف تھی۔ کچھ جگہوں پر وہ جاب کے لیے اپلائی کر کے بس ابھی گھر ہی آئی تھی۔

" مایا! شاویز تم سے بات کرنا چاہتا ہے... اس کی بات آ کر سن جاؤ اور اپنی آنکھوں سے اس کی حالت بھی دیکھ لو۔"

وہ افسردہ سے انداز میں یہ کہہ کر باہر صحن میں جا کر بیٹھ گئیں۔

مایا کچھ دیر سوچتی رہی اور پھر اٹھی۔

" السلام علیکم!"

شاویز اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

" وعلیکم السلام! کیسے ہیں آپ؟" مایا اس کی حالت سے اندازہ لگا سکتی تھی، لیکن رسماً اس کی خیریت پوچھی۔ "امی بتا رہی تھیں کہ آپ مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

جی!"شاویز صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔"

مایا اس سے ذرا سے فاصلے پر پڑے بیڈ کے کونے پر جا کر بیٹھ گئی۔

"میں جانتا ہوں کہ مجھے کوئی حق نہیں پوچھنے کا، لیکن جب کسی کو انکار کرتے ہیں، تو اتنی وضاحت ضرور کرتے ہیں کہ اس کی ذات میں کون سی ایسی کمی تھی، جو اس کا محبت سے بڑھایا ہوا ہاتھ نفرت سے جھٹک دیا گیا ہے۔ میں زبردستی رشتے جوڑنے والا انسان نہیں ہوں مایا! اس لیے میں اتنا جاننے کا حق ضرور رکھتا ہوں کہ میرے خلوص کو میرے منہ پر کیوں مارا گیا... بغیر اپنا قصور جانے میں آنکھیں بند کر کے سر جھکا کے سزا نہیں سہہ سکتا۔"

وہ اب مایا کے بولنے کا منتظر تھا۔

" شاویز! انکار کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے... بس! میرا دل نہیں مانتا۔۔۔"

" دل نہیں مانتا مایا! میری محبت دیکھ کر بھی دل نہیں مانتا۔"

اب وہ جذبات میں آچکا تھا۔

"آخر میں ہی کیوں؟ اور بھی تو ہزاروں لڑکیاں ہیں۔ اچھا اسٹیٹس ہو گا، خوب صورت ہوں گی، تو پھر میرے ہی حصے میں کیوں آئی آپ کی محبت؟ مجھے کوئی ایک وجہ بھی نظر نہیں آتی شاویز!"

"مایا! محبت سے جواب مانگو، تو کیا وہ دے دیتی ہے؟ میں بھی پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر تم ہی کیوں؟ جس کو میری آنکھوں کی سچائی دکھائی نہیں دیتی... میری دھڑکنیں سنائی نہیں دیتی... جس کے سامنے میں ہار چکا ہوں... محبت سے پوچھو ناں مایا! آخر تم ہی کیوں؟"

شاویز آنسو پونچھتے ہوئے نڈھال سا ہو گیا۔

مایا پہ جیسے اس کی ایک بات بھی اثر نہیں کر رہی تھی۔ وہ اپنے مؤقف پر قائم رہی اور سوال در سوال شاویز پہ اپنے دلائل جھاڑتی گئی ۔

"آپ مجھے خود پر بھروسہ کرنے کی کوئی ایک وجہ دے دیں... میں وعدہ کرتی ہوں کہ بھروسا نہ کرنے کے سو دلائل اس ایک وجہ کے سپرد کر دوں گی۔"

"وہ ایک وجہ محبت ہے مایا!" شاویز، مایا کی بات ختم ہوتے ہی فوراً بولا۔

"تو پھر اس کے لیے باقی کے ہزاروں دلائل میں آپ کو ٹھوس ثبوت کے ساتھ دیتی ہوں مسٹر شاویز! کیوں کہ یہ ایک وجہ ہی ہر بربادی کی جڑ ہے۔۔"

مایا نے ایک اور دلیل کے ساتھ اپنی بات مکمل کر دی۔

"میں بڑے بڑے دعوے کروں گا، تو بھی تم میرے حق میں فیصلہ نہیں دو گی... میں اپنی اوقات میں رہ کر اظہار کروں گا، تو بھی تمھارا دل نہیں جیت پاؤں گا، لیکن اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں، میں خاموش ہو گیا، تو تم اپنے دل کے شور سے تنگ آ کر بھاگتی ہوئی میرے پاس آ ؤ گی... تمھارا دل دھڑکنوں کے شور میں میری سچائیوں کا گواہ بنتا رہے گا... یہ شور وہی شور ہے مایا! جو اب تمھیں میری دھڑکنوں سے سنائی نہیں دے رہا۔۔"

وہ آنسوؤں سے تر آنکھوں سے مایا کی طرف التجائیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

" میں سمجھ نہیں پا رہا مایا! تم محبت کے خلاف ہو یا تم مجھے اپنے قابل نہیں سمجھتیں؟"

مایا بڑے اطمینان سے جواب دیتے ہوئے بولی۔

" میں محبت پر یقین نہیں رکھتی۔۔۔"

" کیوں؟ کیا کسی نے تمھارا اعتبار توڑا ہے؟" شاویز آنسو پونچھتے ہوئے فوراً گویا ہوا۔ "یا کوئی برا تجربہ ہوا ہے؟"

"نہیں شاویز! کچھ تجربے بغیر آزمائش کے بھی حاصل ہو جاتے ہیں، دوسروں کو دیکھ کر... ضروری نہیں ہوتا، لہو کا رنگ دیکھنے کے لیے اپنے جسم کو کاٹا جائے... سامنے والے کا بہتا خون دیکھ کر اندازہ کر لینا زیادہ بہتر ہوتا ہے اور محبت کے تجربے کو میں دوسروں کو دیکھ کر پرکھنے کو زیادہ اہمیت دیتی ہوں شاویز صاحب! میں اپنے وجود کو اس آگ میں نہیں جھلسا سکتی۔ اور اس سے زیادہ میں آپ کو انکار کی وجہ نہیں بتا سکتی۔ میرے خیال سے آپ کو آپ کے سب سوالوں کے جواب مل گئے ہوں گے۔"

مایا نے حتمی فیصلہ سناتے ہوئے شاویز کی طرف دیکھا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

شاویز خود کو بے بس سا محسوس کرتے ہوئے خاموش ہو گیا۔

" آپ بیٹھیں! میں امی کو بھیجتی ہوں۔"

مایا یہ کہہ کر جیسے ہی کھڑی ہوئی۔

شاویز نے بھرائی ہوئی آواز میں اس کا نام پکارا۔مایا نا چاہتے ہوئے بھی رک گئی۔

"مایا! میں تمھارے ہر فیصلے کی عزت کرتا ہوں اور کروں گا...چاہے، وہ میرے خلاف ہی کیوں نہ ہو، لیکن میں انتظار کروں گا، اس دن کا، جس دن تمھارا دل میری محبت میں دھڑکے گا۔۔"

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا مایا کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔مایا اس کی اس حرکت سے محفوظ ہوتی ہوئی دو قدم پیچھے ہو کر کھڑی ہو گئی۔

" جانتی ہو مایا! مرد نظر جھکا کر محبت کا اقرار کب کرتا ہے؟"

" ہاں! جب اس کے دل میں چور ہوتا ہے۔"

"نہیں مایا! جب اس کے دل میں احترام ہوتا ہے اور جس مرد کے دل میں کسی عورت کے لیے احترام ہوتا ہے تو وہ نظر جھکا کے بھی اسی کو دیکھتا ہے جسے نظر اٹھا کر دیکھ لینے سے اس کی روح محبت کے جذبے سے سرشار ہوئی ہے۔مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں نظر اٹھا کر تمھیں دیکھوں گا، تو میری محبت و احترام سے بھری نظریں تمھیں زور زبردستی سے قائل کر لیں گی اور وہ میں نہیں چاہتا... میں بس اتنی سی خواہش کرتا ہوں کہ تم جب میری طرف قدم اٹھاؤ، تو وہ اپنے دل کی مرضی سے اٹھاؤ۔۔۔"

شاویز کے آنسو اس کے چہرے سے ہوتے ہوئے اس کے دامن پر گر رہے تھے۔

مایا اس کی جھکی نظروں سے بہتے ہوئے آنسو دیکھ کر ایک پل بھی وہاں نہ ٹھہری اور دوسری طرف دیکھتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

شاویز آنسو پوچھتا ہوا مڑا اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔

" اچھا آنٹی! میں چلتا ہوں... آپ دروازہ بند کر لیجیے۔"

اس کی آواز سے اس کا درد جھلک رہا تھا۔ وہ ایک پل بھی مزید وہاں نہ ٹھہرا اور اجازت لے کر بیرونی دروازے سے باہر نکل گیا۔

مایا کی والدہ اٹھ کر کمرے میں آئیں، تو مایا وہاں موجود نہیں تھی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ بوجھل قدم اٹھاتی ہوئی مایا کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ مایا کھڑکی سے ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

" مل گیا سکون مایا! اچھا صلہ دیا تم نے اس کے احسانات کا۔۔۔"

"امی! اگر میں اس شخص سے شادی کر لوں، تو کیا اس کے احسانات اتر جائیں گے؟ جواب دیں مجھے... آج میں نے جاب کے لیے انٹرویو دیے ہیں... امید ہے کہ میری کسی کمپنی میں جاب لگ جائے گی۔ ان سے پیسے لے کر جو خالہ صغریٰ کا قرض چکایا تھا، وہ بھی ادا کر دیں گے انھیں امی!" مایا نے بات کی مزید وضاحت کی۔

" اور جو محبت اور عزت اس نے ہمیں دی، اس کا کتنا معاوضہ اسے دو گی؟"

مایا کی سوچ پر افسوس کرتے ہوئے اپنے کمرے میں جا کر وہ لحاف لے کر لیٹ گئیں۔

مایا لاجواب ہو گئی تھی۔ وہ اپنی مخالفت پر اتری سب سوچوں کو جھٹکتی چلی گئی۔ ایک کے بعد ایک سوچ اور وہ بھی مایا کے ہر فیصلے کے خلاف ابھرتی رہی۔

کچھ دن وہ اسی کش مکش کا شکار رہی۔ شاویز اگلے کافی دنوں تک خود آیا اور نہ اس کا فون آیا۔

افضل صاحب کئی بار اپنی بیوی سے پوچھ چکے تھے کہ آخر مایا سے شاویز کی کیا بات ہوئی ہے کہ اس کے بعد سے اس کا موبائل بھی بند ہے۔ انھیں کافی تشویش ہوئی۔ شاویز ڈی ایچ اے کا رہنے والا تھا، مگر اس کا پتا مکمل نہ ہونے کی وجہ سے افضل صاحب بے بس تھے۔ آفس کے نمبر پر کئی بار کال کرنے پر بھی کوئی جواب نہ ملا۔

مایا اپنے والدین کو اس کے لیے تڑپتا دیکھ کر اور زیادہ پریشانیوں میں الجھ گئی۔ ایک ہفتے سے زیادہ ہو چکا تھا، اب مایا کے دل میں عجیب سے خیالات آنے لگے۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی شاویز کے بارے میں سوچنے لگی۔ بار بار اس کی آنسوؤں سے تر آنکھیں مایا کی نظروں کے سامنے آتیں، وہ ہر خیال کو جھٹک کر خود کو یقین دلاتی کہ نہیں مجھے اس کی فکر نہیں ہے۔ دل جو ہمیشہ اس کا راز داں تھا۔ وہ بھی

مایا کا حریف بن کر اس کے مد مقابل کھڑا ہو گیا۔ وہ حقیقت سے نظریں چراتی یا حقیقت کا سامنا کرتی، مگر اس وقت وہ کوئی بھی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

دن بھر کام کاج میں دھیان بار بار شاویز کی باتوں کی طرف جاتا، شام ڈھلتی، تو اس کا احساس دھڑکنوں میں دھڑکنے لگتا۔ تھک ہار کر سونے لگتی، تو وہ بھیگی آنکھوں اور ان آنکھوں کا درد امڈ کر مایا کی نیندوں پر سوار ہو جاتا۔ وہ رات رات بھر جاگ کر دل کو اپنے حق پہ ہونے کی دلیلیں پیش کرتی رہتی، مگر کسی طور سکون نہ ملتا۔ وہ عجیب سے اضطراب میں مبتلا رہنے لگی۔

اس طرح مزید ایک ہفتہ اور گزر گیا۔ اب مایا بلا ناغہ اپنے والد کے موبائل سے شاویز کا نمبر ملاتی اور جب موبائل بند جاتا، تو دل ہی دل میں اس کی خیریت کی دعائیں کرنے لگتی۔ مایا کے پاس اپنی اس حالت کا کوئی جواب نہیں تھا۔ مگر وہ نا چاہتے ہوئے بھی شاویز کی منتظر تھی۔

اگلے دن مایا صحن میں بیٹھی کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھی کہ دروازے پر دستک سے اس کا دل اتنا تیزی سے دھڑکا، وہ فوراً اٹھی اور دروازے کی طرف لپکی۔ کپکپاتے ہاتھوں سے دروازہ کھولا، تو سامنے آمنہ کھڑی تھی۔ مایا نے اپنا سانس مایوسی کے عالم میں " بحال کرتے ہوئے اسے اندر بلا لیا۔ "کیا ہوا مایا! کیا تمھیں خوشی نہیں ہوئی میرے آنے کی یا تم کسی اور کی منتظر تھیں؟

آمنہ نے مایا کے چہرے کے رنگ دیکھتے ہوئے ہوا میں تیر چھوڑا۔

" ارے نہیں آمنہ! بہت اچھا لگا تمھارے آنے سے۔ میرا تو خود دل چاہ رہا تھا تم سے ملنے کو۔"

وہ آمنہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گئی۔

گھر پہ کوئی نہیں ہے کیا؟" آمنہ نے ادھر ادھر نظر دوڑاتے ہوئے سوال کیا۔"

"ابو اپنی دکان پر اور عبید نے نوکری شروع کر لی ہے صدر میں ایک گارمینٹس کی شاپ پر... سیلز مین کی جاب مل گئی ہے اسے اور امی بس ابھی نکلی ہیں صغریٰ خالہ کی طرف گئی ہیں، اس لیے اس وقت میں اکیلی ہی ہوں۔"

دونوں مایا کے کمرے میں پڑے بیڈ پر پیر اوپر کر کے بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد آمنہ کو مایا میں کچھ واضع تبدیلی محسوس ہوئی۔ وہ بات کرتے کرتے کہیں کھو جاتی۔ کچھ دیر آمنہ اس کی اس کیفیت کو دیکھتی رہی اور پھر اچانک سے ہی اس کی وجہ دریافت کر لی۔

" مایا! تم ٹھیک تو ہو، کوئی پریشانی ہے۔"

آمنہ تشویش میں مبتلا ہو گئی۔

مایا نے نظریں جھکا لیں اور پھر ایک دم سے آمنہ کے گلے لگ کر سسکیاں بھر کے رونے لگی۔

آمنہ گھبرائی ہوئی مایا کو گلے لگائے بار بار ایک ہی سوال پوچھتی رہی۔

" مایا! کیا ہوا پلیز! کچھ تو بتاؤ؟"

یہی سوال وہ تین چار بار پوچھ چکی تھی۔

مایا کچھ دیر یوں ہی اس کے گلے لگ کر روتی رہی۔ پھر جب اس کا دل ہلکا ہوا، تو آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"آمنہ! مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے"

پھر اس نے ہمت کر کے شاویز کے متعلق ساری کہانی آمنہ کو سنا دی۔

" مجھے نہیں پتا کہ مجھے اس کی فکر کیوں ہے؟ کیوں اس کی آخری ملاقات کا ایک ایک لفظ میرے کانوں میں ہر وقت گونجتا ہے۔ آمنہ! میرا دل دعائیں کرنے لگا ہے کہ بس ایک بار وہ کہیں سے آ جائے... یہ سب کیا ہے آمنہ! میں کبھی اس کیفیت سے نہیں گزری۔ تم جانتی ہو ناں کہ میں آج تک کبھی ایسے حالات سے نہیں گزری اور نہ ہی کسی نے اپنی محبت کا مجھ سے اظہار کیا ہے۔"

وہ بات بھی کرتی رہی اور اپنے آنسو بھی پونچھتی رہی۔

" آمنہ! وہ آ تو جائے گا ناں؟؟؟؟... مجھے اس سے بات کرنی ہے۔۔۔"

آمنہ اس کی کیفیت کو دیکھ کر بہت کچھ سمجھ چکی تھی۔مایا جیسی لڑکی کی آنکھوں میں آنسو اور وہ بھی اس قدر تڑپ اور بے چینی کے ساتھ، وہ چاہے جتنا جھٹلائے، مگر اس کی حالت سے 'محبت' کے تمام آثار نمایاں تھے۔

مزید تصدیق کرتے ہوئے آمنہ نے دوچار باتیں اور پوچھ ڈالیں۔اب مایا خود کو سنبھالتے ہوئے آمنہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

مایا!مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آ رہی کہ جب تم اسے انکار کر چکی ہو اور وہ تمھاری زندگی سے جا چکا ہے، تو پھر تمھیں سکون کیوں نہیں ہے؟تم کیوں بے چین ہو؟اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے؟"آمنہ نے مایا کی توجہ ایک اہم نکتے کی طرف کرتے ہوئے سوال کیا۔

"آمنہ!یہی تو میں نہیں جانتی کہ مجھے سکون کیوں نہیں ہے، دل میں ہزار طرح کے اندیشے ہیں پتا نہیں وہ کیسا ہو گا؟کہاں ہو گا؟"

"اس نے کبھی ایسا نہیں کیا، وہ ابو کا حال تو پوچھ ہی لیتا تھا آمنہ!"بولتے بولتے مایا کی آواز بھرا گئی۔میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس پر آنکھیں بند کر کے یقین کرلوں، مگر دل کا کیا ہے آمنہ!وہ توکل تک محبت نہ کرنے کے ہزاروں دلائل دیتا تھا۔

آمنہ نے لہجہ بدلتے ہوئے تھوڑے اور دھیمے لہجے میں اس سے پوچھا۔

" اچھا!تو تمھیں نہیں لگتا کہ تم بھی اس سے محبت کرنے لگی ہو؟"

مایا نے چپکے سے آمنہ کو دیکھتے ہوئے طویل خاموشی اختیار کرلی، کیوں کہ وہ انکار تو چاہ کر بھی نہ کر پاتی۔کچھ دیر آمنہ کو دیکھنے کے بعد وہ نظریں جھکا کر خاموش سی بیٹھ گئی۔

"سچی محبت میں بہت طاقت ہوتی ہے مایا!انسان نا چاہتے ہوئے بھی کھنچا چلا جاتا ہے اس کی طرف۔تمھیں یاد ہے مایا!کتنے دلائل تھے تمھارے پاس؟اور میں ناں کہتی تھی کہ محبت کرنے والے کی مجبوری کوئی دوسرا سمجھ ہی نہین سکتا۔جس پہ یہ طوفان گزرتا ہے، وہی اپنے حوصلوں کو بکھرتا ہوا دیکھنے کا درد سہتا ہے اور دوا بھی خود ہی کرتا ہے۔نصیحتوں سے دل سنبھلتے، تو آنکھوں دیکھا روگ کوئی نہ لیتا۔"

مایا چپ چاپ آمنہ کی باتیں سنتی رہی۔

وہ اچھی طرح سے جان چکی تھی کہ وہ شاویز کی محبت میں اسی قدر ڈوب چکی ہے کہ جس شدت سے شاویز اس سے محبت کرتا ہے۔

مایا نے موضوع بدلتے ہوئے آمنہ سے اس کی روزمرہ کی مصروفیات کا پوچھا، تو ساتھ ہی اسے نیہال کا خیال آیا۔ وہ بغیر کچھ سوچے اس سے نیہال کے بارے میں پوچھ بیٹھی۔

آمنہ ایک دم سے مرجھا گئی۔ اب وہ اپنے ہاتھ کی لکیروں کو مسلسل دیکھتی گئی ارو پھر ایک دم سے گویا ہوئی۔

مایا! میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ کبھی کبھی آپی سے پتا چل جاتا ہے کہ وہ کس طرح کے کاموں میں مصروف ہے...شاید کوئی لڑکی دیکھ رکھی ہے اس نے...اور اس کے متعلق وہ اپنے گھر والوں سے بھی بات کر چکا ہے۔"

یہ کہنا تھا کہ ساتھ ہی آنسوؤں کے کچھ قطرے آمنہ کی آنکھوں سے بہنے لگے۔ وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

" ! کل 25 اپریل ہے ناں! کل اس کی سال گرہ ہے مایا"

مایا، آمنہ کی تکلیف کا اندازہ کر رہی تھی۔

"پتا ہے مایا! ناکام محبتیں بھی کسی حادثے کی طرح ہوتی ہیں، کسی مخصوص موسم، کسی تاریخ کے آتے ہی پرانے زخموں سے درد کی ٹیسیں اٹھنے لگتی ہیں۔ اس حادثے کے رونما ہونے سے گزر جانے تک کے سارے حالات ایک ایک کرکے یاد آتے ہیں اور یوں انسان روز مرتا ہے، مگر پھر بھی جیتا ہے، اس لیے میری تکلیف کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ شاید ہر وہ شخص جو سچی محبت کرتا ہے، وہ محبت کے کھو جانے سے اسی طرح تڑپتا ہے...اگر نہیں فرق پڑتا، تو صرف انھیں فرق نہیں پڑتا، جو محبت کے تقدس کو پامال کر جاتے ہیں...ایسے لوگ پتھر سے بنے ہوئے بتوں کی طرح ہوتے ہیں احساسات اور جذبات سے خالی۔"

مایا حیران ہو کر آمنہ کی باتیں سنتی رہی، کیوں کہ یہ وہ آمنہ تو تھی ہی نہیں۔ اسے تو اتنی گہری باتوں کی الف ب کا بھی پتا نہیں تھا، مگر اب اس کا درد اس کے ہر آنسو سے چیخ چیخ کر گواہی دے رہا تھا کہ وہ اپنے دعووں میں سچی تھی۔ وہ محبت جو نیہال اپنی بے وفائی کی بھینٹ چڑھا گیا تھا، وہ محبت آمنہ کے اضطراب سے درد کی لہروں کی طرح اٹھتی تھی اور پھر اس کی ذات کے سمندر میں کہیں گم ہو جاتی تھی۔

کچھ دیر آمنہ کو تسلی دیتے ہوئے وہ اس سے پھر سے شاویز کے متعلق باتیں کرنے پر مجبور ہو گئی، کیوں کہ مایا کی اپنی بے چینی بھی کسی ماہی بے آب سے کم نہ تھی۔

"پتا ہے آمنہ! مجھے ان سب احساسات پر بالکل یقین نہ تھا اور حیرت کی بات ہے جب تک وہ میرے سامنے رہتا تھا، مجھے کبھی احساس نہیں ہوا کہ یہ شخص میرے لیے اتنا اہم بھی ہو سکتا ہے اب جب وہ دکھائی نہیں دیتا، تو یوں لگتا ہے کہ سب کچھ بے رنگ ہے، سب منظر بے معنی ہیں۔ وہ میری مکمل دنیا کو ادھورا بنا گیا ہے... آمنہ!"

لیکن اس کے آنے سے ایک بات کا تو یقین ہوا ہے کہ دل میں اترنے کے لیے لمبے گہرے مراسم ضروری نہیں ہوتے۔ اکثر مدتوں ساتھ رہ کے بھی لوگ ہمیں سمجھ نہیں پاتے اور کبھی کچھ لوگوں سے ایک ملاقات ہی ان کے دل میں اترنے کے لیے کافی ہوتی۔ تم میرے لیے دعا کرو آمنہ! بس ایک بار مجھے اس سے ملنے کا موقع مل جائے، وہ شخص میرے سامنے آجائے... میں اس سے ضرور پوچھوں گی کہ کیوں کیا اس نے میرے ساتھ ایسا... اتنا بے بس کیا اور پھر... میرا حال تک نہ پوچھا۔ مڑ کر بھی نہ دیکھا۔۔۔

مایا کا دل بھر آیا تھا۔ وہ چاہ کے بھی خود کو رونے سے روک نہ پائی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ بلند آواز میں شاویز کو پکارے، اسے ڈھونڈے۔

"کتنا بے بس کر دیتی ہے محبت... اظہار پر اتر آئے، تو بے ڈر ہو جاتی ہے... پھر نتائج کی فکر نہیں رہتی اور نہ حالات و واقعات کے بدلنے کی... تب تو دل بس یہی چاہتا ہے کہ اب محبت رنگ لے اپنے رنگ میں۔"

یوں ہی کافی دیر باتیں کرنے کے بعد آمنہ، مایا سے اجازت لے کر گھر واپس چلی گئی۔

☆☆☆

دن بدن مایا کی بے چینی بڑھتی چلی گئی۔ اب وہ ہر وقت فون پر دھیان رکھتی۔ وقفے وقفے سے، بہانے بہانے سے اپنی امی سے شاویز کے بارے میں پوچھتی کہ شاید اس نے کوئی رابطہ کیا ہو۔ اس کی حالت ایسی تھی کہ نظر انداز نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی امی کو اچھی طرح سے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ کس بے چینی کا شکار ہے، مگر وہ ٹھیک وجہ تک نہ پہنچ سکیں۔

اگلے دن مایا معمول کے مطابق گھر کے کاموں میں مصروف تھی کہ ایک دم اسے اپنے موبائل کی گھنٹی سنائی دی۔ وہ بے ساختہ بھاگ کر کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی امی فون اٹھائے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"دیکھو تو تمھارے ابو موبائل گھر ہی بھول گئے... پتا نہیں کس کا فون ہے؟"

"مایانے لپک کر فون اپنے ہاتھ میں لے لیا، تو اسکرین پر شاویز مرزا کا نام پڑھتے ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اسے یوں لگا کہ دھڑکن رک جائے گی۔ وہ منجمند ہوتی گئی جیسے برف میں دھنس گئی ہو کہ ایک دم سے اس کی امی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

ارے مایا! اٹھا بھی لو فون... کٹ جائے گا... کب سے بج رہا ہے"

مایا چونک اٹھی۔

"وہ شاویز..." وہ گھبرائی سی بولی۔

" ارے تو اٹھاؤ ناں! یا ادھر مجھے دے دو"

" امی! بس میں پانچ منٹ بات کر لوں... پھر دیتی ہوں"

مایا مزید کچھ کہے بغیر فون لے کر اپنے کمرے میں آگئی۔

کپکپاتے ہاتھوں سے کال پک کی اور پھر موبائل کانوں سے لگا لیا، جو پہلے ہی آگ کی طرح جل رہے تھے۔

"ہیلو!" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

دوسری جانب سے کھانسنے کی آواز سنائی دی۔ مایا کا دل پھر اندیشوں اور وسوسوں میں الجھ گیا۔

"شاویز! تم ٹھیک ہو۔" وہ آنسو روکتے ہوئے بولی۔

دوسری جانب مکمل خاموشی تھی۔ پھر کچھ لمحوں کے بعد شاویز کی آواز مایا کے کانوں میں گونجی۔

مایا! تم کیسی ہو؟""

مایا کے سوال کا جواب دینے سے پہلے ہی وہ مایا سے سوال پوچھ رہا تھا کہ اچانک اسے مایا کی سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ وہ بے ساختہ چلا اٹھا۔

" مایا! تمھیں خدا کا واسطہ... مجھے بتاؤ کہ کیا ہوا ہے؟"

"شاویز! یہی ضد تھی ناں تمھاری کہ مایا کا دل دھڑکے تمھارے لیے... وہ سوتے جاگتے ...ہنستے بولتے شاویز کی محبت کے حصار میں رہے، تو دیکھ لو شاویز! میری پر سکون نیندیں کھو گئی ہیں... میرا دل دھڑکنوں کے شور میں تمھارا ہی نام دہراتا ہے... میرے خواب تمھاری ذات کے گرد گھومتے ہیں... میں آرزو کرنے لگی ہوں تمھاری... تمھیں پانے کی آرزو... تمھارے سنگ رہنے کی آرزو... شاید سچی محبت کی کشش ہی کچھ اور ہوتی ہے۔۔۔"

مایا آنسو بہاتے ہوئے بے اختیار بولتی چلی گئی۔

"تم آجاؤ شاویز! کیسی محبت تھی تمھاری... دو ماہ ہونے والے ہیں اور تم اس قدر انجان بنے رہے مجھ سے... میرے ایک انکار سے ہی دور چلے گئے مجھ سے۔۔۔"

"نہیں مایا!" شاویز نے مایا کی بات کی تردید کرتے ہوئے جواب دیا۔ "کچھ رشتوں کو اقرار کی منظوری نہ بھی ملے تب بھی وہ رشتے دنیا کے سب سے مضبوط رشتے ہوتے ہیں اور اکثر خون کے رشتوں سے بڑھ کر ہوتے ہیں... دل کے رشتے... جو درد سمجھتے ہیں اور احساس بھی رکھتے ہیں۔۔"

" پھر میرا احساس کیوں نہیں ہوا تمھیں؟" مایا نے شاویز کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

" میں آتا ہوں تمھارے پاس... پھر تم خود فیصلہ کرنا"

یہ کہہ کر شاویز نے فون بند کر دیا۔ اب مایا کی بے چینی اور بڑھ گئی۔ اس کی تشویش میں مزید اضافہ ہو گیا۔ وہ دل ہی دل میں اس کی خیریت کی دعائیں مانگنے لگی۔ ابھی وہ اسی کش مکش میں تھی کہ امی کمرے میں آئیں۔

"لاؤ دو مجھے فون... میں بھی بات کروں شاویز سے..." انھوں نے مایا کے ہاتھوں سے موبائل لیتے ہوئے کہا۔

" امی! شاویز یہیں آرہا ہے۔" مایا نے جیسے ایک تسلی دیتے ہوئے کہا۔"

" وہ ٹھیک تو ہے ناں مایا! کہاں تھا وہ اتنے دن؟ تم نے پوچھا کیوں نہیں؟"

" امی! مجھے بھی کہاں بتایا ہے اس نے... بس یہی کہا کہ میں آتا ہوں"

"چلو! اللہ خیر کرے!"

اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔

کچھ ہی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ مایا نے بھاگ کر دروازہ کھولا، تو سامنے شاویز کھڑا تھا۔ وہ ایک دم سے اسے دیکھ کر سکتے میں آ گئی۔

وہ بالکل بدل چکا تھا۔ ایسے جیسے صدیوں کا بیمار... حد سے زیادہ دبلا ہو چکا تھا اور شیو بڑھی ہوئی... آنکھوں کے نیچے گہرے سیاہ حلقے... اسے دیکھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ وہی شاویز ہے۔ ابھی وہ اسی سکتے میں تھی کہ اچانک ڈرائیور کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

" صاحب! میں ادھر ہی انتظار کروں۔۔۔"

" جی فضل دین... میں آتا ہوں"

شاویز کی لاچاری اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ وہ خود ڈرائیو بھی نہیں کر سکتا تھا۔

مایا نے دروازہ کھولتے ہی اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ وہ بہت کوشش کر کے اپنے آنسو چھپاتی رہی، مگر وہ پھر بھی پلکوں کی دہلیزیں توڑ کر رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

شاویز آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا اندر داخل ہوا، تو مایا کی امی، جو اسی وقت اپنے کمرے سے نکل کر صحن کی طرف آ رہی تھیں، شاویز کو دیکھ کر وہیں رک گئیں۔ یقیناً وہ بھی اس کی اس حالت سے سہم کر رہ گئی تھیں۔

" شاویز! میرے بچے! یہ کیا حالت بنالی تم نے... کہاں رہ گئے تھے؟"

وہ دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھتے ہوئے اس کی طرف بڑھیں اور اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اندر کمرے میں لاتے ہوئے مسلسل بولتی رہیں۔

" بیٹا! کچھ تو بتاتے ہمیں... اتنی فکر تھی... تمھارے انکل نے تم سے رابطہ کرنے کی بہت کوشش کی"

اب شاویز اندر کمرے میں پڑے صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔ مایا بھی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اس کمرے کے ایک کونے میں دروازے کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

شاویز نے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر ایک ہلکی سی مسکراہٹ سے اسے دیکھتا چلا گیا۔مایا کا دل جیسے ایک دم سے تیز دھڑکنے لگا،وہ اب نظریں جھکا چکی تھی۔

مایا کی والدہ اسے بار بار یہی کہتی رہیں۔

" ہم سب کو تمھاری بہت فکر تھی...تم نے رابطہ کیوں نہیں کیا؟"

شاویز نے کچھ دیر سوچا اور پھر ان کے سب سوالوں کے جواب تفصیل سے دیتا چلا گیا۔

"آنٹی!دراصل میں ٹھیک نہیں تھا۔میری طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی...پھر کافی ٹیسٹ وغیرہ کروانے کے بعد پتا چلا کہ میرے دل کی ایک آرٹری میں کولیسٹرول کی وجہ سے بلاکیج ہے اور پھر اگلے دن میں کچھ مزید ٹیسٹ کروانے کلینک جا رہا تھا کہ راستے میں انجینا کا اٹیک ہو گیا۔میری امی اور بہن ساتھ تھیں،جو مجھے بغیر کسی تاخیر کے قریبی ہسپتال لے گئیں۔ورنہ!اس ہارٹ اٹیک کی اتنی شدید تکلیف تھی کہ اگر وقت پر نہ پہنچ پاتا،تو شاید آپ لوگ مجھے دیکھ بھی نہ سکتے اور میں نے رابطہ اس لیے نہیں کیا،کیوں کہ میں جانتا تھا کہ آپ لوگ پریشان ہو جائیں گے۔"

مایا کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنی بات اتنا کہہ کر مکمل کی۔

" اور آپ سب جانتے ہیں کہ میں آپ لوگوں کو کبھی بھی پریشان نہیں دیکھ سکتا۔"

مایا نے اس کی آنکھوں سے چھلکتی محبت اور اپنے لیے بے پناہ عزت کو مزید کچھ سننے سے پہلے ہی محسوس کر لیا۔

مایا جانتی تھی کہ شاویز کے دل میں جو دکھ وہ اتار چکی تھی،اس کی شدت ہی اتنی تھی کہ وہ ضرور اسے سہتے ہوئے کسی کرب کسی درد سے ضرور گزرا ہو گا۔اسی لیے تو وہ رابطہ بھی نہ کر پایا تھا۔

مایا کی والدہ نے ایک نظر مایا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

" !مایا!یہاں آکر بیٹھو۔میں شاویز کے لیے کچھ کھانے کو بنا کر لاتی ہوں۔کتنا دبلا ہو گیا ہے میرا بچہ"

وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

اب مایا، شاویز کے سامنے پڑے سوفے پر افسردہ سی بیٹھ گئی اور جیسے ہی اس نے کچھ کہنا شروع کیا، آنسو پہلے ہی اس کے گال چھوتے ہوئے اس کے دامن پر گر رہے تھے۔

شاویز یہ دیکھ کر فوراً اٹھا اور اس کے قدموں میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اب وہ مایا کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیئے اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا لمبا سانس بھر کر بولا۔

"اگر تمھارے ہونٹوں پر مسکان نہ لا سکا ناں! تو ان آنکھوں میں آنسو لانے کی وجہ بھی نہیں بنوں گا۔" اس نے مایا کے گالوں سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "مجھے جس دن ایک لمحے کے لیے بھی احساس ہوا کہ شاویز کی وجہ سے مایا کی آنکھوں میں آنسو آئے ہیں، تو اسی وقت میں اس دنیا میں دوسرا سانس نہیں لوں گا مایا! اگر یہ جنون ہے مایا! تو یقین کرو، میں اس جنون کی حد تک تم سے پیار کرتا ہوں۔۔"

مایا نے شاویز کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کچھ کہنا چاہا، مگر ہمت نہ کر پائی۔

وہ مایا کا ارادہ بھانپ کر بولا۔

" بولو مایا! کہہ دو آج جو تم کہنا چاہتی ہو۔"

"نہیں شاویز! میں کچھ کہنا نہیں چاہتی، کیوں کہ اب میں جان گئی ہوں کہ... وہ محبت ہی کیا جسے الفاظ میں بیان کیا جا سکے۔ دل کی سچائیاں لفظوں کی قید سے آزاد ہوتی ہیں... یہ جس سے ہوتی ہے اسے اپنے آپ ہی اپنی طرف متوجہ کرتی ہے... بغیر کچھ کہے، بغیر کچھ سنے... بالکل ویسے، جیسے تمھاری محبت نے مجھے متوجہ کیا تھا شاویز!"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی دیکھتی کب اپنے دل سے ہم کلام ہوئی، اسے احساس تک نہ ہوا۔ اب مایا اپنے دل سے شاویز کی آنکھوں میں ڈوبی باتیں کرتی رہی۔

"شاویز کی آنکھوں میں وہ کون سا جذبہ ہے کہ وہ جب آنکھیں میری طرف اٹھاتا ہے، تو مجھے لگتا ہے کہ میری منزل کے سبھی رستے اس کی آنکھوں سے ہو کر گزرتے ہیں... مجھے ان آنکھوں سے بڑا لمبا سفر طے کر کے اس کے دل کی منزل تک پہنچنا ہے۔ اس کے دل

کی زمین پر مجھے اپنی محبت کا تاج محل تعمیر کرنا ہے...وہ جذبات جو اس کی آنکھوں میں ناں!وہ کسی آزمائش، کسی امتحان کی نظر کرنے والے نہیں ہیں۔وہ میری منزلوں کے راہ نما ہیں، مجھے ان کا ہاتھ تھام کر ان کے ساتھ چلنا ہے۔"

وہ ابھی اسی سوچ میں تھی اچانک اسے کسی نے پکارا، تو وہ چونک اٹھی۔

شاویز نے دھیمے سے اس کا نام پکارا تھا۔

" مایا! "

وہ چونک گئی تھی۔اسی وقت اسے اپنی امی کی آواز سنائی دی۔وہ شاویز کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ چھڑا کر فوراً اٹھی جیسے ہی وہ قدم اٹھاتی، شاویز نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

مایا وہیں بت بن گئی۔شاویز آہستہ سے سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔

" آئی لو یو مایا! "

مایا نے ایک مسکراہٹ بھرے انداز میں اسے دیکھا اور تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

اب وہ کچن میں کھڑی اپنی امی کا ہاتھ بٹانے میں مصروف تھی۔چکن نگسٹ تل کر پلیٹ میں رکھتے ہوئے وہ ایک دم سے بولی۔

" امی! کہیں یہ سب فرائیڈ چیزیں شاویز کو منع نہ ہوں۔۔۔"

" اوہ ہو!اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا۔چلو!تم یہ چائے ڈالو، میں کچھ پھل بھی کاٹ لیتی ہوں۔"

" جی امی! "

مایا نے پلیٹ ٹرے میں رکھی اور کپ اٹھا کے چائے ڈالنے لگی۔

" مایا!"اس کی والدہ اس سے مخاطب تھیں۔

" تم نے شاویز کی حالت دیکھی...کیا حال ہو گیا ہے اس کا ڈیڑھ دو مہینوں میں"

مایا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تم مانو یا نہ مانو...اس کا یہ حال تمھارے رویے کی وجہ سے بھی ہوا ہے مایا!" وہ سیب کاٹتے ہوئے بولیں۔

" جی امی! لیکن اب وہ ٹھیک ہو جائیں گے ان شاء اللہ!"

مایا کے چہرے پر ان کے ہر سوال کا جواب موجود تھا۔

مایا کی والدہ تو پہلے ہی جان چکی تھیں۔

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد شاویز گھر جاتے ہوئے افضل صاحب کی دکان سے ہوتا ہوا گیا۔

☆☆☆

دن یوں ہی گزرتے چلے گئے۔شاویز کی حالت کچھ سنبھلی، تو اس نے فوراً مایا سے اسی موضوع پر بات چھیڑ دی۔اس بار مایا نے کوئی اعتراض نہ کیا اور راضی ہو گئی۔شاویز کی تو خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اسے ساری دنیا کی دولت مل گئی ہو۔

اگلے دن اپنے گھر کے لان میں بیٹھے شاویز نے موقع پاتے ہی اپنی والدہ سے مایا کے متعلق بات کر ڈالی۔ماما اور ارمینہ اس کے سامنے چائے کا کپ اٹھائے جانے کن باتوں میں مگن تھیں کہ اچانک شاویز کی بات سن کر چونک پڑیں۔شاویز کی زبان سے مایا کا نام سن کر وہ ہکا بکا رہ گئیں۔

"ماما جانی! میں چاہتا ہوں کہ آپ مایا کے گھر جائیں اس کا رشتہ لے کر... میں اسے بہت چاہتا ہوں...وہ بہت اچھی لڑکی ہے... آپ اس سے ملیں گی، تو بہت خوش ہوں گی۔"

شاویز کی ماما ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی چلی گئیں۔ارمینہ کو بھی جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔آخر کافی دیر کے بعد وہ بولیں۔

" بیٹا! ایسے کیسے کر لیں رشتا...نہ خاندان کا پتا، نہ اس کے فیملی بیک گراؤنڈ کا"

شاویز نے اپنی ماں کی بات کاٹتے ہوئے فوراً جواب دیا۔

ماما! جتنی ان لوگوں میں شرافت ہے ناں! اس سے کسی اچھے خاندان کی پہچان اپنے آپ ہو جاتی ہے۔بس! آپ چھوڑیں سب باتیں ۔آج تک آپ نے میری کوئی بات نہیں ٹالی، مجھے امید ہے، آپ اس بار بھی اپنے شاویز کی خوشیاں ضرور گھر لائیں گی۔بس میں چاہتا ہوں ماما! آپ جلدی سے اسے میری زندگی کا حصہ بنا دیں۔"

وہ التجا بھرے لہجے میں بولتا چلا گیا۔

ارمینہ اپنی ماں کا چہرے دیکھتے ہوئے کچھ بول نہ پائی۔اسے بھی شاویز کی بات سے ذرا بھی اتفاق نہیں تھا۔وہ بھی اپنی والدہ کی طرح اس کی اس بات کو بے وقوفانہ سمجھتی تھی، مگر شاویز کی ضد کے آگے انھیں ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔

" ٹھیک ہے، کل ہمیں ان کے گھر لے جاؤ۔باقی باتیں وہیں طے ہوں گی۔"

شاویز خوشی سے ماں کا ماتھا چومتا ہوا اپنا موبائل اٹھائے کمرے میں چلا گیا۔

اب وہ افضل صاحب کو اپنے آنے کی اطلاع کر رہا تھا۔

مایا کے گھر میں بھی کافی رونق تھی۔افضل صاحب کل خود اسد کے گھر گئے تھے اور ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر آئے تھے، کیوں کہ اسد کے برے رویے کے باوجود اس سے پیار بھی بے پناہ کرتے تھے۔ویسے بھی خون کے رشتے ایسے تھوڑی ٹوٹتے ہیں۔اور پھر ماں باپ کہاں اولاد کو چھوڑ سکتے ہیں۔۔

مقررہ وقت پر شاویز ڈرائیو کرتا ہوا مایا کی گلی میں پہنچا اور گاڑی پارک کرنے لگا۔گلی کافی تنگ تھی اس لیے دشواری کا سامنا کرنا پڑتا تھا گاڑی اندر لاتے۔مٹھائی کے ڈبے اور کچھ فروٹس فضل دین کے ہاتھ مایا کے گھر تک بھجوا دیے۔اب اس کی والدہ اور ارمینہ اس ماحول اور علاقے کو دیکھ کر گہرے صدمے میں مبتلا ہو گئیں۔

ماما۔۔۔یہ شاویز کہاں لے آیا ہے؟؟

شاویز کی والدہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

" ! اللہ جانے یہ لڑکا کیا کرنے والا ہے، میری تو خود کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ارمینہ"

"ماما! اسی لیے آپ کو کہتی تھی کہ زمل کے متعلق جتنا جلدی ممکن ہو سکے، اس کے کانوں میں ڈال دیں، مگر آپ نے دھیان ہی نہیں دیا۔"

شاویز نے باہر کھڑے ہو کر انھیں گاڑی سے اترنے کا اشارہ کیا۔

" چلیں ماما! آجائیں اب۔"

ارمینہ نے گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے ناگواری سے ادھر ادھر دیکھا اور گلی کے کیچڑ سے پاؤں بچاتی ہوئی اپنی والدہ اور شاویز کے ہمراہ مایا کے گھر میں داخل ہوئی۔ اب تو ان دونوں کے اوسان خطا ہونے لگے۔ مایا کے گھر سے ان کے مالی حالات اور تنگ دستی کا اندازہ بہت اچھی طرح سے لگایا جا سکتا تھا۔

اسد اپنی بیوی کے ساتھ کمرے میں ایک طرف صوفے پر بیٹھ گیا۔ درمیان میں رکھے صوفے پر شاویز، اس کی امی اور ارمینہ بیٹھ گئے ۔مایا کچن میں امی کے ساتھ کام میں لگی رہی۔ ردا نے ایک بار جھوٹے منہ سے بھی آ کر نہ پوچھا کہ میں مدد کروا دیتی ہوں۔

خیر مایا کام ختم کر کے جلدی سے تیار ہوئی، وہ کھلتے ہوئے سرخ شیفون کے سوٹ میں ہلکے سے میک اپ میں اور بھی خوب صورت لگ رہی تھی۔ سر پر دوپٹا رکھے وہ اندر کمرے میں داخل ہوئی۔ شاویز ہر بات سے توجہ ہٹا کر اسے دیکھتا رہا مایا سمیت اس کے گھر کے تمام افراد شاویز کی امی اور بہن کی ناگواری کو غیر محسوس طریقے سے نوٹ کر رہے تھے۔ خود مایا کو بھی جس پیار اور خلوص کی توقع تھی، وہ ان کے چہروں پر دور دور تک دکھائی نہ دیا۔

کچھ دیر بعد شاویز کی امی نے بات شروع کی۔

"آج تک ہم نے شاویز کی کوئی بات رد نہیں کی۔ یہ میرا سب سے لاڈلا بچہ ہے۔ آج بھی اسی کی خوشی تھی کہ ہم یہاں آئے ہیں ، آپ سے مایا کے رشتے کی بات کرنے۔۔"

وہ مایا کے والدین سے مخاطب تھیں۔

"لیکن وہ کیا ہے ناں کہ شاویز کے دو بڑے بھائی انگلینڈ میں اپنے اپنے پراپرٹی کے کاموں میں الجھے رہتے ہیں اور خود شاویز کو بھی مکمل طور پر سیٹل ہونے کے لیے دو سے تین سال کا عرصہ درکار ہے... اگر آپ لوگوں کو مناسب لگے، تو ابھی ہم ان دونوں کی منگنی کی چھوٹی سی رسم کر دیتے ہیں... اگلے ہفتے تک... باقی جب بڑے بھائی آ جائیں گے، تو ہم ان کی شادی کی کوئی اچھی سی تاریخ دیکھ کر طے کر لیں گے... اگر آپ سب کو کوئی اعتراض نہ ہو"

شاویز نے نظریں جھکا لیں جب کہ مایا پہلے ہی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ مایا کے والد اور والدہ تو پہلے ہی شاویز کو پسند کر چکے تھے۔ انھوں نے حامی بھرتے ہوئے اگلے ہفتے سوموار کے روز نومئی کی تاریخ منگنی کے لیے مقرر کر دی۔ اسد اور ردا بھی وہیں

موجود تھے، مگر وہ کسی بات میں شامل نہ ہوئے۔ ایسے جیسے وہ گھر کے فرد ہی نہ ہوں بلکہ کوئی غیر ہوں، جو رسماً آ کر اپنی شرکت کی مہر لگا کر ایک رسم نبھا رہے ہوں۔

ان کی اس قدر بیگانگی کو شاویز کی والدہ اور ارمینہ نے محسوس کر لیا تھا، جو کہ بعد میں شاویز سے پوچھے گئے سوالوں میں سے سر فہرست سوال تھا، جس کا جواب شاویز نے اتنے اچھے طریقے سے دیا تھا کہ وہ دونوں مطمئن ہو گئیں۔

☆☆☆

منگنی کے لیے تمام قریبی رشتے داروں کو مدعو کیا گیا۔ عبید کی خوشی بھی قابلِ دید تھی۔ وہ بہانے بہانے سے مایا کو چھیڑ تا رہا۔ شاویز ان کے گھر میں ہر فرد کے دل میں جگہ بنا چکا تھا۔ درمیانے سے پیمانے کے انتظامات کیے گئے اور منگنی کی ساری شاپنگ شاویز نے مایا کو خود اس کی مرضی کی کروائی تھی۔ وہ ارمینہ کو ساتھ لے جاتا اور مایا کو پک کر کے وہ لوگ اس کی پسند کی سب چیزیں لیتے رہے یہاں تک کہ مایا بہت کوشش کرتی کہ وہ شاویز کو کسی طرح سے منع کر دے، مگر اس کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ دنیا مایا کے قدموں میں رکھ دے۔

چھوٹی موٹی نوک جھونک اور چھیڑ چھاڑ میں دن گزرتے چلے گئے۔ دونوں ہی اپنی قسمت پر نازاں تھے، مگر مایا اور اس کے امی ابو کے دل میں ایک عجیب سا کھٹکا رہتا، کیوں کہ منگنی میں اس کی لاہور میں مقیم دونوں بہنوں کو نہیں بلایا گیا تھا۔ شاویز نے اپنی والدہ سے اس کی وجہ پوچھی، تو انھوں نے کوئی بہت پائیدار سا بہانہ بنا کر اسے ٹرخا دیا تھا اور وجہ یہ بتائی کہ مایا کے گھر والوں پر ہماری طرف سے زیادہ لوگ لے جانے سے بوجھ پڑ جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ ہم لوگ انھیں شادی پر بلوائیں۔ شاویز بھی اس بات پر خاموش ہو گیا، کیوں کہ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ مایا کے گھر کے حالات کیا ہیں۔

آخر کار وہ دن آ ہی گیا جب مایا پنک اور فیروزی درمیانے کام والے جوڑے میں ملبوس بال کھولے سر پہ دوپٹا ٹکائے اور کنٹراسٹ میک اپ میں ہلکی پھلکی جیولری پہنے کسی روپ نگر کی رانی لگ رہی تھی۔ شاویز ہلکے فیروزی کڑھائی والے کرتے میں بہت مہذب دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں کی جوڑی اتنی پیاری تھی کہ، جو بھی دیکھتا، وہی تعریف کرتا۔

مایا، آمنہ کی منتظر ہی رہی۔ فنکشن شروع ہوئے گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا اور کچھ ہی دیر تک شاویز، مایا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے انگوٹھی پہنا رہا تھا۔ وہ پل ایسے تھے کہ دونوں کے دل کی دھڑکنیں محبت کی فضاؤں میں گونج رہی تھیں۔ ان کی محبت کو رسموں اور رواجوں کی منظوری مل چکی تھی۔ وہ دن ان کی زندگی کا خوب صورت ترین دن بن چکا تھا۔

سب کچھ بہت اچھے طریقے سے ہو گیا تھا۔ مایا اور شاویز ایک دوسرے کے ہاتھوں کو اپنی اپنی محبت کی نشانی سے سجا چکے تھے۔ جیسے وہ نشانی ان کی تاریک زندگیوں کو اجالوں سے روشن کرتی گئی۔ اور دن بدن محبت پروان چڑھتی گئی۔ ٹیلی فون پر لمبی لمبی باتیں تو کبھی شاویز کا گھر آنا صرف مایا کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے... وہ اس کے گھر کے اکثر و بیشتر چکر لگاتا... کبھی مایا دکھائی دیتی اور کبھی دیوار کی اوٹ سے اسے دیکھ کر چھپ جاتی... مایا کی والدہ کی طرف سے بھی اب پہلے کی طرح بات چیت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ مایا کو اکثر کہتیں۔

"جب تک شادی نہیں ہو جاتی... شاویز کے سامنے کم جایا کرو"

مگر دل کہاں سنتا ہے۔ یہ منطق محبت کرنے والوں کی فلاسفی سے بالکل برعکس تھی۔

کچھ دن بعد مایا کو ایک کنسٹرکشن کمپنی سے کال آئی، جہاں کچھ ماہ پہلے اس نے انٹرویو دیا تھا۔

شاویز اور گھر والوں کی اجازت سے مایا نے اس فرم میں جاب شروع کر دی۔ تنخواہ بھی مناسب تھی اور وہ گھر سے زیادہ دور بھی نہ تھی۔

مایا کو مینول رکارڈ کیپنگ کے ساتھ ساتھ ایک ایڈمنسٹیٹر والے سارے کام سرانجام دینے تھے۔ گویا تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے شروع کے کچھ دن اس نے ٹریننگ حاصل کی اور پھر آہستہ آہستہ وہ کام اچھی طرح سے سیکھ گئی۔

مایا کو جاب پر تیسرا ہفتہ تھا۔ اس دن آفس سے واپسی پر اس کا ارادہ تھا کہ وہ آمنہ کی طرف جائے گی، کیوں کہ آمنہ سے کوئی رابطہ نہ ہوا تھا اور وہ اس کی منگنی پر بھی نہیں آئی تھی۔ مایا نے گھر بتا کر آفس سے واپس آتے ہوئے آمنہ کے گھر کا رخ کر لیا اور کچھ ہی دیر میں وہ آمنہ کے گھر پہنچ گئی۔

آمنہ اپنے کمرے میں بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی حالت سے پتا چل رہا تھا کہ اس کی طبیعت بہت ناساز تھی۔ مایا کو آمنہ کی امی سے یہ پتا چلا کہ آمنہ کو پچھلے دو ماہ سے ٹائیفائیڈ بخار ہے۔ اسے آمنہ پر بہت غصہ آیا کہ اس نے اپنی بیماری کے بارے میں بھی اسے نہیں بتایا تھا۔

مایا کو دیکھ کر آمنہ کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ مایا کے ہاتھ کا سہارا لے کر تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ مایا بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

"کیا حال کر لیا ہے تم نے یار اپنا! شکل دیکھی ہے اپنی شیشے میں... اٹھو اور فریش ہو جاؤ..." مایا اپنے دل کے تاثرات چھپاتے ہوئے بولی۔

"بس یار! طبیعت ہے کہ ٹھیک ہونے کا نام نہیں لے رہی... دوائی بھی کھا رہی ہوں... مگر پھر بھی اور وہ نیہال"

مایا جھنجھلا کر بولی۔

" ابھی تک وہ گیا نہیں تمھاری زندگی سے... اس حال کو اسی نے پہنچایا ہے تمھیں... بھول جاؤ اسے آمنہ! مت کرو ظلم اپنے ساتھ"

"مایا! اللہ نہ کرے یہ وقت تم پر آئے، مگر جس طرح تم محبت کے خلاف دلائل دیتے ہوئے بھی شاویز کی محبت میں پڑ گئی تھی اور تب تمھیں احساس ہوا تھا ناں کہ آمنہ کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا... وہ مجبور تھی... تمھاری نصیحتوں پر چاہ کر بھی عمل نہیں کر سکتی تھی، اسی طرح کبھی تمھیں اس تکلیف کا بھی اندازہ ہوگا۔۔۔"

" تم بد دعا دے رہی ہو مجھے آمنہ!" مایا اس کی بات سن کر حیران ہوتے ہوئے بولی۔

"ارے نہیں یار! دے سکتی ہوں بد دعا وہ بھی تمھیں... کبھی بھی نہیں... میں تو بس تمھیں یہ بتا رہی ہوں کہ محبت میں ملے دکھ بھی اتنے ہی پیارے ہوتے ہیں جتنی محبت سے ملی خوشیاں پیاری ہوتی ہیں۔۔۔"

"تم کیوں نہیں سمجھ لیتی آمنہ! کہ جو لوگ دعاؤں سے نہیں مل سکتے ناں! وہ وفاؤں سے بھی نہیں ملتے... ان کے پیچھے بھاگنا ایسے ہی ہے جیسے بیساکھیوں کے سہارے ٹرین پکڑنا... آپ کے پاؤں شل ہو جائیں... آپ نباہ کے مرحلوں میں اپنے وجود کو بھی لہولہان کر لیں، تو بھی جو آپ کا نہیں... وہ آپ کی حدوں سے دور بہت دور نکل جاتا ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو مایا! لیکن تمھیں پتا ہے جب سے میں بیمار ہوں، تو وہ شخص مجھے فون پر دعائیں بھیجتا ہے... برباد کرنے والوں کے منہ سے اپنے لیے دعائیں کتنی عجیب لگتی ہیں ناں مایا! ایک عمر تک ہم سے آشنا لوگ کتنی آسانی سے دنیا جہان کے دکھ ہماری جھولی میں ڈال کر بعد میں خوشیوں کی دعائیں ایسے دیتے ہیں جیسے ان سے بڑا ہمارا خیر خواہ ہے ہی نہیں... وہ یہ کیوں نہیں سمجھتے مایا! کہ خوشیاں تو ساری وابستہ ہی ان سے تھیں... اب تو بس سمجھوتے ہیں حالات کے ساتھ بھی اور اپنے احساسات کے ساتھ بھی۔۔"

آمنہ نے یہ بات کہتے ہوئے اپنی بھرائی ہوئی آواز پر قابو پا لیا شاید وہ اپنے ٹوٹے پھوٹے احساسات کو لفظوں میں بیان کرنے کی ہمت کھو بیٹھی تھی۔

مایا نے اس کی تکلیف کی شدت کو بہت گہرائی تک محسوس کر لیا تھا، مگر وہ تسلی دینے کے بجائے اسے اس تکلیف سے نکالنا چاہتی تھی۔

"ایک بات پوچھوں آمنہ! اپنی یہ حالت بنا کر تم نیہال کو کوئی پچھتاوا نہیں دے سکتیں... اس سے صرف اور صرف تمھارے والدین کو تکلیف پہنچے گی یا تمھیں خود... کیا کرنا چاہتی ہو تم... اور کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم یہ سب کر کے۔۔۔"

"بس مایا! میں یہاں سے چلے جانا چاہتی ہوں... دل نہیں لگتا اب اس دنیا میں"

مایا اس سے اسی جواب کی منتظر تھی۔

"پتا ہے آمنہ! جب ہماری زندگی میں کوئی ہماری قدر نہیں کرتا ناں! تو اس سے دور اس آرزو میں چلے جانا کہ اب اسے ہماری قدر معلوم ہو جائے... بالکل ایسے ہی ہے جیسے سوکھی لکڑیوں پر پانی بہا کر آگ جلانے کی کوشش کرنا... جنھیں احساس نہیں ہوتا... انھیں کبھی نہیں ہوتا... چاہے آپ سات سمندر پار چلے جائیں یا پھر زمین کی گہرائیوں میں دفن ہو جائیں... ان کے لیے آپ کا وجود ایسے ہی بے معنی ہے جیسے ایک نابینا کے لیے قوسِ قضا کے رنگ۔۔۔"

"میں کیا کروں مایا! وہ یاد آتا ہے... اس کا پیار... اس کی باتیں"

آمنہ کی آواز پھر بھر آئی۔

مایا نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"آمنہ! تمھیں نہیں لگتا کہ یادیں بھی چن کر اسی کا انتخاب کرتی ہیں، جو محبت کے لیے تکلیف سہنے کی ساری حدیں پار کر سکے اور ایسا دونوں میں سے کوئی ایک ہی ہوتا ہے، جو یاد نہیں کرتا، جو یاد نہیں کرتا، وہ یاد کر ہی نہیں سکتا، کیوں کہ یادیں جھیلنے کے لیے بھی کسی مظلوم، کسی مقتول جتنا بڑا دل چاہیے ہوتا ہے، جو ستم گروں کا ہر گز نہیں ہو سکتا۔"

اب آمنہ سسکیاں بھر بھر کر رونے لگی۔

"آمنہ! میں اب تک یہ سمجھ نہیں پائی کہ تمھیں اس سے نفرت کیوں نہیں ہوئی یار! دیکھو! کتنا رلایا ہے اس انسان نے، تمھیں دیا ہی کیا ہے آج تک اس نے۔۔۔"

مایا نے آمنہ کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے سمجھایا۔

آمنہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"تم میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے دور کسی جنگل میں، کسی صحرا میں چھوڑ کر آؤ اور پھر اس کا بس ذکر چھیڑ دو... میری روح میرے وجود سے نکل کر اس کا نام سنتے ہی دوڑ آئے گی... ایسی حالت میں نفرت کیسے کی جا سکتی ہے... جب سانسوں سے روح تک کا سارا نظام بغاوت پر اتر آئے؟ میں کہوں نفرت ہے اور دل مکر جائے!"

مایا نے آمنہ کی بات سنتے ہی اسے بے اختیار اپنے گلے لگا لیا۔ مایا کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا ہو۔ وہ آمنہ کی تکلیف سے تڑپ کر رہ گئی۔

آمنہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرا پونچھتے ہوئے مایا کو دیکھا اور بولی۔

"پتا ہے مایا! خواب ٹوٹ جانے کا دکھ اتنا نہیں ہوتا جتنا ان کی کرچیوں کو آنکھ میں رکھنا تکلیف دہ ہوتا ہے... اور کبھی کبھی تو لگتا ہے کہ محبت کرنے والوں کے ساتھ سب سے بڑی ناانصافی تو خود محبت کرتی ہے... ہر طرح سے دکھ سہنے والے کے دل میں ہی یادوں کا خنجر گھونپ دیتی ہے... محبت ذرا ترس نہیں کھاتی مایا!"

لیکن۔۔۔ آمنہ۔۔۔ یہ اذیت اور کب تک؟؟ تم اپنے لئے خوشیوں کے راستے بھی تو ڈھونڈ سکتی ہو ناں۔۔۔

تمہیں پتہ ہے مایا۔۔ کبھی کبھی خوشیاں بانہیں کھولے ہمارے سامنے کھڑی ہمارے لوٹ آنے کی منتظر ہوتی ہیں اور ہم آزاد ہوتے ہوئے بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں پاتے، کیونکہ شاید یہ وہی مقام ہوتے ہیں جہاں اک عمر پہلے کوئی راہ بدل جاتا ہے اور ہم انتظار کی

بجھی شمیں لیے اس راہ سے اک قدم نہیں سرکتے۔۔ کرب کی شدت میں بھی بڑھ کے خوشیوں کو گلے نہیں لگا پاتے۔۔ اور یہی تو ہوتے ہیں یکطرفہ نبھا کے سلسلے۔۔۔۔ مایا۔۔۔

مایا کے پاس کوئی الفاظ نہ تھے۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اسے تسلی دے یا نصیحت کرے، کیوں کہ اکثر تکلیف کی شدت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ تسلی دینے سے درد میں کوئی کمی نہیں آتی اور اس لمحے نصیحت کرنا بھی دوسروں کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے برابر ہوتا ہے۔

اپنا خیال رکھنا اور پلیز جلدی سونے کی کوشش کیا کرو۔۔ میں دوبارہ چکر لگاؤں گی انشااللہ۔۔ مایا یہ کہہ کر آمنہ سے اجازت طلب کرنے لگی۔۔

نیند کہاں آتی ہے مایا۔۔ نیند تو شاید بنی ہی ان کے لیے ہے جنھوں نے کسی کی نیندیں برباد کی ہوتی ہیں۔۔۔

اب نہیں رہے وہ سکون سے سونے کے دن۔۔۔

اور پھر کچھ دیر کے بعد آمنہ سے اجازت لے کر مایا گھر آ گئی، مگر وہ سارا وقت آمنہ کے متعلق سوچتی رہی۔ اس کے ذہن پر بس اس کی اذیت کا ایک نہ بھولنے والا احساس سوار ہو چکا تھا۔

کچھ دیر تک شاویز کی کال آئی، تو وہ موبائل اٹھائے صحن میں آ کر واک کرنے لگی اور ساتھ ساتھ اس سے باتیں کرتی رہی۔

مایا کا سب سے پہلا موضوع آمنہ کا تھا۔

وہ شاویز سے آمنہ کے متعلق باتیں کرتی رہی۔ خود شاویز کو بھی آمنہ کی حالت کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا۔

"کیا ہم آمنہ کے لیے کچھ کر سکتے ہیں مایا! کیا اس لڑکے سے میں بات کروں؟"

شاویز نے مایا سے پوچھا، تو وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔

"جن خوشیوں کو ہم بھیک کی طرح کسی کی جھولی میں ڈالتے ہیں ناں! اگر وہ اسے قبول کر بھی لیں، تو بھی وہ اس بھیک سے اپنی حسرتوں کی بھوک نہیں مٹاتے... وہ ہماری اس بھیک کو امانت کی طرح محفوظ رکھ لیتے ہیں ہمیں مان دینے کے لیے اور ہم سمجھتے ہی رہ جاتے ہیں کہ وہ ہمارے احسان مند ہیں... اور شاویز! اگر ہم نیہال کو واپس آمنہ کی زندگی میں بھیج بھی دیں، تو بھی وہ شخص اس کی قدر

نہیں کرے گا... ایسی بھیک سے اچھا ہے کہ ہم اس کے حق میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے صبر دے اور اس شخص کی محبت سے اسے آزاد کر دے... سچ کہوں شاویز! میں آمنہ کی حالت دیکھ کر بہت ڈر گئی ہوں... کتنی تکلیف ہوتی ہے ناکام محبت سے۔۔"

"مایا! جب محبت آخری حد سے تجاوز کرتی ہے، تو وہ عشق کے مقام کو پہنچ جاتی ہے اور عشق کے مقام کو پہنچی محبتیں ناکام ہو کے بھی اپنی تکمیل کا منہ بولتا ثبوت ہوتی ہیں... میری محبت پر کبھی شک نہ کرنا... ہر کوئی نیہال نہیں ہوتا، لیکن آمنہ جیسی لڑکیوں کو بھی نیہال جیسے لڑکے ڈیزرو نہیں کرتے... تم کوشش کیا کرو کہ اس کے پاس ہفتے میں ایک بار ضرور چکر لگا لو۔۔"

" جی شاویز! میں اگلے ویک اینڈ پر ضرور جاؤں گی اس کی طرف۔۔۔"

" مایا! تم کہاں ہو؟" شاویز نے ایک دم چونک کر مایا سے پوچھا۔

" صحن میں واک کر رہی ہوں... کیوں شاویز! کیا ہوا؟"

"مایا! آسمان کی طرف دیکھو، وہ جو سب سے روشن ستارا ہے ناں! جو بالکل چاند کے قریب ہے... اسے روز دیکھنا... وہ روز اسی جگہ ابھرے گا چاند کے پاس... جانتی ہو مایا! وہ ستارا بالکل میری طرح ہے... میں بھلے تمھاری نظروں سے اوجھل ہو جاؤں، مگر میں اپنا مقام نہیں بھولوں گا... تم جب بھی مجھے تلاش کرنا چاہو گی... میں تمھیں تمھارے اتنے ہی قریب ملوں گا... جتنے قریب وہ چاند اور ستارا ہے۔"

مایا نے آسمان کی طرف دیکھا، تو ایک ستارا چاند کے بہت قریب جگمگا رہا تھا، جو حقیقت میں سب ستاروں سے الگ ایک عجیب مانوس سی روشنی سے چمک رہا تھا۔ مایا بہت دیر تک اسے دیکھتی رہی۔

"شاویز! آپ کو پتا ہے، میری زندگی آپ کے آنے سے پہلے بھی مکمل تھی، مجھے کبھی احساس نہیں ہوا کہ میری زندگی میں کسی انسان کی کمی ہے۔ میں خوش تھی۔ گھر کے حالات جیسے بھی تھے، پر کبھی نہیں لگا کہ زندگی ادھوری یا نامکمل گزر رہی ہے، لیکن جب سے آپ میری زندگی میں آئے ہیں مجھے شدت سے ایک بات کا احساس ہونے لگا ہے کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات بے حد پیار کرنے والی ہے اپنے بندے سے، وہ ہماری خوشیوں کو بڑھانے کے لیے ایسے ایسے وسیلے بنا دیتا ہے کہ ہمیں گمان تک نہیں ہوتا۔ اس کچھ ہی عرصے میں میری خوب صورت زندگی کو مزید خوب صورت بنا دیا ہے آپ نے... اور اب میں تصور بھی نہیں کر سکتی آپ کے بغیر جینے کا۔۔۔"

"مایا! بالکل یہی فیلنگز میری بھی تمھارے لیے ہیں، جنھیں میں چاہ کر بھی الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ بس دعا کرتا ہوں کہ وہ دن جلدی آجائے تم دلہن بن کر میرے گھر آؤ اور اس گھر کو اپنے اجالوں سے اور بھی روشن کر دو۔"

مایا دل ہی دل میں اپنی قسمت پر بہت نازاں ہوئی۔

"شاویز! آپ سے باتیں کرتے ہوئے وقت کا احساس ہی نہیں ہوا... وقت بہت ہو گیا ہے، اب آرام کرتے ہیں، کل مجھے بھی آفس جانا ہے۔"

" ہاں ٹھیک ہے مایا! لیکن یاد ہے ناں! جو میں اکثر کہتا ہوں۔"

"کیا شاویز!"

"مایا! آیت الکرسی... تم بھول گئیں"

محبت انسان کو ضرورت سے زیادہ حساس بنا دیتی ہے شاید... تم گھر سے باہر قدم نکالتی ہو، تو میرے دل کو ہزار طرح کے وسوسے گھیر لیتے ہیں... میں تم سے جتنی بھی ٹوٹ کر محبت کروں، لیکن ہوں تو بے بس سا انسان ہی ناں! اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم خود کو اس رب کی پناہ میں کر دو، جو کل مخلوق کی حفاظت کرتا ہے اور شاید میں اسی لیے تمھیں گھر سے آیت الکرسی پڑھ کر نکلنے کو کہتا ہوں اور پھر یقین کرو... بہت مطمئن ہو جاتا ہوں کہ میرا رب تمھاری حفاظت کرتا ہے۔

مایا شاویز کی بے پناہ محبت کے جواب میں کچھ نہ کہہ پائی، کیوں کہ کچھ باتوں کے جواب لفظوں میں ادا ہو ہی نہیں سکتے اور یقیناً بے پناہ چاہت اور خلوص کے آگے لفظوں کے انبار بھی لگا دو، تو بھی ان کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ مایا نے عہد کر لیا کہ وہ ضرور آیت الکرسی پڑھ کر خود پہ پھونک مار کر گھر سے باہر قدم نکالے گی۔

شاویز نے شاید یہ عادت اپنی والدہ سے سیکھی تھی۔ وہ جو بھی تھا، جیسا بھی تھا، مایا کے لیے اس کی ہر بات دل میں اتر جانے والی تھی اور یقیناً سچی محبتیں دل میں اتر کے ہی اپنا اثر دکھاتی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ روح کا حصہ بنتی جاتی ہیں۔

اگلے روز مایا پندرہ منٹ لیٹ ہو چکی تھی اور آفس پہنچتے پہنچتے وہ آدھا گھنٹا اور تاخیر کا شکار ہو چکی تھی۔ اس روز وہ جلدی میں گھر سے نکلی اور اپنا موبائل بھی گھر بھول گئی۔ خیر شاویز کو اس نے آفس کے نمبر سے اطلاع کر دی، کیوں کہ وہ اس کے آفس پہنچتے ہی اس کی خیریت کا میسج دیکھ کر ہی سکون میں رہتا۔

تقریباً دو بجے سینیئر ایڈمن مینیجر نے مایا کو کچھ ضروری لیٹر ٹائپ کرنے کو دیے اور پھر وہ فائل اندر سی ای او مسٹر عبدالحفیظ کو دینے کو کہا۔ مایا کو اپائینٹ عبدلحفیظ کے بیٹے مسٹر فہد نے کیا تھا اور پچھلے تین ہفتے سے وہ انہی کی سپرویژن میں تھی۔ آج پہلی بار وہ کمپنی کے ہیڈ کے آفس جا رہی تھی۔ اس لیے ضرورت سے زیادہ نروس تھی۔ لیٹر مکمل کر کے ایک مخصوص سپلائر کی فائل میں رکھتے ہوئے مایا نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی، تو اندر سے بھاری آواز میں کوئی شخص کھنکھار کر بولا۔

"یس!"

مایا دوپٹا ٹھیک کرتے ہوئے سہمی سی اندر داخل ہوئی۔

کمرے میں سگریٹ کا دھواں اور شراب کی ہلکی سی بو مایا کے لیے دل دہلا دینے والا منظر تھا۔ ایک پچاس پچپن سالہ شخص گلاس منہ کو لگائے مایا کو کن اکھیوں سے دیکھتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کو کہہ رہا تھا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں سگریٹ اور ٹیبل پر بکھری ہوئی فائیلیں سب کچھ ہی ناخوش گوار تھا۔

اچھا! تو آپ ہیں مایا! فہد نے اپائینٹ کیا آپ کو۔""

"جی...جی سر!" مایا اپنے حواس بحال کرتے ہوئے بولی۔

اس کا دل یہاں سے بھاگ جانے کو کہہ رہا تھا، کیوں کہ سامنے بیٹھے ہوئے شخص کی آنکھوں سے مایا خود کو محفوظ تصور کر ہی نہیں سکتی تھی۔ آج پہلی بار وہ اس شخص کو دیکھ رہی تھی اور وہ بھی اس حالت میں۔۔۔

پچھلے تین ہفتے اس قدر خوش گوار تھے کہ مایا کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی ان عادات کا مالک اس کمپنی کا ہیڈ ہو گا۔

وہ مایا کو کچھ دیر گھورنے کے بعد ایک ہی جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

اب مایا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنے لگی۔ ایک دم سے اسے یاد آیا کہ آج وہ آیت الکرسی پڑھنا بھی بھول گئی تھی۔ صبح جلدی گھر سے نکلتے ہوئے وہ شاویز سے کیا ہوا عہد بھی پورا نہ کر پائی۔

" جی تو مس مایا! دکھایئے یہ فائل "

مایا نے کانپتے ہاتھوں سے فائل اس کی طرف بڑھائی، تو اس شخص نے فائل پکڑنے کے بجائے مایا کا ہاتھ پکڑا اور اسے پورے زور سے اپنی طرف کھینچا۔ اسی اثنا میں فائل اس کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ اس کے سینے سے جا ٹکرائی۔ اس سے پہلے کہ اس کے اوسان خطا ہوتے، اس نے پوری طاقت سے خود کو اس کے چنگل سے چھڑایا اور ٹیبل کے دوسری جانب جا کر کھڑی ہو گئی۔

مایا نے لپک کر ٹیبل سے پیپر ویٹ اٹھایا، جو کہ کافی بھاری قسم کے ماربل کا بنا ہوا تھا... اس سے پہلے کہ مایا وہ پتھر اس کی طرف اچھالتی ، وہ شخص دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا۔

" اوہ ہو! میری جان... ! تم تو غصہ کر گئی... " وہ نشے میں چور اپنی لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہٹ جاؤ میرے راستے سے ذلیل انسان! میں پولیس کو بلا لوں گی۔" مایا نے اپنی تمام ہمت اکٹھی کرتے ہوئے زور سے کہا۔

وہ ڈر گیا، کیوں کہ اگر مایا شور مچاتی، تو دوسرا اسٹاف سن کر آفس میں داخل ہو جاتا۔ جیسے ہی وہ شخص دروازے سے ذرا دور ہٹ کر کھڑا ہوا، تو مایا بجلی کی سی تیزی سے دروازہ کھولتے ہوئے باہر بھاگی۔

اپنی ٹیبل پر سے اپنا بیگ اٹھایا، تو منیجر نے اس سے اس کی بوکھلاہٹ کی وجہ پوچھتے ہوئے کہا۔

" کیا ہوا؟ کہاں جا رہی ہیں آپ؟ "

مایا نے غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

" میں اس نوکری پر لعنت بھیجتی ہوں... اللہ انصاف کرنے والا ہے۔۔۔ "

یہ کہہ کر وہ تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی اس دفتر سے باہر نکل آئی۔ باہر نکلتے نکلتے اس نے عبایا پہنا اور اسکارف کو پن لگاتے ہوئے وہ مسلسل روتی رہی۔

گھر پہنچتے ہی مایا اپنی امی کے گلے لگ کر زار و قطار روتی چلی گئی۔

"مایا! کیا ہوا، میرا دل ہول رہا ہے... اللہ کا واسطہ کچھ تو بتاؤ"

مایا نے خود کو سنبھالتے ہوئے ساری کہانی اپنی امی کو سنادی۔ وہ سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گئیں۔

"امی! کیوں بنائے ہیں اللہ نے ایسے لوگ... میں کتنا خوش تھی کہ میں اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی ہوں۔ اب ابو کو کوئی کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ آرام کریں گے، لیکن ایسے لوگ کیوں ہیں ہمارے معاشرے میں... میں اس کی بیٹیوں کی عمر کی ہوں۔ امی! اس شخص کے دل میں ذرا خوف نہیں آیا... ذرا سا بھی اسے اللہ کا ڈر نہیں لگا... کہاں جائیں ہم لوگ امی! میرے جیسی اور کتنی لڑکیاں ان وحشی درندوں کی وجہ سے اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہو سکتی ہوں گی۔۔۔"

مایا روتی گئی اور بات بھی کرتی گئی۔ آنسو پونچھتے ہوئے نڈھال سی ہو کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔

مایا کی والدہ قریب آ کر اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"دل چھوٹا نہ کرو میری بچی! ہمیں پتا ہے کہ تم کتنی آرزو رکھتی ہو اپنے ابو کا ہاتھ بٹانے کی... اللہ تعالیٰ کوئی راستا دکھا دے گا ان شاء اللہ!"

مایا آنسو پونچھتے ہوئے جیسے ہی اپنے کمرے کی طرف مڑی، تو اس کے والد اپنے کمرے کے دروازے سے لگ کر کھڑے سب سن رہے تھے۔ وہ اپنی آنکھوں میں آنسو لیے انھیں دیکھ کر سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

مایا کے والد نے ساری بات سن لی تھی اور آج وہ خلافِ معمول اپنی طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے گھر پر تھے، مگر مایا کی باتیں سن کر وہ تڑپ کر رہ گئے۔ کچھ بھی بولے بغیر اپنے بستر پر جا بیٹھے اور لحاف منہ پر ڈال چپ چاپ لیٹ گئے۔ ایک باپ کے لیے یہ بات بہت ہی تکلیف دہ تھی کہ اس کی بیٹی کی طرف کسی غلط مرد کی میلی نظر پڑی، لیکن وہ بے بس سے ہو کر خاموشی اختیار کر گئے۔

مایا وضو کر کے جائے نماز پر کھڑی تھی۔

وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا دکھڑا روتی چلی گئی۔ اس کے اندر کس قدر اذیت بھر چکی تھی، وہ اس کے مسلسل بہتے ہوئے اشکوں سے صاف دکھائی دے رہی تھی۔

وہ شاویز سے اس بات کا تذکرہ چاہ کر بھی نہ کر پائی، کیوں کہ اسے پتا تھا کہ شاویز اس شخص کے ساتھ کیا سلوک کرتا، اس کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

پھر آج وہ آیت الکرسی بھی پڑھنا بھول گئی تھی، اس کے دل میں اس بات کا بار بار پچھتاوا ابھرتا رہا۔

دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، تو وہ اشکوں سے تر آنکھیں اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں الجھائے بہت دیر تک اپنے اللہ سے باتیں کرتی گئی ۔یہ پہلا موقع تھا کہ اس تکلیف نے اسے اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز کر دیا تھا۔ جو دعائیں اشکوں سے ادا ہوتی ہیں، ان کے لیے الفاظ نہ بھی ہوں، تو بھی اللہ تعالیٰ تک وہ انسان کی تڑپ کو اسی شدت سے پہنچا دیتی ہیں جس اضطراب سے آنسو رخساروں سے ٹپک کر دامن پہ گرتے ہیں۔

"اے میرے رب! میں تیری عاجز بندی... مجھے تو ٹھیک سے مانگنے کا طریقہ بھی نہیں آتا، لیکن اتنا پتا ہے، میں دل کا حال کھول کر تیرے سامنے نہ بھی رکھوں، تو بھی تو میری ہر ہر تکلیف سے واقف ہے۔ تو میری آرزوؤں اور خواہشات کو جانتا ہے۔ میں نے آج تک کسی کو تکلیف دینے کا سوچا بھی نہیں ہے، لیکن آج جس طرح سے تو نے میری حفاظت کی، میرے رب! میں تیری کمزور بندی... تیرے آگے سجدے میں جھک کر تجھ سے اپنے تمام گناہوں کی معافی مانگتی ہوں... اے میرے اللہ! مجھے ہمیشہ اپنی حفاظت میں رکھنا ،میرے نیک مقاصد کو پورا کر دے، مجھے اپنے والدین کا مضبوط سہارا بنا دے... آمین"

آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے، جیسے جیسے اشک بہتے گئے، دل کو ایک طرح کا سکون میسر آتا چلا گیا۔ وہ رب جب اپنے بندے کو کسی تکلیف میں دیکھتا ہے، تو دنیا والوں کی طرح منہ نہیں پھیرتا بلکہ اسے وہ طاقت اور ہمت عطا کرتا ہے کہ وہ اٹھ کر کھڑا بھی ہوتا ہے اور دنیا والوں کے ہر وار کا مقابلہ بھی کرتا ہے... اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کبھی ہارنے نہیں دیتا، شرط یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھے۔۔

مایا کو یہ سکون شاید شاویز سے بھی دل کا حال کہہ کر نہ ملتا۔۔۔

انسان جتنا بھی رشتوں میں گھل مل جائے، لیکن ایک دائرہ وہ ہمیشہ اپنی ذات کے گرد بنائے رکھتا ہے... جہاں بس وہ ہوتا ہے، اس کا دل اور اس کا رب۔ اس حد میں وہ کسی اور کو داخل کر ہی نہیں سکتا... کیوں کہ جو باتیں دل سمجھتا ہے اور اپنے رب سے کرتا ہے، وہ باتیں لوگوں کو سمجھانے کے لیے نہ تو الفاظ کافی ہوتے ہیں اور نہ ہی خاموشیاں۔۔

کوئی دل کی اس کیفیت تک پہنچ ہی نہیں سکتا ہے سوائے اللہ کے۔۔۔

ابھی وہ جائے نماز پر بیٹھی اسی سوچ میں تھی کہ اچانک مایا کی امی نے مایا کا نام بلند آواز میں پکارا۔

" مایا...مایا! جلدی آؤ...دیکھو تو کیا ہو گیا ہے"

مایا کا دل لرز کر رہ گیا۔ وہ فوراً دوڑتی ہوئی ان کے کمرے میں داخل ہوئی، تو امی بستر کے ایک طرف کھڑی تھیں اور اس کے ابو کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ زور زور سے ان کا نام پکار رہی تھیں۔

مایا ایک دم سے یہ منظر دیکھ کر سہم کر وہیں رک گئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کسی گہرے سکتے میں جاتی، خود کو سنبھالتے ہوئے وہ اپنے والد کے قریب جا کر کھڑی ہوئی۔

بے یقینی کی سی عجیب کیفیت تھی۔

وہ اپنے والد کو دھیمی آواز میں پکارنے لگی۔ ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اشکوں کو روکنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

"مایا! شاویز کو بلاؤ جلدی سے..." مایا کی والدہ نے بڑی ہمت سے اس سے کہا۔"

مایا بغیر کسی تاخیر کے اٹھی اور اور پاس پڑی ٹیبل سے موبائل اٹھا کر فوراً شاویز سے رابطہ کیا اور اسے گھر آنے کو کہا۔

اگلے بیس پچیس منٹ میں شاویز ان کے گھر پہنچ چکا تھا۔

مایا کے ابو کی نبض اور دھڑکن دونوں ہی محسوس نہیں ہو رہی تھیں۔ شاویز کا دل ڈوبنے لگا، لیکن ہمت سے کام لیتے ہوئے وہ انھیں مایا اور اس کی امی کے ہمراہ قریبی ہسپتال لے گیا۔

وہاں جا کر تو ان پر قیامت ٹوٹ پڑی، کیوں کہ وہ ہسپتال پہنچنے سے چالیس پینتالیس منٹ پہلے ہی دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے انتقال کر چکے تھے۔ یہ لمحے مایا کی زندگی میں طوفان کی طرح آئے اور اس کا سب کچھ بہا کر لے گئے۔ سب کچھ ایک لمحے میں راکھ کا ڈھیر لگنے لگا تھا۔ زندگی اس قدر ویران ہو چلی تھی کہ گھر کسی اجڑے جنگل کا منظر پیش کر رہا تھا۔

کچھ دن تک سب قریبی اور دور پار کے رشتے دار تعزیت کے لیے آتے رہے۔ خود شاویز بھی زیادہ وقت ان کے گھر پر بتا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ نقصان ہر طرح کی تلافی سے بڑا ہے۔ اس کو وہ کسی صورت مایا کی زندگی سے نکال نہیں پائے گا، لیکن وہ پھر بھی حتی

الامکان کوشش کرتا رہا کہ کسی طرح مایا کا دکھ بانٹ سکے۔ اسے گہری چپ لاحق ہو چکی تھی۔ مایا کی امی صدمے کی شدت سے کئی دن تک بے ہوشی کی سی کیفیت میں رہیں۔ انھیں جب بھی ہوش آتا، تو انھیں پھر سے بے ہوشی کے انجکشن لگا دیے جاتے تھے، کیوں کہ ان کی حالت بہت زیادہ خراب ہو چکی تھی۔ وہ کسی بھی صورت میں یہ حقیقت تسلیم کرنے پر آمادہ دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

اور عبید تو جیسے جینا ہی بھول چکا تھا۔ اسد گھر کا واحد فرد تھا، جو اس گہرے صدمے کے باوجود ضرورت سے زیادہ مستحکم اور بلند حوصلہ دکھائی دے رہا تھا۔

اور ظاہر سی بات ہے کہ فرق تو صرف انھیں ہی پڑتا ہے جن کا نقصان دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر تھا۔ اسد کا پتھر دل اور سفید خون دونوں ہی اس کی سنگ دلی کا منہ بولتا ثبوت تھے، اس لیے وہ یہ صدمہ آسانی سے سہہ گیا تھا۔

نیہا کی پریگیننسی کا آٹھواں مہینہ تھا، اس لیے رمیل نے اسے اس حادثے سے آگاہ کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا، کیوں کہ اگر وہ اسے اطلاع کر دیتا، تو بھی وہ اس حالت میں نہیں تھی کہ آسٹریلیا سے پاکستان کا سفر کر سکتی، اس لیے اس نے کاموشی اختیار کر لی۔

”مایا! خود کو سنبھالو... دیکھو سب کو تمھاری ضرورت ہے... اس وقت سب کو تمھیں حوصلہ دینا ہے“ شاویز صحن میں دیوار سے لگ کر بیٹھی مایا کے پاس بیٹھا اسے حوصلہ دیتا رہا۔ ”میں تمھارا درد سمجھ سکتا ہوں، مجھے اس تکلیف کا پتا ہے، میں خود اس درد سے گزر چکا ہوں، لیکن خدا کے لیے! تم حوصلہ کرو... میں تمھیں اس طرح نہیں دیکھ سکتا۔“

شاویز نے مایا کے چہرے سے بہتے ہوئے آنسو صاف کیے۔

وہ گم صم سی کسی گہری یاد میں کھوئی آنسو بہاتی گئی۔

”شاویز! جن کے دل حساس ہوتے ہیں ناں! ان کے آنسو کبھی بھی ضبط کے ہاتھ نہیں آتے... وہ ہمیشہ برداشت کی حد توڑ کر آنکھوں کی دہلیز پار کر جاتے ہیں۔ جانتے ہو تم کہ دل کیوں حساس ہوتے ہیں؟ کیوں کہ وہ ٹوٹ پھوٹ جانے کے بعد اپنی طاقت کھو چکے ہوتے ہیں۔ پھر بات بے بات آنکھیں بھر آتی ہیں... پھر عام لوگوں کی طرح مذاق، طنز، تکراریں اور ہمدردیاں نہیں سہی جاتیں۔“

"لیکن مایا! میں نہ تو ہمدردی کر رہا ہوں اور نہ ہی کوئی تکرار... میں تو تمھارا ہم سفر ہوں، جو تمھاری ہر تکلیف کو تم پہ آنے سے پہلے ختم کر دینا چاہتا ہوں... میں تو ان آنکھوں کا ہر آنسو چرانا چاہتا ہوں مایا!"

مایا اشکوں سے بھری نظروں سے شاویز کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"آنسو دو ہی صورتوں میں آنکھ سے نہیں بہتے یا تو وہ اندر ہی اندر دل پہ گرنے کے رستے ڈھونڈ لیتے ہیں یا پھر وہ شدید ضبط سے پتھر ہو جاتے ہیں... اب تم مجھے بتاؤ شاویز! میں اپنے آنسو ضبط کے حوالے کر دوں یا کسی ان دیکھے رستے سے انھیں دل میں اتار دوں...؟ تم مجھے کون سی حالت میں بے حس دیکھنا چاہتے ہو؟"

مایا کی اس بات سے لاجواب ہو کر شاویز بے بس سا ہو گیا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

☆☆☆

مایا کے والد کی وفات کو دو ماہ گزر چکے تھے۔ حالات معمول پر آ کر بھی گھر کے در و بام میں وحشتیں سی بھر گئے تھے۔ اب نہ تو کوئی خوشی تھی اور نہ کسی خوشی کے آنے کی آرزو... اسد نے ایک بار بھی امی سے واپس گھر آنے کو نہیں کہا تھا اور اتنا کہنا تو دور کی بات ہے ،اس نے گھر کے حالات سمجھتے ہوئے بھی رسماً بھی کسی چیز کے بارے میں نہ پوچھا۔ شاویز نے غیر ہوتے ہوئے بھی گھر کے ہونے والے داماد کی حیثیت سے تمام فرائض بخوبی نبھائے۔ مایا کے ابو کی وفات سے لے کر ان کے چالیسویں تک سب انتظامات شاویز نے خود کیے ...

مایا نے ایک پرائیویٹ اسکول جوائن کر لیا۔ وہ صبح جاتی اور دوپہر تین بجے گھر آ جاتی۔

نیہا ڈیلیوری سے فارغ ہوئی، تو اس کو رمیل نے بہت اچھے طریقے سے اس کے والد کی وفات کے بارے میں بتا دیا۔ مگر پھر بھی اس کی حالت اتنی بگڑ گئی کہ اسے ہسپتال میں کچھ دن رکنا پڑا تھا۔

اب مایا کی امی اکثر بیمار رہنے لگی تھیں۔

پورا دن گھر میں تنہا ہونے کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر اس صدمے سے باہر نکل ہی نہ سکی تھیں۔ اکثر نیہا فون کرتی، تو وہ بات کرتے کرتے ہمت چھوڑ بیٹھتیں اور پھر نیہا جو پردیس میں پہلے ہی اس صدمے کو اپنے نومولود بچے کے ساتھ سہہ رہی تھی، ماں کی حالت

جان کر اور ٹوٹ کر رہ جاتی۔ آخر کار کچھ ہفتوں کے بعد وہ اپنے بیٹے اور رمیل کے ساتھ پاکستان آگئی۔ رمیل کو ایک ماہ کی چھٹیاں ہوئیں، تو نیہا کے اصرار پر وہ سب پاکستان آگئے۔

مایا کا گھر ننھے اذان کی کھلکھلاہٹوں سے گونج اٹھا تھا۔ اس گھر میں ایک بار پھر خوشیوں کا سا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ نیہا زیادہ وقت اپنی امی کے پاس گزارتی تھی۔ امی اذان کو گود میں اٹھائے پیار کرتی اور اکثر اس خیال سے رو پڑتی کہ اگر ان کے ابو زندہ ہوتے، تو وہ اپنے نواسے سے کھیل کر کتنا خوش ہوتے۔

یادیں کہاں پیچھا چھوڑتی ہیں اور پھر ان لوگوں کی یادیں جن کے ساتھ اک عمر بتائی ہو، زندگی کے سب دکھ سکھ بانٹے ہوں، ان کے جانے کا صدمہ ایک بار تو جسم سے روح لے ہی جاتا ہے۔ اور پھر یاد آتی ہے، تو ہر چیز سے خود کو منسوب کرتی جاتی ہے۔ انسان بے بس سا کھڑا ہر یاد کا وار اپنے کمزور دل پر سہتا ہے، مگر کر بھی کیا سکتا ہے۔ حالات اور تقدیر کے آگے کسی کا زور نہیں ...

وقت کا کام ہے گزرنا اور وہ یوں ہی گزرتا چلا گیا۔ نیہا، رمیل کے ساتھ اذان کو لیے پھر آسٹریلیا چلی گئی۔ مایا کی ملاقات اکثر شاویز سے ہوتی رہتی تھی۔ وہ دل کی ہر بات اس سے کر کے اپنے دل کا بوجھ بانٹ لیتی تھی۔ شاویز اپنے بزنس میں پھر سے جوش وولولے سے مصروف ہو گیا تھا۔ عبید اپنی جاب کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ انٹر میڈیٹ کے امتحان کی تیاری کرنے لگا۔

دو سال کا عرصہ یوں گزرا کہ کسی کو پتا بھی نہ چلا۔

مایا اکثر آمنہ سے ملتی، تو کبھی آمنہ کچھ وقت کے لیے مایا کے گھر آجاتی۔ حالات بدلتے گئے، مگر دل کے جذبات برف کی طرح وہیں جم چکے تھے۔ شاویز کی محبت سے مایا کا دل اسی طرح بھرپور تھا۔ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود بھی وہ مایا کے لیے وقت نکال ہی لیتا بلکہ یہی کوشش کرتا کہ مایا کو کبھی احساس نہ ہو کہ وہ اسے اپنے بزنس کی وجہ سے نظر انداز کر رہا ہے۔ اس کی کوشش تھی کہ شادی میں مزید کوئی تاخیر نہ ہو۔ مایا کے والد کی وفات کے بعد شاویز نے کوشش کی تھی کہ وہ اپنی امی کو منائے کہ اب اس کی مایا سے شادی کر دی جائے، مگر اس کی والدہ کا موقف تھا کہ تمھیں نہیں لگتا کہ مایا کی امی کو ابھی اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس بات کے بعد شاویز بالکل خاموش ہو گیا تھا، کیوں کہ اسے امی کی بات بالکل درست لگی۔ ویسے بھی وہ جانتا تھا کہ مایا کبھی اس حال میں اپنی امی کو اکیلا چھوڑ کر شادی کے لیے حامی نہیں بھرے گی۔

آمنہ اپنے حالات سے سمجھوتا کر چکی تھی اور گھر والوں کی پسند پہ اپنی رضامندی کی مہر لگا چکی تھی، مگر کہتے ہیں ناں کہ برا ماضی روگ بن جائے، تو سمجھوتے بھی جان کا وبال بن جاتے ہیں۔

آمنہ کی منگنی ہوتے ہی نیہال نے آمنہ سے پھر سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ آمنہ کو کچھ اور نہ سوجھا، تو وہ بلا جھجک مایا کی طرف دوڑی آئی۔ اسے اچھی طرح سے پتا تھا کہ ایسے حالات میں ایک مایا ہی ہے، جو اسے بہتر مشورہ دے سکتی ہے۔ ایک بات تو حقیقت تھی کہ آمنہ کے دل سے نیہال کی محبت پہلے جیسی شدت کی طرح موجود نہیں تھی۔ مگر وہ کیا تھا، کون سا جذبہ تھا کہ وہ اس کے پھر سے رابطہ کرنے پر اسے دوٹوک جواب نہ دے سکی۔ اب وہ نظریں جھکائے مایا کے سامنے بیٹھی تھی۔

"پتا ہے مایا! کسی کے ٹھکرانے کے بعد جب ہم اپنے ٹھکانے کسی اور ہی دنیا میں بنا لیتے ہیں، تو وہ لوگ واپس لوٹ آتے ہیں جن راستوں سے تنہا روتے تڑپتے ہم واپس پہنچتے ہیں۔ وہ پھر سے ہمارے وجود کو انہی راستوں سے گھسیٹتے ہوئے اپنی دنیا میں لے جاتے ہیں... پھر سے وہی چاہ، وہی عشق کہاں رہ جاتا ہے بھلا؟ پھر تو بس پتھر کی مورتیں رہ جاتی ہیں... جذبات سے خالی... پھر چاہے جتنا پوج لو... جان نہیں پڑتی ان میں... پھر چاہے وہ مجسمے دل سے لگاؤ یا سر آنکھوں پر بٹھاؤ... وہ پتھر ہیں... بس پتھر۔۔"

مایا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

" اب میں بھی پتھر ہوں مایا! وہ شخص اب کیوں لوٹ آیا جب میں اس کے ظلم کی عادی ہو گئی ہوں"

آمنہ لگاتار بولتی رہی اور پھر سوالیہ نظروں سے مایا کو دیکھنے لگی۔

"اگر تم پتھر ہو آمنہ! تو کیوں اس کے کچھ میسیجز سے دوڑتی ہوئی میری طرف آئی ہو؟ جب ہر بات کا جواب تمھارے پاس ہے، تو صاف منہ پر جواب کیوں نہیں دیا اسے؟ کتنے سال رلایا ہے اس انسان نے تمھیں... اب تم پھر اسے موقع دینا چاہتی ہو؟ تم جانتی ہو آمنہ! تم حالات سے سمجھوتا کر چکی ہو... کبھی سوچا ہے تم نے کہ اس کا کیا ہوگا جسے تمھارے امی ابو زبان دے چکے ہیں؟"

"مایا! جن رشتوں سے ملی اذیتیں سالوں پر محیط ہوتی ہیں، ان کے زخم بھرنے کے لیے سمجھوتے کی مرہم کار آمد نہیں ہوتی... انھیں زور زبردستی سے کسی نئے در پر پھینک بھی دو ناں! وہ گرتے پڑتے رستہ بھولتے بھٹکتے واپس لوٹ ہی آتے ہیں اپنی اذیت گاہوں کے راستے، وہ کس صورت نہیں بھولتے۔"

آمنہ نے مایا کی طرف ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے بات مکمل کی۔

" آمنہ! تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ پلیز! کھل کر بات کرو۔"

"مایا! میں نے اس انسان کے لیے درد کو آخری حد تک سہا ہے... میں روتی تڑپتی رہی ہوں اور آخر میں سمجھوتے کا زہر پینے کو تیار ہوں ، تو پھر اب وہ کیوں لوٹ کر آیا ہے؟ اور اگر سمجھوتا کرنے سے دل میں دبی خلش فنا ہو سکتی، تو یقین جانو... پھر دنیا میں کوئی ایک انسان بھی اپنی گم شدہ محبت پر رنجیدہ نہ ہوتا... یہ وہ چنگاری ہے، جو دل کے جنگل میں بھڑک جائے، تو انسان چپ چاپ جلتا رہتا ہے یہاں تک کہ راکھ کا ڈھیر ہو جاتا ہے... تم نے پوچھاناں! میں کیا چاہتی ہوں؟ تو مایا! سن لو... میرا وجود بھی کسی راکھ کے ڈھیر سے کم نہیں رہا، لیکن اب میں سکون کی متلاشی ہوں بس! میں نیہال کی آرزو نہیں کرتی، لیکن جو سمجھوتا میں اپنے والدین کی خوشی کے لیے کر رہی ہوں، مجھے اس سے سکون کیوں نہیں ملتا؟"

"تمھیں پتا ہے آمنہ! جن رشتوں میں ایک بار دراڑ پڑ جائے، وہ پھر سے جڑ کے پہلے سے زیادہ نازک ہو جاتے ہیں مکڑی کے جالے کی طرح... جسے ٹوٹنے کے لیے آندھی نہیں بلکہ ہلکا سا جھونکا بھی کافی ہوتا ہے... اور جس طرح سے اس نے تمھیں اتنے سال تکلیف میں دیکھ کر منہ پھیرے رکھا، میں تو کبھی اس انسان پر پھر سے بھروسہ نہ کرنے دوں تمھیں... اگر انسان میں ساتھ نبھانے کے گن نہ ہوں، تو کم از کم اتنی ہمت ضرور ہونی چاہیے کہ ساتھ چلنے والے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے اپنی بزدلی کو تسلیم کرے اور اسے واپس اسی مقام پر چھوڑ کر آئے جہاں سے اس کی آنکھوں پہ محبت کی پٹی باندھ کر سفر کا آغاز کیا تھا... تم سکون چاہتی ہو ناں آمنہ!" مایا اب بات کرتے کرتے کافی سنجیدہ لہجہ اختیار کر چکی تھی۔ "تو پھر کیوں دو کشتیوں میں سوار ہو؟ جب والدین کی خوشی کا ارادہ کر لیا، تو اپنے ٹوٹے خوابوں کو جوڑنے کی آرزو کیوں دل میں آئی، کیوں نیہال کے پہلے میسیجز پر ہی اسے ویسے ہی جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی جو اس نے تمھیں دیے تھے اور دھتکار دیا تھا اپنی زندگی سے۔۔۔

ہم لڑکیاں یہیں سے تو مار کھاتی ہیں آمنہ! انتہائی جذباتی ہو کر لوگوں کے سہارے ڈھونڈتی ہیں اور سہارے بھی وہ جو کئی بار بے سہارا کر گئے ہوں... پتا ہے ایسی حالت میں سب سے اچھا ہوتا ہے کہ بند کمرے میں رو لیا جائے جب تک کمزور کر دینے والے سارے جذبات آنسوؤں میں بہہ نہ جائیں تب تک کسی دوسرے کے کندھے کا سہارا نہیں لینا چاہیے... یوں ہی عادتیں پختہ ہوتی جاتی ہیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دلاسہ دینے والا آپ کی عادت سے ضرورت بن جاتا ہے... میں تو تمھاری دوست ہوں اور ہمیشہ تمھارے لیے

موجود رہوں گی، لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم خود کو اتنا مضبوط کرلو کہ تمھیں میرے کندھے کی بھی ضرورت نہ پڑے اور نیہال جیسے لوگ صرف ایک آزمائش ہوتے ہیں آمنہ! ان کے لیے خود کو مزید آزمائش میں نہیں ڈالتے۔۔"

مایا، آمنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اسے پھر اسی خلوص اور پیار سے سمجھانے لگی جیسے وہ اسے کالج میں اکثر سمجھایا کرتی تھی۔

"پتا ہے آمنہ! اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا ایک کرم یہ بھی ہوتا ہے کہ جب انسان حقیقت کو تسلیم کرکے اس کی رضا میں شامل ہو کے آگے قدم اٹھاتا ہے...اس پہ جو زیادتیاں اور قیامتیں ٹوٹیں، ان سب کا بوجھ اپنے دل سے اتار کے اللہ کی چوکھٹ پہ رکھے اور اپنے حق میں دعا کرے، تو وہ کبھی رد نہیں کرتا بلکہ آگے بڑھ کر اس بکھرے ٹوٹے انسان کو اپنا مضبوط سہارا دیتا ہے...بے شک اللہ ہی ہے محبتوں کا مان رکھنے والا اور بہتر صلہ دینے والا۔۔"

تُمہیں تو چاہئے تھا تم اسے یوں میسج کرتی۔"یہ میرے دکھ یہ ساری اذیتیں، سب ٹھوکریں۔۔۔ تمھاری محبت سے وراثت میں ملی ہیں مجھے۔۔ اور میرے بعد یہ تمہیں ہی لوٹائی جائیں گی۔۔ کیونکہ تم ہی اس وراثت کے اکلوتے وارث ہو۔۔"

دکھ دینے والے کو ہمیشہ احساس گناہ میں رکھنا چاہئے۔۔ یہ لوگ قطاً سکون کے حقدار نہیں۔۔۔

آمنہ چاپ چاپ مایا کی سب باتیں سنتی رہی اور پھر اس کے گلے لگ کر خود کو بہت پرسکون محسوس کرنے لگی۔

"تھینک یو مایا! میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ کیسے تمھیں بتاؤں کہ اس وقت میری کیا فیلنگز ہیں...نیہال نے شاید اتنا پیار نہیں دیا، جتنی تکالیف دی ہیں۔"

بس دعا کرو مایا۔۔ میرے دل کو سکون مل جائے۔۔۔ بس۔۔ کیونکہ۔۔۔

"دل بھی نا جانے کس اجڑے دیس کا بھٹکا راہی ہے مایا۔۔۔ میں اس کے بہلانے کو خوشیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کے لائوں۔۔ تو بھی۔۔ یہ اپنی تنہائی کے ویران ٹھکانوں سے باہر نکلتا ہی نہیں۔۔ لوگ روتے کو ہنسانے کے ہزار طریقے ڈھونڈ لیتے ہیں مگر میرا دل نہ آنسو پونچھنے دیتا ہے نہ خود کو خوشیوں کا ہونے دیتا ہے۔۔۔"

اور پھر آمنہ نے موبائل اٹھایا اور اسی وقت نیہال کا نمبر بلاک لسٹ میں ڈال کر اپنے فون سے ڈیلیٹ کر دیا۔ مایا کو آمنہ کی اس حرکت سے بہت خوشی ہوئی، کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ ہر وہ وجہ ختم کر دینی چاہیے، جو آپ کے حوصلوں کو کمزور کرے۔۔

"ابو کے جانے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ باپ کا ہونا گھنے سائے کی طرح ہوتا ہے... ابو نے ہر طرح کے سرد گرم حالات کی ٹھنڈک اور تپش سے ہمیں بچا کر رکھا... ان کے ہونے سے کبھی زندگی کے کٹھن ہونے کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا... ابھی بھی اگر شاویز نہ ہوتا آمنہ! تو شاید ہم کبھی اس اذیت سے ذرا بھی باہر نہ نکل سکتے۔۔۔

لیکن پھر بھی۔۔ کچھ زخم کبھی نہیں بھرتے۔۔ وقتی طور پہ لگتا ہے کہ انسان نکل آیا ہے ان دل شکن حادثات سے مگر وقت اس قدر ظالم ہوتا ہے کہ پرانے زخموں کو پھر سے کرید جاتا ہے۔۔

مگر شاویز نے پوری طرح ہمارا ساتھ دیا۔۔ اس شخص نے واقعہ ہی میرا ہر درد سمیٹا ہے... آمنہ! ایسے ہوتے ہیں محبت کرنے والے... وہ چاند تارے توڑ کر لانے کا دعویٰ نہیں کرتا، مگر چاند تاروں سے دامن بھر دیتا ہے... تم جانتی ہو آمنہ! جو محبت فلک سے چاند تارے توڑ لانے کے جذبات جھولی میں ڈالتی ہے ناں! وہ جاتے ہوئے سر سے آسمان تک کھینچ کے لے جاتی ہے... اس لیے میں بھی شاویز سے کچھ امید نہیں رکھتی کہ وہ بڑے بڑے وعوے کرے مجھ سے، کیوں کہ جس دن وہ اپنی حیثیت سے بڑے دعوے کرے گا، میرا دل یقیناً اس دن کسی ان جانی فکر میں مبتلا ہو جائے گا

"مایا! میں تو کہتی ہوں کہ اب تم لوگوں کو شادی کر لینی چاہیے... دو سال سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے... اتنا عرصہ منگنی رکھنا بھی اچھا نہیں ہوتا..." آمنہ نے مایا کو خبر دار کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں آمنہ! بس اگلے سال ارادہ ہے۔ شاویز کے کچھ کام ہیں، وہ ہو جائیں اور پھر اس کے بھائی بھی انگلینڈ سے واپس آجائیں، اس لیے آنٹی نے منگنی کرتے ہوئے دو، تین سال کا وقت لیا تھا اور ویسے بھی آمنہ! مجھے شاویز پر اعتبار ہے۔۔"

"شاویز کی امی سے یاد آیا مایا! کبھی دیکھا نہیں انھیں تمھارے گھر یا پھر فون پر بات کرتی ہیں"

مایا کچھ دیر خاموش رہی، پھر بولی۔

"ہاں! وہ آنٹی کچھ بزی رہتی ہیں... شاویز نے بتایا تھا کی انھوں نے کسی نیو این جی او کو جوائن کر لیا ہے"

"پھر بھی مایا! کبھی فون پر ہی سلام دعا کر لیتا ہے انسان... ان کا رویہ تو ٹھیک ہے ناں تم سے؟"

"ارے آمنہ! تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو... ظاہری بات ہے، وہ خوش ہیں، تو منگنی ہوئی ہے... چلو چھوڑو! یہ بتاؤ... آنٹی کی طبیعت آج کل کیسی ہے... وہ تو تمھاری شادی کے لیے بہت خوش ہوں گی... یہ اچھا ہے کہ آمنہ! اگلے سال ڈائریکٹ شادی کی تاریخ رکھی ہے۔۔۔"

کچھ دیر مایا اور آمنہ نے یوں ہی ادھر ادھر کی مزید باتیں کیں اور پھر آمنہ گھر واپس آ گئی۔

☆☆☆

"ماما! کیا سوچا ہے آپ نے پھر شاویز کی شادی کے بارے میں... تین سال تو ہونے والے ہیں اب تو ماشاء اللہ شاویز نے بھی کافی محنت کر کے بہت اچھا بزنس اسٹیبلش کر لیا ہے۔" ارمینہ ڈرائیو کرتے ہوئے ساتھ والی فرنٹ سیٹ پر بیٹھیں اپنی والدہ سے مخاطب تھی۔

ابھی تو میں نے کچھ نہیں سوچا اس بارے میں... سچ بتاؤں ارمینہ! تو وہ لڑکی مجھے کبھی بھی شاویز کے جوڑ کی نہیں لگی... پتا نہیں کیا سوچ کر پسند کیا تھا اس لڑکے نے اسے۔۔۔"

چہرے پہ ناگواری کے تاثرات لاتے ہوئے انھوں نے ارمینہ کی بات کا جواب دیا۔

"لیکن ماما! اب تو بات ہو گئی ہے... آپ نے خود ان دونوں کی منگنی طے کی ہے"

منگنی تو کی ہے، لیکن مجھے روز روز شاویز کا مایا کے گھر جانا بھی ٹھیک نہیں لگتا اور پتا نہیں کس قسم کا خاندان ہے کہ اس کی ماں نے بھی کبھی منع نہیں کیا... ایسے گھر میں کیسے رشتہ جوڑوں ارمینہ! ابھی تو میں کچھ مزید وقت دیکھوں گی... تم دیکھنا یہ لڑکا خود اپنا ارادہ بدل لے گا... عشق کا بھوت اتر جاتا ہے خاص کر جب روز میل ملاپ کا سلسلہ شروع ہو جائے... مجھے تو وہ بچی زمل رہ رہ کر یاد آتی ہے... کتنی پڑھی لکھی اور اچھے خاندان کی ہے... ابھی تک اس کی کہیں بات نہیں چلی... میں اکثر سوچتی ہوں کہ شفق سے بات کروں۔۔"

"امی! شاویز کو آپ جانتی ہیں اور اس کی محبت سے بھی واقف ہیں... اسے آپ کے ارادے کی ذرا بھنک بھی پڑ گئی، تو وہ لڑکا پھر سے اپنی صحت خراب کر کے بیٹھ جائے گا..." ارمینہ نے احتیاط سے موڑ کاٹتے ہوئے مزید تفصیل سے بات کی۔

"اوہ ہو...! اسے کیسے پتا چلے گا... بات تو میرے اور تمھارے بیچ ہو رہی ہے ناں! اور ویسے بھی میں نے شامیر سے بات کی تھی اس بارے میں... تمھیں اپنے بھائیوں کا اچھی طرح پتا ہے ارمینہ! کوئی بھی شاویز کے اس فیصلے سے خوش نہیں ہے، اس لیے ہم سب کوشش کریں گے کہ شاویز کو محسوس کرائے بغیر ہی بہتر فیصلے پر رضامند کریں۔۔"

"ماما! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں... وہ لڑکی اور اس کا رہن سہن کسی طرح سے بھی ہم لوگوں کے لیول میں اٹھنے بیٹھنے والا نہیں ہے... پتا نہیں کیا سوچا ہے شاویز نے اور اپنے ابو کی وفات کے بعد تو وہ اپنا خیال بھی بالکل نہیں رکھ رہی... اسکول کی آٹھ دس ہزار کی نوکری کرکے وہ کیا ثابت کرنا چاہتی ہے، مجھے تو اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی۔۔"

"ارمینہ! جوان بھائی نے باپ کے فوت ہونے پر بھی اپنی امی اور بہن کو گھر میں نہیں رکھا، اسی سے اندازہ لگالو کہ یہ لوگ کس طرح کے ہیں... بہن نوکریاں کرتی پھر رہی ہے... میرا تو دماغ پھٹتا ہے ایسی باتیں سوچ سوچ کر۔۔"

" چھوڑیں ماما! ابھی فی الحال یہ کوشش کریں کہ شاویز جتنا دور رہے مایا سے، اتنا ہی اچھا ہے"

"ہاں! شامیر نے بتایا تو تھا کہ دوبئی جانا پڑے گا شاویز کو اگلے ہفتے، کیوں کہ دانیال نے کوئی بڑی اسامی دیکھ رکھی ہے... ان کے مرینہ اپارٹمنٹ کے لیے۔۔"

ارمینہ نے گاڑی گیراج میں پارک کرتے ہوئے امی کو ہدایت کی۔

" شاویز سے اس موضوع پر فی الحال کوئی بات نہ کی جائے"

" ٹھیک ہے۔"

پھر وہ گھر میں داخل ہو گئیں۔

☆☆☆

اگلے کچھ روز شاویز آفس میں کافی مصروفیات کے باوجود مایا سے رابطے میں رہا اور ساتھ ہی ساتھ دوبئی جانے کی تیاریاں بھی کرتا رہا... دانیال کی طرف سے اسے بھی جلدی آنے کی اطلاع موصول ہو چکی تھی اور وہ باتوں ہی باتوں میں مایا کو بتا چکا تھا۔

سب کچھ بہت اچھے طریقے سے چل رہا تھا، کیوں کہ شاویز کی کوشش یہی تھی کہ وہ اتنی محنت کرے کہ اپنے ذاتی اکاؤنٹ سے دوبئی میں کم از کم ایک اپارٹمنٹ خرید سکے اور اس کے لیے اس کی آئیڈیل جگہ یا تو مرینہ تھی اور یا پھر پام جمیرا۔۔۔

پام جمیرا کے ریٹس سب سے ہائی تھے، مگر دوبئی کی بڑھتی ہوئی پراپرٹی ویلیوز میں شاویز کے لیے انویسٹمنٹ کا سب سے بڑا پلان تھا اور اس کے لیے وہ پچھلے کئی سالوں سے تگ و دو میں لگا ہوا تھا۔ مایا اس کے اس پلان سے اچھی طرح واقف تھی اور ہمیشہ اس کی حوصلہ افزائی کرتی... اسے شاویز کی محنت اور ایمان داری پر پورا بھروسا تھا۔

ادھر مایا کی امی کی شدید خواہش تھی کہ اپنے جیتے جی وہ مایا کا گھر بستا ہوا دیکھ لیں۔ اور یہ تو ہر جوان لڑکی کی ماں کی خواہش ہوتی ہے، لیکن مایا کا دھیان ہر وقت اپنی امی پر لگا رہتا۔ وہ جب کبھی تصور بھی کرتی کہ انھیں چھوڑ کر جانا ہے، تو نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھیں بھر آتیں۔ وہ شاویز سے بے پناہ محبت کے باوجود اپنی امی کو اکیلا چھوڑ کر جانے کے خوف سے ہی کانپ اٹھتی تھی۔ ابو کی وفات کے بعد مایا کچھ زیادہ ہی حساس ہو گئی تھی۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا شاویز کو دوبئی گئے ہوئے دوسرا ہفتہ تھا اور مایا اس کے جانے سے لے کر اب تک ایک ایک دن گن کر گزار رہی تھی۔ منگنی کے بعد یہ پہلی بار ہوا تھا کہ شاویز اس سے اتنی دیر کے لیے جدا ہوا تھا۔ مایا جانتی تھی کہ اگر وہ شاویز کو ایک بار بھی کہے گی، تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس لوٹ آئے گا، لیکن وہ شاویز کو زندگی کے ہر میدان میں کامیاب دیکھنا چاہتی تھی، اس لیے حوصلے سے کام لے رہی تھی۔

☆☆☆

شاویز دن بھر کے کاموں کے بعد شام ہوتے ہی اپارٹمنٹ میں آتا، تو سب سے پہلا کام ہی یہ کرتا کہ مایا سے کم از کم ایک گھنٹا بات کرتا اور اسے پورے دن کی تفصیل بتاتا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے پلان کے جلد پورا ہونے کی امید بھی ظاہر کرتا... محنت اور لگن دیر سے سہی، لیکن رنگ ضرور لاتی ہے۔ اس روز بھی وہ مایا سے فون پر بات کر رہا تھا۔

مایا ضرورت سے زیادہ خاموش تھی۔ شاویز کو مایا کی اس غیر معمولی خاموشی سے فکر لاحق ہو گئی۔

"کیا بات ہے مایا! تم اتنی چپ کیوں ہو آج؟ کوئی پریشانی ہے کیا؟ پلیز! مجھے جلدی بتاؤ۔۔۔"

مایانے گہرا سانس لیا اور خاموشی کی طویل کیفیت سے باہر نکلتے ہوئے بولی۔

"شاویز! امی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے... وہ میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جانے کو بھی تیار نہیں ہیں... مجھے ان کی طرف سے بہت پریشانی ہے۔۔۔"

"اچھا! کیا ہوا آنٹی کو؟ تم پلیز! انھیں جلدی سے کسی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ... میں ارمینہ سے کہتا ہوں کہ وہ ڈرائیور کو گاڑی دے کر بھیجے۔"

"ارے نہیں... نہیں! میں اور عبید لے جائیں گے... تم کسی سے مت کہنا۔ انھیں اکثر بخار رہنے لگا ہے اور اب آہستہ آہستہ مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے ان کا پیٹ پھول رہا ہے... میں نہیں جانتی شاویز! یہ کون سا میرا اگلا امتحان ہے، لیکن میرا دل بہت خوف زدہ ہے... پلیز! تم دعا کرو۔۔"

"تمھیں پتا ہے ناں مایا! کہ آنٹی نے انکل کا گہرا صدمہ لیا ہے... تم کوشش کرو کہ انھیں کچھ وقت روزانہ دیا کرو... اسکول سے چھٹی لے لو چند دن۔۔۔"

"ہاں شاویز! جانتی ہوں کہ وہ ابو کو بہت یاد کرتی ہیں... بھوک تو بالکل ان کی ختم ہو چکی ہے... ہر وقت معدے کی شکایت رہنے لگی ہے اور اب پیٹ کا پھولنا... یہ میرے لیے بہت تشویش کا سبب ہے اور کل تو میں انھیں ہر حال میں ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی..." مایا بات کرتے کرتے اداس ہو گئی۔ "پتا ہے شاویز! ابو میرے خواب میں بھی نہیں آتے... میں انھیں اتنا تو یاد کرتی ہوں... وہ شاید مجھے بھول گئے ہیں... اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر۔۔۔"

" حوصلہ کرو مایا! میں بھی تو ہوں ناں! تمھاری اور میری تکلیف ایک ہی جیسی ہے "

"شاویز! بہت بڑا حوصلہ چاہیے ہوتا ہے ان لوگوں کی یادوں کو جھیلنے کا، جنھیں انسان پیچھے مڑ کے نہ دیکھ سکتا ہو... نہ صدا دے کر بلا سکتا ہو... وہ ساری حدیں، سارے رشتے توڑ کے کسی اور نگر میں بس جاتے ہیں... جہاں سے وہ ہمیں دیکھ ہی نہیں پاتے یا شاید دیکھنا ہی نہیں چاہتے۔"

"ایسا نہیں ہے مایا! وہ کیوں دیکھنا نہیں چاہیں گے... وہ ہمیں دیکھتے ہیں... وہ ہمارے ساتھ ہیں... بس! تم محسوس کر کے دیکھو۔ چلو! اب اپنے آنسو پونچھ لو... تمھیں پتا ہے ناں! کہ میں تمھیں روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا... ورنہ! ابھی پہلی فلائٹ پکڑ کر آ جاؤں گا۔"

مایا نے دوپٹے سے آنسو پونچھے اور موبائل کان سے دوبارہ لگا لیا۔

"تمھیں پتا ہے شاویز! اسد بھائی کا رویہ ہمیشہ سے ہی ہم سب کے لیے تکلیف دہ رہا ہے اور اب جب اتنا کچھ ہو گیا، پھر بھی ان کے دل میں خدا کا ذرا سا بھی خوف پیدا نہیں ہوا... امی کی حالت سے بھی وہ واقف ہیں... دکھ ہوتا ہے یہ سب دیکھ کر۔۔۔"

جنھیں دنیا نے ٹھوکروں میں رکھا ہو ناں! ان کے لیے ماں باپ کا سہارا بہت بڑا سہارا ہوتا ہے... جب اولاد شکستہ وجود لیے تھکے ہارے گھر لوٹتی ہے، تو ماں کا سر پر ہاتھ پھیر دینا ہی جلتے سلگتے وجود کی تپش کو ٹھنڈک میں بدل دیتا ہے اور پھر جن کی کل پونجی اپنے امی ابو ہوں، وہ اولاد ان کے کانٹے چبھنے کی تکلیف سے بھی تڑپ ہی جائے گی ناں! ابو کی تکلیف کا تو میں ٹھیک سے اندازہ بھی نہ کر پائی اور وہ چھوڑ کر چلے گئے، لیکن اب امی کے لیے میرا دل پھٹتا ہے، خوف زدہ رہتا ہے اور آج کل وہ کس کرب سے گزر رہی ہیں، مجھ سے وہ دیکھا نہیں جاتا شاویز! ہر وقت میرا دھیان ان کی طرف لگا رہتا ہے

"ان شاء اللہ! سب ٹھیک ہو جائے گا، بس! تم سب سے پہلے انھیں ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ میں تمھیں اسی ہسپتال میں اپائنٹمنٹ لے دیتا ہوں، جہاں ایک بار انکل کو بھی ایڈمٹ کروایا تھا۔"

"ٹھیک ہے شاویز! ٹھیک ہے، مجھے بتا دینا وقت... اب میں فون رکھتی ہوں... تم اپنا خیال رکھنا"

اگلے روز مایا، عبید کے ساتھ مل کر امی کو ہسپتال لے گئی۔ ان کے وہاں کچھ ضروری ٹیسٹ ہوئے۔ وہیں امی بار بار اسد کا نام لے کر رونے لگیں۔ ماں کا دل تو ویسے بھی نازک ہوتا ہے، اولاد چاہے کتنی ہی پتھر دل کیوں نہ ہو؟ مایا نے اسد کو فون پر ساری صورت حال سے آگاہ کیا، تو اس نے اپنے مصروف شیڈول کا بہانہ بنا کر جلد آنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔ مایا نے اپنی ناگواری کو چھپاتے ہوئے امی کو حوصلہ دیا کہ وہ آ جائے گا۔

کتنی گھناؤنی ہوتی ہے کبھی کبھی کچھ رشتوں کی حقیقت... انسان خوف زدہ ہو جاتا ہے ان کا اصل روپ دیکھ کر ۔۔۔

کچھ ہی دیر کے بعد ان کے تمام تر ٹیسٹ کی رپورٹس آچکی تھیں۔ڈاکٹر چوں کہ شاویز کا دوست بھی تھا،اس لیے اس نے پہلے شاویز کو تمام تر حقیقت سے آگاہ کیا۔

شاویز نے مایا کو فون کر کے تسلی دی کہ کچھ سیریس نہیں ہے،تم آنٹی کو گھر لے جاؤ،میں شام کی فلائٹ سے گھر پہنچ رہا ہوں۔

اب مایا کو شک ہوا کہ شاویز کا تو اگلا پورا ہفتہ واپس آنے کا ارادہ نہیں تھا اور اب وہ اتنا اچانک واپس کیوں آرہا ہے۔اس کا یوں اچانک آنا کسی خطرے کی علامت تھا۔امی کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔وہ کچھ بھی کھاتیں،تو قے کر دیتی تھیں۔خوراک کا ایک زرا بھی ان کے پیٹ میں نہیں ٹک رہا تھا اور پیٹ کافی تیزی سے پھولتا جا رہا تھا۔

شام ہوئی تو شاویز بھی سیدھا ایئرپورٹ سے اس کے گھر پہنچ گیا۔اس نے فون پر اپنی امی کو سارے حالات سے آگاہ کر دیا تھا۔وہ وہاں پہنچا،تو پتا چلا کہ مایا کی امی تکلیف کی وجہ سے بے سدھ پڑی تھیں۔مایا اور عبید پریشانی کے عالم میں ان کے پاس بیٹھے تھے۔ان کی آنکھوں سے آنسو بے اختیار بہہ رہے تھے امی جس اذیت سے گزر رہی تھیں،اس کا اندازہ ان کے چہرے کے تاثرات سے باخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

شاویز نے آتے ہی مایا اور عبید کو حوصلہ دیا۔اتنی دیر میں شاویز کی ماما اور ارمینہ بھی وہیں پہنچ گئیں۔یہ دیکھ کر مایا کے ہوش اڑ گئے۔اب اسے سو فی صد یقین ہو چکا تھا کہ رپورٹس میں گڑبڑ تھی۔وہ بار بار شاویز سے اس بارے میں پوچھنے لگی۔

شاویز کی امی نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"مایا!حوصلہ کرو"

مایا کی امی کا ہیپاٹائٹس آخری اسٹیج پر تھا۔کچھ سال پہلے انھیں یرقان ہوا تھا،جو کہ مکمل طور پر ان کے جسم سے ذائل نہیں ہو سکا تھا اور اب اس کے اثرات پوری طرح ان کے جگر میں انفیکشن پیدا کر چکے تھے جس کی وجہ سے ان کے پیٹ میں پانی پڑ چکا تھا۔

شاویز انھیں فوراً ہسپتال لے گیا۔ڈاکٹر کے مطابق ان کے پاس وقت بہت ہی کم تھا،پھر بھی وہ اپنی طرف سے کوشش کر رہے تھے کہ ان کی آخری سانسوں کا دورانیہ کچھ طویل ہو جائے اور ان کی یہ تکلیف کم ہو جائے۔تکلیفیں بھی ایک کے بعد ایک اسی انسان پر

ٹوٹتی ہیں جس کی آزمائش ہر رشتے میں بار بار ہوتی ہے، جب تک کہ وہ آزمائشوں کو سر جھکائے خاموشی سے تسلیم نہیں کرلیتا...برا وقت جان ہی نہیں چھوڑتا

امی کی یہ حالت دیکھ کر مایا کو بالکل چپ لگ گئی تھی۔ وہ اندر ہی اندر سسک کر رو رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ چیخ چیخ کر کر پوچھے کہ آخر میرے ہی اتنے امتحان کیوں؟

اسد بھی لوگوں کی باتوں سے بچنے کے لیے ہسپتال پہنچ گیا۔ امی کو اس حالت میں دیکھ کر ایک بار تو اس کا کلیجہ بھی منہ کو آگیا تھا۔ وہ بے ہوش پڑیں امی کے پاؤں سے لپٹ کر رونے لگا، لیکن کبھی کبھی بہت دیر ہو جاتی ہے اور ندامت کسی کام کی نہیں ہوتی۔ وہ ضرور انسان کو احساسِ گناہ میں چھوڑ کر عمر بھر پچھتاوے کی آگ میں جھلساتی رہتی ہے۔

نیہا اور رمیل کو بھی اطلاع کر دی تھی۔ رمیل چوں کہ کچھ عرصہ پہلے ہی چھٹی کاٹ کر یہاں سے جا چکا تھا اور کمپنی سے مزید نہ چھٹی ملنے کی وجہ سے اس نے نیہا اور اذان کو پاکستان بھیج دیا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ دن بھی آگیا کہ جس دن مایا کی امی کو ڈاکٹرز نے مکمل طور جواب دے دیا تھا۔ اب ان کی سخت ترین تکلیف کے دن شروع ہو چکے تھے اور مایا اور نیہا کی روحیں یہ سوچ کر کانپ اٹھتی تھیں کہ جانے کس وقت ان کی امی بھی ان سے ہمیشہ کے لیے جدا نہ ہو جائے۔

انسان ان لمحات میں کتنا بے بس ہوتا ہے۔ چاہ کر بھی جان سے عزیز رشتوں کی تکلیف دور نہیں کر سکتا۔ اسد، عبید، نیہا اور مایا...ان سب کی عزیز ترین ہستی...وہ بے غرض اور بے لوث چاہتیں لٹانے والی، سبھی جذبوں کو ساتھ لیے ان سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئیں۔ ان کا سب کچھ لٹ چکا تھا۔ سب اپنے ہوش و حواس کھو چکے تھے۔ انھیں تو سب یہ خواب لگ رہا تھا کہ انھوں نے اپنی امی کو منوں مٹی تلے دبا دیا تھا اور اب وہ ان کا چہرہ دیکھنے کی حسرت ہی کر سکتے تھے، کیوں کہ اب وہ لوٹ کر واپس نہیں آسکتی تھیں۔

اسد، مایا اور عبید کو اپنے گھر لے گیا۔ کچھ عرصے بعد رسمی طور پر آنے والے عزیز و اقارب بھی رک گئے تھے اور نیہا کب تک یہاں رہتی، وہ بھی آسٹریلیا واپس چلی گئی۔

مایاپورادن گھر میں اسی اپنے پرانے کمرے کی دیواروں کو گھورتی رہتی۔ کہتے ہیں ناں! کہ جب زندگی چن چن کے سب خوشیاں واپس سمیٹ لے، تو پھر دکھ راس آجاتے ہیں، کیوں کہ ان سے ایک انجانا سا سکون وابستہ ہو جاتا ہے۔

شاویز وقتاً فوقتاً مایا سے فون پر رابطے میں رہتا، مگر وہ پہلے کی طرح سے اس سے مل نہیں سکتا تھا۔ کچھ وقت گزرا، تو مایا نے اسکول کی ملازمت دوبارہ شروع کر دی۔

شاویز نے اپنی امی سے مایا کے متعلق پھر سے بات کرنا چاہی، تو انھوں نے اسے اتنے اچھے طریقے سے تسلی دی کہ وہ پر سکون ہو گیا۔

”شاویز! تم اپنے دوبئی والے ڈریم پراجیکٹ کو حاصل کرو... جس دن وہ حاصل ہو گیا، ہم تمھیں تحفے میں مایا دے دیں گے... ویسے بھی وہ میری بچیوں کی طرح ہے، تم بے فکر ہو کر اپنے کام پر دھیان دو... میں خود اس کا خیال رکھوں گی... تم فکر مت کرو۔“

شاویز نے خوشی سے امی کو گلے سے لگا لیا۔ اب وہ مزید جدوجہد کرنے لگا۔ اس کے اکاؤنٹ میں اب اتنی سیونگ ہو چکی تھی کہ وہ آرام سے دوبئی میں اپنی منتخب کردہ جگہ پر ایک خوب صورت ولا خرید سکتا تھا اور دانیال اس کے لیے کافی اچھے آپشنز پر ورک آؤٹ کر رہا تھا۔

مایا مکمل طور پر بدل چکی تھی۔ وہ ہنسی مذاق اور کھلکھلاہٹیں سب کچھ بھول چکی تھی۔ آہستہ آہستہ ردا کا رویہ بھی سرد ہوتا چلا گیا۔ مایا کی تنخواہ کا ایک بڑا حصہ اسد اور ردا کی نظر ہو رہا تھا تاکہ گھر کے اخراجات میں اس کا حصہ بھی شامل ہو سکے۔ ان کا عبید کے ساتھ بھی یہی رویہ تھا۔ اس کی معمولی سی تنخواہ میں بھی اس کی بھابھی گھر کے حالات کا رونا رو کر کچھ نہ کچھ بٹور ہی لیتی تھی۔

مایا چپ چاپ سہتی رہی۔ گھر کا سکون تو تب ہی چلا گیا تھا جس دن اس کے والدین اس دنیا سے چلے گئے تھے۔ اسد کے گھر کی فضا میں اجنبی سا پن تھا، لیکن مایا کس سے گلہ کرتی اور گلا کرنے کے لیے تھا بھی کون۔۔۔

اسکول سے تھکی ہاری گھر آتی، تو آگے گھر کے ڈھیروں کام رداس کے لیے نکالے کھڑی ہوتیں، لیکن مایا خاموشی سے سر جھکائے چپ چاپ کرتی رہتی۔ اسے اچھی طرح سے اندازہ تھا کہ اب اس کے نخرے اٹھانے والے اس دنیا میں نہیں رہے تھے۔ وہ ہستیاں چلی گئی تھیں، جو انکار سن کر بھی مسکراتے ہوئے گلے سے لگا لیتی تھیں۔ وہ اب آس پاس موجود نہیں ہیں۔ اب تو بس بے فیض سے سہارے ہیں، انھیں کسی کی تھکاوٹ یا ٹوٹتے بدن کا کچھ احساس نہیں ہے۔ انھیں اس بات کی بالکل پروا نہیں ہے کہ اس نے کھانا بھی

کھایا ہے یا نہیں۔ بس! ان کے مطلب پورے ہوتے رہیں، تو پھر سب خوش تھے۔

مایا چاہ کر بھی یہ سب کچھ شاویز سے شیئر نہ کرتی، کیوں کہ وہ ہمدردی کے دو بول بولتا، تو مایا کی تکلیف میں اضافہ ہو جاتا، اس لیے وہ خاموش رہتی۔

رات کو تھکی ہاری بستر پر لیٹتی، تو آنکھیں اشکوں سے تر ہو جاتیں۔ جب وہ اپنے دل سے اپنی ساری باتیں شیئر کرتی، کبھی بہت بوجھ بڑھ جاتا، تو اپنے امی ابو کے چہرے سامنے لا کر گھنٹوں ان سے باتیں کرتی رہتی۔ وہ شاویز کو اپنی تکلیف کے بارے میں بتا کر اپنی محبت کی توہین سمجھتی تھی۔ وہ اس کا دل ہی دل میں انتظار کرنے لگی، کیوں کہ اسد اور ردا کے رویے کا شاویز کو بہت اچھی طرح سے علم تھا۔ اب وہ مایا کو کیسے ان حالات میں اکیلا چھوڑ سکتا تھا۔ مایا کو شاویز کے بزنس اور اس کی ساری کمٹمنٹ کا اندازہ تھا، اس لیے وہ اسے زیادہ ڈسٹرب نہیں کرتی تھی۔

وہ جب بھی فون کرتا، مایا اس سے بڑے اچھے طریقے سے بات کرتی۔ اسے جھوٹی کہانیاں گھڑ کر سناتی تا کہ اسے نہ لگے کہ مایا تنگ ہے اور اس سوچ میں وہ اپنے پلان کو کہیں نظر انداز نہ کر بیٹھے۔

عبید اور مایا کی تنخواہوں سے ردا اور اسد نے اپنے گھر کے اخراجات کا نظام بہت اچھے طریقے چلا لیا تھا اور اسد کی تنخواہ مکمل طور پر اس کے سیونگ اکاؤنٹ میں ڈیپازٹ ہوتی رہی۔ وہ دونوں ہی اس سے بہت خوش تھے۔ وہ اپنے لالچ سے باز آنے والے نہیں تھے ۔مایا دن بدن ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہوتی جا رہی تھی۔ اسے پتا چل چکا تھا کہ گھر اور مکان میں فرق بڑا واضح ہوتا ہے۔۔

جہاں آپ کا وجود ایک کونے میں پڑے اضافی سامان کا سا ہو، تو سمجھ لینا چاہیے کہ آپ گھر میں نہیں کسی مکان میں رہ رہے ہیں۔ اس گھر میں مایا کی حیثیت بھی اضافی سامان کی سی تھی اور وہ اس مکان کی چار دیواری میں اپنی زندگی کے دن، مجبوری کی حالت میں گزار رہی تھی۔

☆☆☆

یوں ہی وقت گزرتا گیا اور آخر اگلے ایک سال کے عرصے میں شاویز نے اپنے تمام تر مقاصد اور ٹارگٹس حاصل کر لیے تھے۔ اب اسے انتظار تھا، تو صرف مایا کو اپنے گھر لانے اور اس کے ساتھ زندگی بتانے کا۔

وہ یہی آرزو لیے خوشی خوشی گھر پہنچا، تو شاویز کی امی اس کے ارادے سے پہلے ہی واقف تھیں۔ گھر کا کوئی بھی فرد شاویز کی اس خوشی میں اس کے ساتھ نہیں تھا، مگر سب سے بڑی دکھ کی بات یہ تھی کہ وہ کسی کے ارادے پہچان نہیں سکا تھا، کیوں کہ اس کے دل میں رتی برابر بھی شک نہیں تھا۔

اب مایا دل و جان سے اس کی منتظر تھی، کیوں کہ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے لڑتے لڑتے وہ تھک چکی تھی، لیکن زندگی بھی جان بوجھ کر ہنستے کھیلتے، جیتے جاگتے انسان کو جب تک زندہ درگور نہ کر دے، اسے چین کہاں آتا ہے۔

شاویز، امی کی منت سماجت کر کے آخر منا کر مایا کے گھر لے ہی آیا، جہاں ردا اور اسد کا رویہ سوچ سے بالکل برعکس نکلا۔ کون بے وقوف ہے، جو گھر آتے مفت کے مال کو جانے دے۔ وہ مایا کی کمائی سے بہت سے پلان بنا چکے تھے اور کم از کم اگلے دو سال تو وہ اس کی کمائی کو اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے تھے۔ شاویز کی والدہ تو پہلے ہی ایسے موقعے کی تلاش میں تھیں۔

جب اسد نے مزید دو سال کا وقت مانگا کہ وہ مایا کی شادی دھوم دھام سے کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے اسے کم از کم دو سال کا عرصہ درکار ہے۔ یہ سن کر شاویز کا دل چاہا کہ وہ اصرار کرے، مگر اس کی امی نے اسے آنکھ کے اشارے سے خاموش رہنے کو کہا۔ شاویز کو لگا کہ وہ خود اصرار کریں گی، مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ ہنسی خوشی راضی ہو گئیں اور اسد کا مایا کے لیے محبت بھرا جذبہ انھیں قابلِ ستائش لگا۔

مایا دیوار کی اوٹ سے یہ سب کچھ سن رہی تھی۔ وہ لگاتار آنسو بہاتی چلی گئی اور تڑپتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بھاگی، برداشت کی حد ختم ہو چکی تھی۔

اب تو وہ رستہ بھی بند ہوتا دکھائی دے رہا تھا جس کی آس پہ وہ سب کچھ ایک طویل عرصے سے برداشت کر رہی تھی۔

☆☆☆

"ماما جانی! آپ نے اصرار کیوں نہیں کیا... کیوں نہیں کہا کہ ہمیں کچھ نہیں چاہیے؟ بس مایا کا نکاح میرے ساتھ پڑھوا دیں... آپ کو یہ کہنا چاہیے تھا۔" شاویز نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے برہم سے لہجے میں بات کی۔

"شاویز! یہ جو اسد کے طبقے کے لوگ ہوتے ہیں ناں! ان کی خواہشوں کا احترام کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ اسے اپنی بہن سے کتنی محبت ہے... وہ کتنے ارمان سے سب تیاریاں کرنا چاہتا ہے... بیٹا! اس لیے جلد بازی اچھی نہیں۔۔"

"ماما جانی! جلدی کہاں ہے... مایا سے منگنی کو ہوئے چار سال ہونے والے ہیں"

"تو... اس کی کون سی عمر گزری جا رہی ہے... زیادہ سے زیادہ بھی اس کی عمر چوبیس سال ہو گی"

"ماما جانی! بات عمر کی نہیں ہے... بس! اب میں سیٹل ہو چکا ہوں... میں چاہتا ہوں کہ میری بھی اب فیملی ہو"

"شاویز بیٹا! تمھیں کیا ہو گیا ہے... میرا قصور تو نہیں ہے... خود اس کے بھائی نے وقت مانگا ہے... میں تو تمھارے صرف ایک بار کہنے سے اٹھ کر آ گئی تھی اور کیا کروں میں... تم کہتے ہو، تو ان کی منت سماجت کر لیتی ہوں..." وہ غصیلے لہجے میں بولیں۔

شاویز کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا۔ اس نے فوراً گاڑی سڑک کے ایک کنارے پارک کی اور اپنی امی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"نہیں... نہیں ماما جانی! میں نے تو ایسا نہیں کہا ہے... آپ کیوں کریں گی ایسا کچھ... آپ سے بڑھ کر میرے لیے کچھ نہیں ہے... انھیں وقت چاہیے، تو ہم دے دیں گے... میں مایا کا انتظار کر لوں گا ماما جانی!۔۔"

انہوں نے اسے گھور کر دیکھا اور بولیں۔

"پھر تم ایسا کرو کہ اتنا عرصہ اپنے بھائیوں کے پاس برمنگھم چلے جاؤ اور وہیں ان کے پاس رہو"

"نہیں ماما جانی! میں مایا سے دور نہیں جا سکتا۔"

"شاویز! میں ہوں ناں! میں اس کا خیال رکھوں گی اور کل میری شامیر سے بات ہوئی تھی... وہ کچھ بزنس کی وجہ سے پریشان تھا..."

"بھائیوں کو تمھاری مدد کی ضرورت ہے... بیٹا! اور اس طرح تمھارا وقت بھی جلدی گزر جائے گا۔

"ماما جانی! میں فی الحال اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا... بعد میں سوچوں گا... اگلے ہفتے مجھے دوبئی جانا ہے، میرے پام جمیرا والے ولا کے پیپرز ریڈی ہیں... میں اس کے بعد دیکھوں گا کہ کیا کرنا ہے۔

اس کی والدہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆☆

اس دن شاویز بہت پریشان تھا۔ وہ بار بار مایا کا نمبر ملا رہا تھا، مگر وہ مسلسل بند جا رہا تھا۔ اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر اس نے عبید کے نمبر پر کال۔ کچھ دیر کال جانے کے بعد نو آنسر کی رکارڈنگ چلنے لگی۔

اب تو شاویز کی پریشانی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، اس نے گاڑی نکالی اور مایا کے گھر کی طرف چل پڑا۔ وہ بہت تیز رفتاری سے ڈرائیو کر رہا تھا کہ اچانک اسے عبید نے کال کی۔

"بھائی... سوری! آپ کی کال کا پتا نہیں چل سکا... میں راستے میں تھا، ابھی ابھی گھر پہنچا ہوں۔"

شاویز نے گاڑی ایک طرف لگائی اور عبید سے سلام دعا کے بعد مایا کے بارے میں پوچھا۔

"میں کافی دیر سے اس کا نمبر ملا رہا ہوں، مگر شاید اس نے بند کر رکھا ہے... عبید! آپ دیکھ کر بتائیں کہ وہ ٹھیک تو ہے ناں؟ مجھے فکر ہو رہی تھی۔۔۔"

"جی بھائی! ایک سیکنڈ... میں دیکھتا ہوں۔"

"آپ پلیز! اسے کہیں کہ وہ اپنا نمبر آن کرے... میں دوبارہ کال کرتا ہوں"

اتنا کہہ کر شاویز نے کال ڈسکنیکٹ کر دی۔

کچھ لمحوں کے بعد مایا کا نمبر آن ہو گیا۔ اب شاویز اس سے مخاطب تھا۔

"مایا! تم کہاں تھیں اور موبائل بھی آف تھا؟"

"کہیں نہیں شاویز! بس کچھ تھک کر سو گئی تھی"

لیکن اس کی آواز اس کے لفظوں کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ یہ بات تو شاویز بھی جانتا تھا کہ مایا کی ایسی آواز تب ہوتی ہے جب وہ بہت روتی ہے اور آج بھی وہ یقیناً بہت روئی تھی۔

"مایا! یہ ہماری محبت کا امتحان ہے... تم وعدہ کرو کہ میرا ساتھ دو گی... ہم ہر طرح کے حالات میں گزارا کریں گے"

شاویز! تمھیں پتا ہے کہ جب محبت میں نوبت گزارا کرنے پر پہنچ جائے، تو سمجھ لو کہ فاصلے دل کی دہلیز پر تاک لگائے بیٹھ چکے ہوتے ہیں۔"

" کبھی کبھی زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا سکھ پانے کے لیے پہاڑ جیسے دکھوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے مایا!"

"لیکن شاویز! اکثر ان دکھوں کی مسافت اتنی طویل ہو جاتی ہے کہ انسان ان ہی اذیت بھرے رستوں کی دھول بن کر خاک ہو جاتا ہے... پھر نہ خوشیوں کی آرزو رہتی ہے نہ آرزو مند۔۔"

"مایا! تم اتنی مایوسی کی باتیں کیوں کر رہی ہو اور پھر میں تو تمھارے پاس ہی ہوں... تم تنہا بالکل نہیں ہو اور مایا! وہ محبت ہی کیا، جو امتحان نہ لے۔۔"

"اگر میرے لیے تمھاری محبت نے جدائی میں تڑپنا ہی لکھا ہے شاویز! تو پھر کھینچ لو ہمارے درمیان میلوں کے فاصلے... جو آخری دم تک سہ گیا، سمجھ لینا کہ وہ جیت گیا، لیکن ایک بات یاد رکھنا شاویز! فتح اس کی بھی ہو گی، جو اس تڑپ میں سانس کھو بیٹھا۔۔"

"مایا! تم کیوں ایسی باتیں کر رہی ہو... خدارا! یہ سب نہ کہو... مجھے تکلیف ہوتی ہے... میں نے ماماجانی سے بات کی ہے... ان شاءاللہ! جلد ہی کوئی بہتر راستا نکل آئے گا... میں بھی دو سال کا انتظار نہیں کر سکتا... یقین کرو مایا! میں تمھارے ساتھ جینے کے بہت سے خواب دیکھے ہیں... ہماری محبت کبھی کم نہیں ہو سکتی... پھر چاہے... فاصلے میلوں کے ہوں یا صدیوں کے... جب تک دل میں محبتیں دھڑکتی ہیں تب تک دوریاں ان فاصلوں کی قید میں رہتی ہیں... تم بات کر و دادا بھی سے... انھیں کہو مایا! کہ ہم ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے ہیں... ہمیں بس ان کی دعا چاہیے اور کچھ نہیں چاہیے... بہادر بنو مایا! پلیز... ! میں جانتا ہوں کہ میری جان بزدل نہیں ہے... ہم ان حالات سے لڑ سکتے ہیں۔۔"

"شاویز! میں بزدل نہیں ہوں، لیکن میرے اندر وہ ہمت نہیں ہے، جو سوال کرنے والوں کی نظر سے نظر ملا کر یہ جواب دینے کا حوصلہ دے... ہاں! مجھے محبت ہے فلاں شخص سے... کیوں کہ اس جواب کے بعد لوگ سچائی کو تسلیم کرنے کے باوجود باتوں کے طنز کے پتھر اٹھا لیتے ہیں اور ہمارے کردار کا نازک وجود لہولہان کر دیتے ہیں اور میں اپنے کردار کو کسی ایسے تجربے کی نظر ہرگز نہیں کرنا چاہتی... جس کے انجام سے میں خود واقف نہیں۔۔"

”مایا! یہ... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ تم اس کے انجام سے واقف نہیں... تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمھیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے... تم جانتی ہوناں! کہ ہم نے کتنے خواب دیکھے ہیں... وہ سب ابھی پورے کرنے ہیں۔“

”میں جانتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں شاویز! کہ خواب دیکھنے کی جسارت وہی لوگ کرتے ہیں کہ جنھوں نے ٹوٹے ہوئے خوابوں کو سہنے کا حوصلہ بھی بچا کر رکھا ہو... میرے حوصلے ابھی تک میری دسترس میں ہیں... میں انتظار کروں گی... تم مجھ پر بھروسا کرتے ہو ناں! تو یہ بھروسا نہیں ٹوٹنے دوں گی، لیکن شاویز! جب والدین کا سایا سر پہ نہ رہے، تو حوصلے زیادہ دیر پا نہیں ہوتے... امید ہے... تم مجھے اور میرے ضبط کو زیادہ آزمائش میں نہیں ڈالوگے۔۔۔“

”مایا! میں اگلے ہفتے دوبئی جا رہا ہوں اور واپس آتے ہی میں خود اسد بھائی سے بات کروں گا... تم فکر مت کرنا... میں تمھاری حالت کو سمجھ سکتا ہوں، لیکن میرا انتظار کرنا۔۔“

پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بات انھوں نے فون بند کر دیے۔

☆☆☆

اگلے روز مایا کلاس سے فارغ ہو کر بریک میں کچھ کاپیاں اٹھائے کوریڈور میں ایک طرف کرسی ڈال کر بیٹھ گئی۔ وہ کاپیاں چیک کرنے کے دوران شاویز کی باتوں میں مسلسل الجھی رہی۔ اتنے میں ایک نئی ٹیچر مس قندیل آکر سلام کرتے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ وہ حجاب میں اتنی پرکشش شخصیت کی مالک تھیں کہ انھیں دیکھ کر دل خود بخود ان کی طرف مائل ہو جاتا۔ وہ عمر میں مایا سے یہی کوئی پانچ چھے سال بڑی ہوں گی۔ دینی تعلیم میں بھی وہ کافی آگے تھیں۔ اسکول جوائن کیے انھیں ابھی ایک ہفتہ ہی ہوا تھا اور اس دوران مایا اور ان کا آپس میں بس رسمی سا تعارف ہوا تھا۔

آج پہلا موقع تھا کہ وہ مایا کے ساتھ کچھ زیادہ وقت بتا رہی تھیں۔ مایا کا تعارف حاصل کرتے ہوئے انھوں نے اپنا تعارف بھی تفصیل کے ساتھ دیا تھا۔ وہ حال ہی میں سعودیہ سے پاکستان شفٹ ہوئی تھیں۔ ان کا ایک بیٹا تھا اور شوہر جدہ میں کسی فارن کمپنی میں ملازمت کرتے تھے۔ مس قندیل کچھ عرصہ کے لیے پاکستان شفٹ ہوئی تھیں، کیونکہ ان کے ویزے وغیرہ میں کچھ مسئلہ چل رہا تھا جس میں آٹھ سے بارہ ماہ کا وقت لگ سکتا تھا۔ شوہر چوں کہ حال ہی میں کسی دوسری کمپنی کو جوائن کر چکے تھے، اس لیے بیوی اور بچے کا ویزہ پراسس مکمل ہونے میں کچھ وقت درکار تھا۔

مایا کے والدین کی وفات کا سن کر مس قندیل کا دل بھر آیا اور وہ مایا سے اور بھی زیادہ شفقت سے پیش آنے لگیں۔ آہستہ آہستہ مس قندیل سے اچھی اور کھلی گپ شپ لگنے لگی۔ یوں وہ مایا کی سب سے گہری دوست بنتی چلی گئیں۔

اسی دوران شاویز دوبئی جا چکا تھا۔ وہ مایا کے احساسات سمجھتے ہوئے بھی فی الوقت سب کچھ ویسا ہی چھوڑ کر دوبئی جا چکا تھا۔ مگر دل ہی دل میں وہ عجیب کشمکش کا شکار تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اتنی محبت کے باوجود مایا کے دل میں کس قسم کی بے اعتباری یا بے چینی ہے۔ شاویز نا چاہتے ہوئے بھی آنے والے حالات سے خوف زدہ تھا۔

پراپرٹی کے پیپرز سائن کرتے ہوئے وہ جس خوشی کو محسوس کرنا چاہتا تھا، وہ چاہ کر بھی اس کے چہرے سے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پام جمیرا کے وسط میں یہ وہی ولا تھا جس کے خواب اکثر شاویز کو بے چین کر کے رکھ دیتے تھے۔ دانیال شاویز سے جس خوشی کی توقع کر رہا تھا، اس کی کیفیت اس سے بالکل برعکس تھی۔ آخر دانیال نے شاویز سے اس کی اس حالت کی وجہ پوچھ ہی ڈالی۔

" سر! آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟ مجھے تو لگتا تھا کہ آپ اس ولا کے مالک بن کر خوشی کا برملا اظہار کریں گے"

شاویز نے کاغذات اٹھا کر سائیڈ پر رکھے اور اس ولا کے ٹیرس پر چلتے چلتے سامنے وسیع و عریض سمندر کی بپھری موجوں کو دیکھنے لگا۔ یہ وہی علاقہ تھا، جو سمندر میں ایک جزیرے کی طرح کا بنایا گیا تھا اور پام اس لیے اس کا نام رکھا گیا، کیوں کہ اس کی شکل بالکل کھجور کے درخت کی طرح تھی اور ہر شاخ پر مختلف قسم کے بنگلوز، ولاز اور وسیع و عریض عمارتیں تعمیر کی گئی تھیں۔ یہ دوبئی کا سب سے پوش علاقہ تھا۔

"بے چینی کی شاید سب سے آخری حد یہی ہوتی ہے کہ دل ایک چیز کی شدید خواہش کرتا ہے اور اسے حاصل کرتے ہی اکتا جاتا ہے۔ کسی منزل پر پہنچتا ہے، تو راستوں کی رفاقتوں کے لیے تڑپنے لگتا ہے... میں بھی ایسی ہی بے چینی میں ہوں دانیال! میں اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کی جان توڑ کوشش کروں گا اور جب پا لوں گا، تو سب ادھورا چھوڑ کر کہیں اور بھٹکنا چاہوں گا... میں کھو گیا ہوں... میں ایسا قطعاً نہیں تھا۔۔"

ٹیرس کی گرل پر ہاتھ رکھتے ہوئے شاویز نڈھال کھڑا ہو گیا۔ اس کے الفاظ اس کے چہرے کے تمام تاثرات کے آئینہ دار تھے وہ حقیقت میں ہی الجھا ہوا سا لگ رہا تھا۔

"مگر سر! ایسا کیا ہے کہ آپ کو اپنی سب سے بڑی خواہش کی تکمیل بھی خوشی نہیں دے رہی ہے؟" دانیال نے تھوڑا قریب ہوتے ہوئے سوال کیا۔

شاویز نے گہری سرد آہ بھری اور دانیال کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ایک وقت تھا کہ اس مقام پر پہنچنے کے لیے میں دن رات دعائیں کرتا تھا... جان توڑ کر محنت کرنے سے آج یہ سب حاصل ہوا، تو کیوں خوشی نہیں ہو رہی؟ میرا دل بے صبر پرندے کی طرح میرے اندر پھڑ پھڑا رہا ہے... پتا ہے دانیال! انسان ٹوٹ جاتا ہے جب وہ کسی غلط چیز کی جستجو میں دیوانہ وار رستے عبور کرتا منزل پہ پہنچتا ہے اور پھر منزل پہ پہنچ کر اسے پتا چلتا ہے کہ یہ تو بس سراب تھا... نظر کا دھوکا... منزل تو بس یہیں کہیں ٹھوکروں میں ہی رہ گئی... تمام عمر رائیگاں چلی گئی۔"

یہ کہتے ہوئے شاویز مڑا اور پھر سے بہتی لہروں کو دیکھنے لگا۔ اسے احساس تک نہ ہوا کہ آنسو اس کے رخساروں سے ٹپک کر مسلسل دامن پر گرتے جا رہے ہیں۔ دانیال اس کی اس حالت سے کافی رنجیدہ ہوا۔

"لیکن سر! یہ غلط چیز کی جستجو تو نہ تھی... یہ تو آپ کی محنت کا صلہ ہے۔۔"

"دانیال! اگر یہ محنت کا صلہ ہے، تو پھر اپنے ساتھ وہ خوشی کیوں نہیں لایا، جو محنت کا صلہ حاصل کرتے ہوئے ملتی ہے؟ کیوں ادھورا ہے یہ سب کچھ؟"

شاویز نے دانیال کی شرٹ کی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ایک سگرٹ سلگا کر لبوں میں دبالی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے اس نشے کی ضرورت کیوں پڑی۔

یا شاید... انسان اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے جب تھک جاتا ہے، تو وہ پھر چور راستوں کا سہارا لیتا ہے۔

کچھ وقت اس طرح دانیال سے باتیں کرتے گزر گیا۔ شام ہوئی، تو شاویز نے مایا کو فون کیا۔

مایا نے اسے مبارک باد دی۔ وہ اس کی اس کامیابی سے بہت خوش تھی، مگر شاویز کسی عجیب سی اداسی کا شکار تھا۔ وہ مایا کو کھونے کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا تھا۔

مایا مسلسل اس کا دل بہلاتی رہی، حالاں کہ وہ جن حالات سے گزر رہی تھی، اگر شاویز کو اس کا ذرا سا بھی علم ہو جاتا، تو وہ مایا کو کسی بھی صورت میں اسی وقت بیاہ کر لے جاتا، اگر اس کی محبت میں ذرا سا بھی صدق ہوتا۔

شاویز نے مایا کو اس ولا کے متعلق سب کچھ بتایا، کیوں کہ وہ اب وہاں مایا کے ساتھ رہنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔

"پتا ہے مایا! اس کا سارا سیکنڈ فلور وڈن ہے اور اوپر والے بیڈ روم میں تین سائیڈ والز پیور گلاس کی ہیں... بہت خوبصورت نیٹ کے کرٹن ہیں اور بیڈ سے بالکل سامنے والی سائیڈ کا ویو... گہرا نیلا سمندر اور رات کو یہ اور بھی پیارا لگتا ہے... میں اور تم اس سلائیڈنگ گلاس کو ہٹا کر جب باہر ٹیرس پر کھڑے چاند کا عکس پانی میں دیکھیں گے، تو اور بھی سب کچھ پیارا ہو جائے گا... ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا... تمھارے کھلے بالوں کو دھیمے سے چھو جایا کرے گی... میں تمھارا ہاتھ تھامے یہاں تم سے دیر تک اپنے دل کی باتیں کیا کروں گا اور پھر صبح اٹھتے ہی سورج نکلنے کا خوبصورت منظر دونوں مل کر دیکھا کریں گے... میں تمھارے جاگنے سے پہلے ہی نرگس کے پھولوں سے کمرے کی فضا کو اور خوشگوار بنا دیا کروں گا اور پھر ایک خوب صورت سا سرخ گلاب ہاتھ میں پکڑے بیڈ کے ایک طرف تمھارے قریب بیٹھ جایا کروں گا... جب تم آنکھیں کھولو گی، تو میں اپنے دل کے سب جذبات سمیت وہ پھول تمھارے خوب صورت سے ہاتھوں میں دے کر ان ہاتھوں کو چوم کے تمھیں نئی صبح کے لیے ویلکم کہا کروں گا۔۔۔"

پتا ہے مایا! میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمھیں اس زمین پر قدم بھی نہ رکھنے دوں... تمھارے پاؤں تلے پھول ہی پھول بچھا دوں... تمھاری ایک ایک خواہش تمھارے ہونٹوں پر آنے سے پہلے ہی پوری کر دوں... میں ان ہاتھوں کو چوم لوں مایا! جن میں میری زندگی کی سب خوشیاں لکھی ہیں

مایا، شاویز کی باتوں کو بہت توجہ سے سنتی رہی۔ یقیناً محبت کے اظہار میں سچائی اور جنون ہو تو ایک ایک منظر محسوس ہونے لگتا ہے۔ خوابوں کی تکمیل سے پہلے ہی ان کی تعبیر مل جاتی ہے۔ مایا کو بھی اس وقت اپنا آپ شاویز کے بہت قریب محسوس ہوا۔ وہ اگلے دو گھنٹے اس سے اسی طرح باتیں کرتی رہی۔۔ اور اس دلفریب جنوں کے سحر میں رہی۔۔۔

☆☆☆

شاویز کی پاکستان واپسی سے ٹھیک ایک دن پہلے ریحان کا انگلینڈ میں بہت بری طرح سے ایکسیڈینٹ ہو چکا تھا۔ ایئر ایمبولینس کے ذریعے اسے جلد سے جلد ہسپتال پہنچایا گیا، لیکن اس کی حالت خطرے سے خالی نہ تھی۔

شاویز اطلاع ملتے ہی فوراً برمنگھم پہنچا تھا۔ ویزے کا اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں بنا تھا، کیوں کہ اس کے پاس پورٹ پر پہلے ہی انٹر پرنیور ویزہ اسٹیمپڈ تھا۔

ساڑھے چھے گھنٹے کی فلائٹ کے بعد شاویز برمنگھم لینڈ کر چکا تھا۔ وہاں سے سیدھا ٹیکسی پکڑ کر وہ ہرٹ لینڈ ہسپتال پہنچا۔ شامیر وہاں پہلے سے موجود تھا۔ ریحان کی حالت کافی تشویش ناک تھی۔ ایکسیڈینٹ چوں کہ سمال ہیتھ ہائی وے پر ہوا تھا اس لیے اس کی نوعیت کافی شدید تھی۔ سپیڈ لیمٹ 120 سے اوپر تھی جس کی وجہ سے گاڑی بری طرح تباہ ہو چکی تھی۔ ریحان کی میجر انجری ہیڈ انجری تھی جس کی وجہ سے اسے ہوش نہیں آ رہا تھا۔

طبعی امداد کے بعد ٹیسٹ رپورٹس سے اندازہ لگایا گیا کہ ریحان اس وقت کومہ کی حالت میں ہے۔ یہ خبر سب کے لیے بہت اذیت کا باعث بنی۔ ریحان کی بائیں ٹانگ پر دو فریکچر تھے جب کہ باقی کچھ گہرے زخم جسم کے دیگر حصوں پر تھے۔

شاویز اپنے بھائی کی یہ حالت دیکھ کر ٹوٹ چکا تھا۔ وہ اس کی اس حالت کی بہتری کی دعائیں مانگنے لگا۔ پورا پورا دن اور پوری پوری رات اس کے سامنے بیٹھا رہتا۔ ریحان کو تقریباً پورا ایک ماہ ہونے والا تھا ہسپتال میں اور ڈاکٹرز کو پوری امید تھی کہ وہ کسی بھی وقت ہوش میں آ سکتا تھا، کیوں کہ اس کی ول پاور بہت سٹرانگ تھی اور جس رفتار سے اس کے زخم بھرے، یہ سب کچھ ایک پازیٹیو سائن تھا۔

☆☆☆

ادھر مایا کی زندگی اجیرن ہو رہی تھی۔

وہ آئے دن بھابھی اور بھائی کے بدترین رویوں کا شکار ہوتی چلی گئی۔ حالات اب تو یہاں تک آ گئے تھے کہ اس کی زندگی میں ایک لمحے کا سکون بھی نہیں رہا تھا۔ وہ رات رات بھر روتی رہتی۔ نیند تھی کہ اس کی آنکھوں سے کوسوں دور جا چکی تھی۔

ایک تو شاویز کی مصروفیات اتنی بڑھ چکی تھیں کہ وہ کئی کئی دن تک مایا سے رابطہ بھی نہ کر پاتا۔ وہ بھی مجبور تھا۔ ان حالات میں جب مایا کو شاویز کی سخت ضرورت تھی، وہ بھی اپنے مسائل کا شکار ہو چلا تھا۔ بدگمانیاں تھیں کہ بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔

شاید لوگوں کا ہمیں نہ سمجھنا اتنا اذیت کا باعث نہیں بنتا جتنا ان لوگوں کا سلوک تکلیف دیتا ہے جن پہ ہمیں گمان ہو کہ وہ تو ہمیں سمجھتے ہیں۔

شاویز، مایا کے حالات سے پوری طرح واقف تو نہیں تھا، مگر اس کی تنہائی سے تو آگاہ تھا۔ اس کی تکلیف کی نوعیت بھلے اسے پتا نہ ہو، مگر اس کی اذیتوں سے تو آشنائی تھی۔ اس قدر لاتعلقی رشتوں کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔

آخر دو ہفتے بعد شاویز نے مایا سے رابطہ کیا۔ ریحان کو ہوش آچکا تھا اور اس کی طبیعت کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔ باقی فریکچر اور چوٹیں ٹھیک ہونے میں وقت درکار تھا۔ مایا شاویز کی کال ریسیو کرنے کے بعد کافی دیر تک خاموش رہی۔ شاویز نے دیگر حالات کی تفصیل بتائی اور مایا کو اپنی موجودہ حالت سے آگاہ کیا۔

" مایا! تم ٹھیک تو ہو ناں! میں بہت پریشان تھا، اس لیے پچھلے دنوں رابطہ نہ کر سکا... تمھارا وقت کیسا گزرا؟"

" دو ہفتے بعد آخر تمھیں یاد آ ہی گیا کہ کوئی مایا بھی ہے؟"

" کم آن مایا! تم جانتی ہو کہ میرے بھائی کی کیا حالت تھی؟"

"شاویز! ایک منٹ کی کال میں کتنا وقت لگتا ہے؟ میں نے کب تمھیں نہیں سمجھا... بتاؤ... اگر مجھے کچھ ہو جاتا، تو تمھیں خبر بھی نہ ملتی... ایک بات کہوں شاویز! جہاں رابطوں میں لمحوں کا خلل بھی نہ برداشت ہوتا ہو، وہاں نوبت دنوں اور ہفتوں پہ آ جائے، تو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہوتی... یہ گلوں شکوؤں کا خاموش ردعمل ہوتا ہے، جو لفظوں میں ادا ہوئے بغیر خود کو انا کے حوالے کر دیتا ہے اور پھر خاموشیاں فاصلے بنتی رہتی ہیں... لمحے، گھنٹے، دن اور پھر ہفتے، ایسے ہی جدائیاں پڑتی ہیں... یہ ایک دن کا عمل نہیں ہوتا... تم خود مجھے خود سے دور کر رہے ہو۔۔۔"

" خدا کا واسطہ مایا! میں پہلے ہی پریشان ہوں، مجھے مزید پریشان مت کرو"

یہ کہہ کر شاویز نے فون بند کر دیا۔

مایا کے آنسو اس کے اس رویے کی وجہ سے بے تحاشا بہنے لگے۔ وہ موبائل ہاتھ میں پکڑے بس اس کے بدلے لہجے کے بارے میں سوچتی رہی۔ دو ہفتوں کے بعد رابطہ ہوا اور وہ بھی اس سلوک کے ساتھ... اتنی اکتاہٹ... مایا حیران تھی کہ یہ وہی شاویز تھا، کوئی اتنا کیسے ایک دم سے بدل جاتا ہے۔

مایا ساری رات آنسو بہاتی رہی۔ نیند نہ پوری ہونے کی وجہ سے وہ اگلے دن اسکول میں بھی بہت پریشان اور تھکی سی دکھائی دی۔ قندیل جو کہ مایا کی اب بہترین دوست بن چکی تھیں اس کے پاس بریک کے دوران آکر بیٹھ گئی۔

مایا، انھیں شاویز کے بارے میں پہلے ہی بتا چکی تھی۔ اس لیے مزید کوئی تمہید باندھے بغیر وہ شاویز کے رات والے رویے کے بارے میں بتانے لگی۔

"مایا! وہ کیسے حالات سے گزر رہا ہے، تم جانتی ہو ناں! وہ تمھارا ہمدرد ہے... تم سے محبت کرتا ہے..." قندیل نے مایا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

مایا آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"کوئی بھی ہمدرد نہیں ہوتا قندیل! سب اپنے اپنے، مخصوص وقت پر درد دینے آتے ہیں... ہم دھوکا اس لیے کھا جاتے ہیں کہ وہ ہماری تکلیفوں کو بانٹ کے ہمیں پھر سے کھڑا کرتے ہیں اور جب ہم ان کی دل جوئی کے سہارے دو چار قدم چلتے ہیں، تو وہ ہمارا پرانا درد دس گنا بڑھا کر لوٹا جاتے ہیں... ہمارے نام نہاد ہمدرد۔"

"ایسا نہیں ہے میری پیاری بہنا! اس نے پہلے کبھی تم سے ایسا برتاؤ کیا ہے... نہیں ناں! تو اب یقیناً اس کی کوئی بڑی مجبوری ہو گئی، جو تمھیں سمجھنا چاہیے۔"

"قندیل! ہماری منگنی کو پانچ سال ہونے والے ہیں... اس کی ماما نے ایک بار بھی مجھ سے فون پر بات نہیں کی... وہ جانتی ہیں کہ میری امی نہیں ہیں... میرے ابو بھی نہیں ہیں... انھوں نے میرے سر پر کبھی ہاتھ نہیں رکھا... لیکن مجھے شاویز کا بہت سہارا تھا اور کل رات جو اس نے میرے ساتھ کیا، اس نے میرے سارے صبر کی کرچیاں کر دیں۔ میری بھابھی اور بھائی کا سلوک، گھر کے حالات آج تک اسے اس لیے نہیں بتائے کہ کہیں وہ پریشان نہ ہو جائے، لیکن یہ کیسی محبت ہے کہ جس میں تکلیف منہ سے بول کر بتانی پڑے؟

"

مایا بے اختیار رونے لگی۔

قندیل کا دل بھر آیا۔ انھوں نے مایا کو گلے سے لگا لیا۔ آج وہ اسے اسکول کے بعد اپنے گھر لے گئیں۔ قندیل جانتی تھیں کہ اس وقت مایا کو ان کی ضرورت ہے۔ مایا کو زبردستی کھانا کھلانے کے بعد قندیل نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تاکہ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔

"مایا! دور افق پر اڑتے پنچھی کی کبھی بے فکری دیکھی ہے؟ ایسے ہی لوگ نئی نئی محبت کے بعد پر سکون ہوتے ہیں۔ انھیں دنیا کی ہر شے چھوٹی دکھائی دیتی ہے... بے وقعت... کسی ذرے کے برابر... وہ محبت کی آزاد فضاؤں کو اپنا نشیمن سمجھتے ہیں یہاں تک کہ مسلسل اڑان ان کے پر ٹوٹنے پر انھیں زمین پر پھینک نہیں دیتی، تب تک انھیں اپنی اوقات کا پتا نہیں چلتا۔ ارد گرد کے چھوٹے چھوٹے ذرا برابر لوگ طنز کے تیروں سے خیر مخدم نہیں کرتے... یوں بھرم ٹوٹتے ہیں، تو پھر جا کر انھیں تسلی ہوتی ہے... یہ سب باتیں تمھیں کہنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ تم شاویز سے بدظن ہو جاؤ... میں بس تمھیں وہ حقیقت بتا رہی ہوں، جو ہر محبت کرنے والے کے ساتھ ایک نا ایک دن پیش آتی ہے، اس لیے اپنے دل کو بڑا کرو اور حوصلہ کرو... ہر طرح کے حالات زندگی میں آتے ہیں۔"

"لیکن قندیل! کچھ حوصلوں کی بھی میعاد ہوتی ہے، اس کے بعد وہ کار آمد نہیں رہتے... اس کے لوٹ آنے کا حوصلہ بھی اپنی میعاد مکمل کر رہا ہے اور اس کے بعد میں خود کو اس کے حق میں تسلی نہیں دے سکتی۔ اور ویسے بھی جس طریقے سے اس نے مجھ سے رات کو بات کی تھی، وہ لہجہ میں چاہ کر بھی بھول نہیں پا رہی ہوں... جن لوگوں کو بے لوث محبتوں کے بدلے میں اکتائے ہوئے لہجے ملتے ہیں ناں! ان کا نقصان ہمدردی سے بولے ہوئے دو لفظوں سے پورا نہیں ہوتا... بالکل ویسے ہی جیسے عمر بھر کی کمائی کسی کی، لوٹ کر لے جاؤ اور کہہ دو کہ جاؤ۔ اب کسی اور وسیلے پر گزارا کر لو۔"

"مایا! تم نماز پڑھتی ہو؟" قندیل نے ایک گہری سوچ کے بعد مایا سے سوال کیا۔

"پڑھتی ہوں قندیل! لیکن باقاعدگی سے پڑھ نہیں پاتی... اسکول سے گھر جانے کے بعد، گھر کے اتنے کام ہوتے ہیں کہ میں تھک جاتی ہوں ارو پھر ذہنی تھکن ہی اتنی ہوتی ہے کہ میرے اندر بالکل ہمت نہیں رہتی۔"

قندیل نے گہری سانس لی۔

"لیکن کوشش کر سکتی ہو؟"

" اچھا!میں ضرور کروں گی...اللہ ہمت دے تو۔۔"

"اللہ تو ہمت دیتا ہے مایا!انسان ہی ہمت نہیں کرتا...ہم دنیا کے کاموں کے لیے دن چڑھتے ہی ذہن میں ہر کام کو ترتیب دینے لگتے ہیں...اگر ہم اسی وقت کچھ منٹ نماز کے لیے بھی مقرر کر لیں،تو یقین کرو کہ دن بھر کے کام اپنے آپ ہو جایا کریں گے۔"

"میں ضرور کوشش کروں گی قندیل!اب میں چلتی ہوں...زیادہ دیر ہو گئی تو دادا بھی خواہ مخواہ ہی گھر سر پر اٹھالیں گی اور پھر میں وہ سب باتیں برداشت نہیں کر سکتی۔"

یہ کہہ کر مایانے اجازت لی۔

☆☆☆

" ماما!آپ نے شاویز کے بارے میں شامیر بھائی سے کوئی بات کی؟"

ارمینہ شام کی چائے ٹی وی لاؤنج میں لاتے ہوئے امی سے مخاطب ہوئی جو کہ کسی میگزین کے مطالعہ میں مصروف تھیں۔

"ارمینہ!ریحان کچھ بہتر ہو رہا ہے...شکر ہے اللہ کا اور شامیر کا ارادہ یہی ہے کہ وہ شاویز کو وہیں کچھ عرصہ مصروف رکھے...ریحان کی ریکوری میں ابھی کچھ وقت لگے گا تب تک شاویز کو ریحان کی کچھ پینڈنگ ڈیلز کو ہینڈل کرنا ہو گا...اس طرح سے اسے وہاں کے تمام کاموں میں مصروف رہ کر یو کے کے پراپرٹی رولز کو سمجھنے کا موقع ملے گا۔"

"یہ تو بہت ہی اچھا ہو جائے گا ماما!میں تو سوچ رہی ہوں،موقع اچھا ہے...لگے ہاتھ شفق آپی سے بات کریں...زمل اور شاویز کے سلسلے میں۔۔"

ارمینہ نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے مشورہ دیا۔

"نہیں ارمینہ!ایسے نہیں...پہلے مایا والے قصے کو ختم ہونے دو...کم از کم تین سال شاویز وہاں ٹک گیا،تو سمجھو کہ رشتا اپنے آپ ہی ختم ہو جائے گا۔

ارمینہ نے ایک گہری سوچ کے بعد ان کی ہاں میں ہاں ملا دی۔

☆☆☆

اگلے روز شاویز نے مایا کو پھر فون کیا۔ کچھ دیر بیل جانے کے بعد مایا نے کال ریسیو کی۔

" کیسی ہو مایا!"

کچھ پل خاموش رہنے کے بعد وہ بولی۔

" ٹھیک ہوں"

کیا ناراض ہو مجھ سے ؟" اب شاویز نے قدرے دھیمے لہجے میں بات کی۔"

" نہیں شاویز!" مایا بہت رسمی سے لہجے میں مختصر جواب دیتے ہوئے بولی۔

" میں اپنے کل والے رویے کے لیے معافی مانگتا ہوں مایا!"

شاویز جانتا تھا کہ وہ اس سے ناراض ہے۔

"کچھ تو کہو مایا! تم جب مجھے نہیں بتاؤ گی، مجھے کیسے پتا چلے گا کہ کیا پریشانی ہے اور تمھارا میں کل کا رویہ بھی سمجھ نہیں پایا اور نہ ہی تم میرے مسائل کو سمجھنے پر تیار ہو... تو ایسے حالات میں، میں کیا کروں؟"

"شاویز! اگر تم کہو کہ محبت کے لیے میں اپنی خودداری رہن رکھ دوں، تو یہ کام میں کبھی بھی نہیں کر سکتی۔ جو دکھ تمھیں بول کر بتانا پڑے، اس سے بہت بہتر ہے کہ میں اسے اپنے دل میں تمھاری محبت کے ساتھ ہی دفنا دوں، کیوں کہ جس محبت میں احساس مر جائے، اس کی تدفین کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے... تم میرے دکھ سے ناواقف ہو، تو پھر محبت کے سبھی دعوے بے بنیاد ہیں۔"

" مایا! تمھیں اتنی شکائتیں، اتنے گلے ہیں مجھ سے... میری اتنی محبت کے باوجود بھی"

شاویز یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ بول نہ پایا۔

"میں جائز گلے کرتی ہوں، تو پھر بھی تمھیں برا لگتا ہے... تم حقیقت کو تسلیم کیوں نہیں کر لیتے... ایک بات یاد رکھنا کہ جس دن میں نے گلے کرنے چھوڑ دیے ناں! اس دن کے بعد میری امیدیں ٹوٹنے لگیں گی اور جب محبت میں امیدیں ٹوٹتی ہیں، تو پھر باقی کچھ نہیں رہتا۔"

شاویز کچھ دیر خاموش رہا اور پھر گہری سانس بھر کر بولا۔

"تم جانتی ہو مایا! طویل خاموشیاں کبھی بھی اقرار نہیں ہوتیں۔ وہ گلہ ہوتی ہیں یا پھر انتظار... ان خاموشیوں کو طنز کے تیروں سے چھلنی کرنے کے بجائے ان کے احترام میں اپنی انا کے بت توڑ ڈالنے چاہییں... اس سے پہلے کہ وہ گہری چپ آپ کی سماعتوں میں بین کرنے لگے... آپ ان خاموشیوں کو اپنے اقرار کے الفاظ سونپ دو... اور میں بھی یہی کرتا ہوں... تمھارے معاملے میں انا بیچ میں نہیں لاتا... تمھارے سب گلوں کے باوجود خاموش رہتا ہوں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں کسی احساسِ گناہ کا شکار ہوں... بس چپ چاپ انتظار کر رہا ہوں کہ تم میری محبت کو سمجھو... کبھی سوچا ہے مایا! مجھے بھی تم سے کوئی گلہ ہو سکتا ہے؟"

"مُجھ سے گلِہ؟"

مایا ایک دم ششدر رہ گئی۔

"ہاں مایا! تم سے گلہ... تم چاہتی، تو بات کبھی دو سال تک نہ جاتی... تم اپنے گھر بات کر سکتی تھی... خود بات نہ کرتیں، تو نیہا کے ذریعے کوشش تو کرتی... یہ سب دوریاں کہیں نہ کہیں ہماری اپنی کوتاہیاں ہیں۔۔۔"

"اگر ایسی بات ہے، تو ٹھیک ہے شاویز! میں تمھارا یہ گلہ بھی دور کر سکتی ہوں، لیکن اس کے بعد کیا گارنٹی ہے کہ تم میرا مان نہیں توڑو گے؟" مایا نے بڑے اعتماد سے بات کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"ایک بات یاد رکھنا مایا! سچی محبت کو کسی بھی ثبوت کی ضرورت نہیں پڑتی... تمھیں گارنٹی چاہیے ناں! تو بس اتنا سمجھ لو کہ جو اپنی زبان سے مکر جائے، وہ شاویز نہیں ہو سکتا... تم دو سال والی شرط ختم کرو، میں دو دن میں تم سے نکاح کرتا ہوں"

مایا، شاویز کی اس بات کے بعد بہت پر سکون ہو گئی۔ وہ ساری رات جاگ کر یہی سوچتی رہی کہ آخر وہ کیا کرے۔ آخر مایا نے نیہا سے بات کی۔ نیہا کو بھی اسد اور ردا کے اس فیصلے سے کچھ تشویش ہوئی، کیوں کہ وہ جس طرح کی نیت اور اطوار رکھتے تھے، وہ کبھی بھی اس طرح کا فیصلہ کرنے والے قطعاً نہیں تھے، اس لیے نیہا نے ڈائریکٹ اسد سے فون پر بات کی۔

اسد نے بھی نیہا کو وہی جواب دیا کہ ابھی بالکل شادی کرنے والے حالات نہیں ہیں۔ مجھے سارا بندوبست کرنے کے لیے تھوڑا وقت چاہیے، لیکن اس کے پیچھے ان دونوں کا کیا لالچ پوشیدہ تھا، کسی کو بھی اس کی بھنک بھی نہ لگنے دی۔

مایا کافی مایوس سی ہو گئی، کیوں کہ یہی سب سے بڑی کوشش تھی جس پر اسے امید تھی کہ اس سے بہتر راستہ نکل آئے گا۔

آج وہ اسکول میں بھی کافی اداس دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اپنی ساری پریشانی قندیل سے شیئر کی، تو قندیل کو فوراً اسد اور ردا کی نیت کھٹکی۔ جب مایا نے اپنی تنخواہ کا آدھے سے زیادہ حصہ انھیں دینے کا ذکر کیا، تو اب وہ اچھی طرح سمجھ گئی کہ آخر کیا ہو رہا ہے۔ آخر اس نے مایا کو اسکول سے چند دن چھٹی لینے کا مشورہ دیا اور ساتھ ہی اسے یہ تاکید کی کہ گھر میں جاب کے چھوڑنے کا ذکر کرے۔ اس کے بعد ان کے دل میں کیا ہے، سب کچھ سامنے آجائے گا۔ لہٰذا مایا نے ایسا ہی کیا۔

اور پھر وہی ہوا۔ مایا کے ذکر کرنے کی دیر تھی کہ ردا اور اسد، مایا کے اس فیصلے کے بعد کافی برہم ہوئے۔ اب مایا اور بدترین حالات کا شکار رہنے لگی۔ آتے جاتے ہر کوئی اسے لعن طعن کرتا۔ گھر کے چھوٹے بڑے سب کام اس پہ ڈال دیے گئے اور مایا کچھ ہی دن میں سب سمجھ گئی کہ آخر اسد اور ردا کے کیا مقاصد تھے۔

ایک دن اس نے اسد اور ردا کو اپنے بارے میں بات کرتے سنا، جب وہ ان کے کمرے کے باہر سے گزرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جارہی تھی۔

"اس کا اب کیا کرنا ہے؟ یہ تو ہمارے ہی سر پر بوجھ بن کر بیٹھ گئی ہے۔" ردا، اسد سے سرگوشی میں بات کررہی تھی۔

مایا کے قدم لاشعوری طور پر رک گئے۔ اب وہ اسد کے جواب کی منتظر تھی۔

"کرنا کیا ہے، شاویز کی ماں کو بلاتا ہوں۔ وہ آئیں اور نکاح کرکے لے جائیں... میرا پیسا حرام کا تو نہیں ہے کہ میں فضول میں اڑاتا پھروں... میرے اپنے بھی گھر کے کئی خرچے ہیں۔"

"بالکل صحیح بات ہے۔" ردا نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔"

مایا کا دل تو اسد کی بات سن کر دکھ سے بھر گیا تھا۔ وہ وہاں ایک پل بھی نہ ٹھہر پائی۔ ایک طرف سے تو اسے خوشی تھی کہ اسد کا فیصلہ اس کے حق میں تھا، تو دوسری طرف اسد کا بھیانک روپ اس کے لیے تکلیف دہ تھا۔

اگلے ہی دن اسد نے شاویز کی امی سے گھر آنے کو کہا۔ وہ ارمینہ کو ساتھ لے کر ان کے گھر آگئیں اور یہ بات انھیں سخت ناگوار گزری، لیکن انھیں آنا پڑا۔

اسد نے انھیں دوٹوک الفاظ میں مایا اور شاویز کے نکاح کرنے کو کہا اور اس کا موٴقف یہ تھا کہ جوان بہن کو گھر میں مزید نہیں بٹھا سکتا۔ اپنے والدین کی شدید خواہش کا ذکر کرتے ہوئے وہ مایا کو جتنا جلدی اپنے گھر کا کر دے، اچھا ہے۔

شاویز کی والدہ کو اسد کی یہ بات بہت سخت بری لگی۔ انھوں نے شاویز کے انگلینڈ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے اس کے بیمار بھائی کا بہانہ کیا۔ شاویز کم از کم ایک سال تو نہیں آ سکتا تھا۔

اس بات پر اسد اور ان کے بیچ تلخ کلامی ہو گئی۔ شاویز کی امی جو پہلے ہی اس رشتے سے ناخوش تھیں، وہ بات کو مزید بگاڑتی چلی گئیں اور اسد نے بھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس سے پہلے کہ رشتے سے جواب ہوتا، اسد نے تین ماہ کا وقت دے کر بات ختم کر دی اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔

شاویز کی امی کو اپنی ہتھک محسوس ہوئی اور وہ تیزی سے پیر پٹختی ارمینہ کو ساتھ لے کر فوراً واپس چلی گئیں۔ مایا جو دیوار کی اوٹ سے سب کچھ سن رہی تھی، انتہائی حد تک ٹوٹ چکی تھی۔ وہ دوڑتے ہوئے اپنے کمرے میں واپس آئی اور دروازہ بند کر کے زار و قطار رونے لگی۔

کچھ ہی دیر کے بعد اسد نے مایا کے کمرے کا دروازہ زور سے بجایا۔ وہ ڈر کر اٹھی اور دروازہ کھول دیا۔

وہ مایا پر برستے ہوئے بولا۔

"دیکھ لیا تم نے... کس قسم کے گھٹیا لوگ ہیں... شاویز کو بتا دینا... اگر وہ تین مہینے کے اندر اندر آ کر یہ مسئلہ حل نہیں کرتا، تو ہماری طرف سے جواب ہے۔ رشتوں کی تمھارے لیے کوئی کمی نہیں ہے۔۔"

اسد زور سے پاؤں پٹختا ہوا چلا گیا۔

مایا نے شاویز سے رابطے کی کوشش کی، مگر اس کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ آخر دو دن کے کڑے انتظار کے بعد شاویز کی کال آ ہی گئی۔

مایا نے بڑی مشکل سے آنسو روکتے ہوئے اسد کے آخری فیصلے سے شاویز کو آگاہ کر دیا، مگر شاویز تو پہلے سے ہی برہم تھا، اس کی امی نے اسے ایک کی چار لگا کر بتائی تھیں۔ وہ اپنی امی کی توہین ہونے کی وجہ سے سب سے بے حد بدظن ہو چکا تھا۔ وہ مایا سے بھی ٹھیک طرح سے بات نہیں کر رہا تھا۔ مایا نے ہمت کرتے ہوئے ساری بات پھر سے دہرائی۔

"شاویز! اسد بھائی نے تین ماہ کا وقت دیا ہے... تم نے کہا تھا ناں کہ اگر سب راضی ہو جائیں، تو تم دو دن میں مجھ سے نکاح کرنے آ جاؤ گے۔۔"

مایا اس کی مسلسل خاموشی دیکھ کر روتے ہوئے بولی تھی۔

"میرا درد سمجھنے میں اتنی دیر نہ کرنا شاویز! کہ جن رگوں میں تمھاری محبت خون کے ساتھ دوڑتی ہے... وہ رگیں شدتِ غم سے کہیں پھٹ نہ جائیں اور یہ درد تمھاری محبت پہ جم جائے... مجھے اس کرب سے نکال لینا... میرے خالی ہاتھوں کو تھام لینا۔۔"

مایا مسلسل روتے ہوئے اپنے دل کا حال شاویز کو سناتی چلی گئی۔

شاویز نے ایک گہرا سانس لیا اور جواب میں بولا۔

" مایا! میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں، لیکن جس طرح تمھارے بھائی نے میری ماما کی توہین کی ہے، وہ میں نہیں بھول سکتا۔"

شاویز! تو کیا تم مجھے اس کی سزا دو گے؟" مایا سسکتے ہوئے بولی۔"

" نہیں، لیکن مجھے کچھ وقت دو... دیر سویر ہو جاتی ہے لوٹ آنے میں مایا! وقت لگ جاتا ہے۔"

"دیر سویر ہونے اور عمریں ڈھلنے میں بڑا فرق ہوتا ہے شاویز! محبت کرنے والے گھڑی کی ٹک ٹک سے سانس باندھے سولی پر لٹکے رہتے ہیں، وہ دیر سویر کو کیا جانیں یا تو کوئی آ کر سانسوں کی ڈوری کاٹ ڈالے یا وقت روک دے... پانچ سال ہماری منگنی کو ہونے والے ہیں... پتا ہے شاویز! میرے امی ابو زندہ ہوتے، تو میں کبھی تم سے نہ کہتی، ساری زندگی بیٹھ کر تمھارا انتظار کر سکتی تھی، لیکن جو دکھ تم خود سے سمجھ نہیں پائے، وہ میں منہ سے بول کر تمھیں کیسے سمجھاؤں... ایک بات یاد رکھنا شاویز! جنھیں ہم سے پیار ہوتا ہے ناں... انھیں ہماری تکلیف ہمارے چہرے پر لکھی ہوئی نظر آ جاتی ہے... ہمارے ٹوٹے پھوٹے بے ربط لفظوں سے وہ پہچان جاتے ہیں

، لیکن جن کو رو رو کر احساس دلانا پڑے، وہ اس تکلیف کی ہلکی سی چبھن بھی محسوس نہیں کر سکتے، کیوں کہ ان کے دل میں ہمارا درد سما ہی نہیں سکتا۔“

”مایا! میں نہیں جانتا کہ تم یہ سب کیوں مجھے سناتی ہو؟ ہر بار یہی بات کرتی ہو، جانے تمھیں مجھ سے گلے کیسے پیدا ہو گئے... سچ پوچھو، تو میں بھی تمھیں یقین دلا دلا کر تھک گیا ہوں... شاید سچ ہی کہتے ہیں کہ ہر انسان کی زندگی میں ایک وقت ضرورت آتا ہے، جب وہ ان رشتوں پر ہار مان لیتا ہے، جنھیں وضاحتیں اور قسمیں دینی پڑیں، کیوں کہ کبھی کبھی الفاظ اپنا سہارا نہیں لینے دیتے، خاص کر کے جب چاہتیں اس ضد پر اڑ جائیں کہ ان پر بغیر قسم کھائے وضاحت دیئے اعتبار کیا جائے۔“

”شاویز! میں نے کوئی وضاحت نہیں مانگی۔ میں نے تو بس ایک ماں سے تم سے یہ امید رکھی ہے کہ تم میرے دکھ کو سمجھنے کی کوشش کرو، لیکن اگر تم کہتے ہو، تو وہ امید بھی توڑ دیتی ہوں، لیکن ایک بات کہوں... کیا تم نے کبھی کچے گھروں میں رہنے والوں کے چہروں پہ سکون دیکھا ہے؟ بالکل ویسا ہی سکون یک طرفہ نبھاہ کرنے والوں کے چہروں پر ہوتا ہے، کیوں کہ وہ کچھ نہ ملنے پر بھی صبر کرنا سیکھ جاتے ہیں... اب میں بھی گلہ کیے بغیر تمھارا انتظار کروں گی۔“

شاویز کچھ دیر تک خاموش رہا، پھر اس نے اجازت لے کر فون بند کر دیا۔

مایا بہت دیر تک اپنی سوچوں سے الجھتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ کہیں نہ کہیں شاویز بھی اسی حالت سے گزر رہا ہے۔ اگلے تین مہینوں میں کیا ہونے والا ہے، اس کا علم کسی کو نہ تھا، مگر ایک نہ ختم ہونے والا مسلسل ڈر راتوں کی نیندیں حرام کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ ساری رات عجیب سی بے چینی میں گزری۔ کبھی وہ کمرے کی لائٹ آف کرتی، تو کبھی جلا لیتی، مگر نیند تھی کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

اگر نیند کا تعلق اندھیرا کرنے سے ہوتا، تو وہ لوگ بھی سکون سے سو سکتے، جن کے وجود کو راتیں، یادِ ماضی کی قبروں میں اتار دیتی ہیں، اس سے زیادہ گھپ اندھیرے کیا ہوں گے اور اس سے زیادہ ضبط کیا ہو گا کہ وہ اس گھپ اندھیرے میں دن چڑھے تک آنکھیں کھولے سوتے ہیں۔

☆☆☆

"شاویز! میں نے تمھیں صاف صاف بتا دیا ہے بیٹا! وہ لوگ کسی بھی صورت میں ہمارے لائق نہیں ہیں... تم پھر بھی اسی بات پر اڑے ہوئے ہو۔۔"

شاویز فون پر ماما سے مایا کے بارے میں بات کر رہا تھا جب کہ اس کی ماں کسی بھی صورت میں اس کی بات سے متفق نہیں تھیں۔

"ماما جانی! تو اس میں مایا کا کیا قصور ہے اور پھر بعد میں ان لوگوں سے کون رابطہ رکھے گا... اس لڑکی نے میرا پانچ سال تک انتظار کیا ہے ماما جانی! پلیز... آپ تو اپنے بیٹے کے جذبات سمجھتی ہیں ناں!"

اس کی والدہ نے پوری کوشش کر کے شاویز کو آخر اپنے آنسوؤں سے خاموش کرا دیا۔ انھیں پتا تھا کہ شاویز کسی بھی صورت میں ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔

اس روز وہ غم سے ٹوٹ چکا تھا اور رات کے اس پہر وہ برمنگھم سٹی سینٹر کے قریب ڈرائیو کرتا ہوا براڈوے اسٹریٹ پہنچا... سڑک کے ایک طرف گاڑی پارک کر کے وہ مختلف روشنیوں سے مزین کلبز کو دیکھتا رہا اور آخر ایک چھوٹے سے بار میں داخل ہو گیا۔

مدھم روشنی میں ڈوبا ہوا وہ بار ہلکی سی موسیقی سے گونج رہا تھا۔ شاویز ایک کونے میں موجود خالی ٹیبل پر جا بیٹھا۔ کچھ ہی دیر میں ویٹر نے اس کے آگے شراب کی اقسام کی فہرست رکھ دی۔ شاویز پہلی بار اپنے حالات سے تنگ آ کر اس جگہ آیا تھا، وہ شراب کے بارے میں بالکل نہیں جانتا تھا۔ ویٹر نے اس کی لاعلمی بھانپتے ہوئے اسے کچھ مشورے دیے۔ شاویز نے ریڈ وائین کا انتخاب کیا اور پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

زندگی کبھی کبھی انسان کو اس موڑ پر پہنچا دیتی ہے، جہاں وہ ہر طرح کے کام کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، جس کا عام حالات میں وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔

شاویز کچھ ہی دیر میں وائین کے کئی گلاس پی چکا تھا۔ اب آنسو تھے کہ مسلسل اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ وہ اپنے حواس کھوتا جا رہا تھا، مگر مایا کا چہرہ ایک پل کے لیے بھی اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔

دکھ کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ وہ اشکوں کے مسلسل بہنے سے بھی کم نہ ہوئی۔

ایک طرف شاویز کی امی تھیں، جن سے وہ بے پناہ محبت کرتا تھا اور ایک طرف مایا... جس کے بغیر وہ جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا ... تھا۔ عجیب دوراہے پر زندگی آ کھڑی ہوئی تھی۔ ایک راستا چنتا، تو بھی ٹوٹ جاتا اور دوسرا چنتا تو پھر بھی ادھورا رہ جاتا سب کچھ واقعہ ہی کبھی کسی کو پوری طرح سے یہاں کچھ نہیں ملتا... کہیں نہ کہیں ہم سب ادھورے ہیں... نامکمل ہیں جیسے ... کوئی خلش، کوئی کمی ہماری زندگیوں کا حصہ ہے... ہر خوشی کہیں نہ کہیں اداسی کا ہلکا سا رنگ ضرور لیے ہوتی ہے اور جنھیں خوشیاں نصیب ہوتی ہیں، ان ... کے لیے دکھ بھی کہیں نہ کہیں ان کے منتظر ہوتے ہے... ہم میں سے کوئی بھی مکمل خوش نہیں ہوتا

شاویز نے لرزتے ہاتھوں سے موبائل نکالا اور مایا کا نمبر ملایا... پاکستانی وقت کے مطابق صبح کے چار بج رہے تھے۔ مایا اس وقت بھی نیند کے لیے ترس رہی تھی۔

شاویز کا نام موبائل اسکرین پر دیکھتے ہی اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

شاویز نے لڑکھڑاتی آواز میں پہلے یہ جملے دوہرائے۔

"جھرنے، پھول، ستارے، خوشبو

... تیرے قدموں سے وارا ہے

تیری خاطر ہی تو

اے محبت ہم نے

غنچہء دل اجاڑا ہے"

مایا کا دل ایک دم سے تیز تیز دھڑکنے لگا۔ وہ شاویز کی حالت سے اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ کس قدر رویا ہو گا۔ اس کی آواز کی لڑکھڑاہٹ اس کے ہر فعل کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

"شاویز! تم ٹھیک تو ہو؟ یہ سب کیا ہے؟"

"مایا!"

وہ پھر سے لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔

"جو دکھ لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتے ہیں ناں! وہ آہستہ آہستہ دل میں آکر حسرتوں کے ساتھ دفن ہو جاتے ہیں، پھر چاہے الفاظ میسر آنے پہ ان کی قبر کشائی کر لو... وہ ان سنے دکھ انسان کی مٹی میں تحلیل ہو جاتے ہیں، جو کبھی سنائی نہیں دیتے، مگر نڈھال وجود سے دکھائی ضرور دیتے ہیں... مگر مایا! وہ ان سنے دکھ... ان سنے دکھ ہی رہ جاتے ہیں... میں جتنی بھی کوشش کر لوں مایا! ساری دنیا کے الفاظ سمیٹ کر اپنی اذیت بیان کروں، تو بھی تم اس شدت کو محسوس نہیں کر سکو گی جس کرب سے میں گزر رہا ہوں... میں کیا کروں میں تمھیں کھونا نہیں چاہتا، لیکن حالات جانے کہاں لے جا رہے ہیں ہمیں۔۔۔"

وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔

مایا نے شاویز کو پہلی بار اس حال میں دیکھا... وہ چاہ کر بھی آنسو روک نہ پائی۔

"کبھی کبھی آنسو کسی ان جانی تکلیف سے بہتے رہتے ہیں اور انسان چاہ کر بھی ان آنسوؤں کی وجہ نہیں ڈھونڈ پاتا۔ ایسی گمنام تکالیف اتنی شدید ہوتی ہیں کہ پہروں رو کے بھی لگتا ہے کہ وہ دکھ ابھی بھی کہیں اندر سانس میں اٹکا ہوا ہے۔"

"مت کرو یہ سب پلیز! میں خود تکلیف سہہ سکتی ہوں، مگر تمھیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتی... خود کو سنبھالو شاویز! خدا کا واسطہ... ایسے مت کرو"

مایا رو رو کر شاویز کو واسطے دینے لگی۔

کچھ ہی دیر میں رابطہ منقطع ہو گیا اور وہ شاویز کے نمبر پر فون کرتی رہی، لیکن اس کا نمبر مسلسل بند جا تا رہا۔

وقت اور حالات کتنے بے رحم ہو جاتے ہیں کبھی کبھی... انسان سوچتا کچھ اور ہے اور ہوتا کچھ اور ہے ۔۔۔

کچھ دن گزرے، آمنہ اپنی امی کے ساتھ مایا کے گھر آئی۔ وہ اپنی شادی کا انویٹیشن اسے دینے آئی تھی۔

کتنا مشکل ہوتا ہے، مگر زندگی سمجھوتا کرنے کے علاوہ کوئی اور موقع دیتی ہی نہیں... آمنہ بھی حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ قدم اٹھا رہی تھی۔۔ مگر اس کے چہرے پر بہت اطمینان اور سکون تھا... وہ مایا کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھ سکی، کیوں کہ اس کے بہت سے کام پینڈنگ تھے، لیکن مایا کی حالت دیکھ کر اسے بہت دکھ ہوا۔ وہ اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس چلی گئی، تو مایا پھر سے کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔ اس کا دل چاہا کہ کاش! امی ہوتیں، تو وہ ان کے گلے لگ کر خوب روتی۔

جو تکالیف، جو دکھ ماں باپ کے بغیر سہنے پڑتے ہیں ان کی شدت انسان کو توڑ کر رکھ دیتی ہے... پھر چاہے، وہ کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو۔۔ تنہا سنبھلنا بہت مشکل ہوتا ہے۔۔

اور ویسے بھی جب آپ کے ارد گرد بسنے والے آپ کو سمجھ ہی نہ پائیں، تو ایسے حالات میں یہی بہتر ہوتا ہے کہ ان میں رہتے ہوئے خود کو سب سے الگ کر لیا جائے... اپنے آنسو خود پونچھنے سے... خود کو خود ہی تسلی دینے سے... دل بڑا مضبوط ہونے لگتا ہے... پھر تنہائیاں بھی راس آنے لگتی ہے اور لوگوں کے رویے بھی تکلیف نہیں دیتے اور جہاں حقیقت کی دنیا سوائے دکھ کے کچھ نہ دے سکے، تو انسان نا چاہتے ہوئے بھی اپنی ایک الگ دنیا بسا لیتا ہے۔۔۔

☆☆☆

" ماما! کیسی ہیں آپ؟"

" شامیر بیٹا! میں ٹھیک ہوں... تم سب کیسے ہو؟ اور ریحان کا اب کیا حال ہے؟"

" سب ٹھیک ہے ماما...! لیکن"

لیکن کیا؟" اس کی والدہ نے ریسیور دوسرے کان سے لگاتے ہوئے تیزی سے پوچھا۔

"شاویز کو ایک ہفتہ ہو گیا ہے... وہ بات ٹھیک سے کرتا ہے... نہ کمرے سے باہر نکلتا ہے... کچھ دن پہلے میں اسے براڈوے روڈ کے ایک بار سے اٹھا کر لایا تھا... یہ سب کیا ہے ماما! کیا کروں میں اس لڑکے کا؟"

" یہ تم کیا کہہ رہے ہو شامیر! شاویز سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔"

"ماما! فی الحال یہ سب باتیں چھوڑیں، لیکن اگر وقت پر کوئی اچھا سا فیصلہ نہ کیا گیا، تو مجھے لگتا ہے کہ شاویز اپنی دوبئی کی پراپرٹی سے بھی بہت بڑا نقصان کر دے گا۔۔"

" شامیر! اس کا خیال رکھو... کوشش کر کے اس کا دل بہلاؤ... میں کچھ سوچتی ہوں... تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے"

اس کی امی نے کچھ دیر بات کرنے کے بعد فون رکھتے ہوئے صوفے کی پشت سے اپنا سر لگا لیا۔ وہ گہری سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

ادھر شاویز کی حالت دن بدن بگڑتی چلی گئی۔ وہ کئی کئی دن کسی سے بات نہ کرتا...ماں نے ایک دو بار کوشش کی، لیکن وہ طبیعت کی ناسازی کا بہانہ بنا کر فون رکھ دیتا۔۔۔

☆☆☆

ادھر مایا کے لیے بھی زندگی تنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

ایک دن خالہ صغریٰ گھر آئیں۔ مایا اور شاویز کے بارے میں پوری تفصیلات لیتے ہوئے وہ اسد سے بہانے بہانے سے عاطف کے موضوع پر بات کرتی رہیں۔ عاطف بری طرح سے نشے کی لت میں مبتلا ہو چکا تھا۔ خالہ صغریٰ نے بہت کوشش کی، مگر کوئی بہتر رشتہ نہ ڈھونڈ پائیں، اگر کوئی ملتا، تو عاطف صاف انکار کر دیتا۔

دو مہینے اسی طرح گزر گئے جب اسد کو شاویز کے گھر کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا، تو اس نے مایا کو صاف الفاظ میں بتا دیا کہ خود کو ذہنی طور پر تیار کرے۔۔۔ مایا، نیہا سے بات کرتی، تو وہ بھی شاویز کے کم ظرف ہونے اور بزدل ہونے کے طعنے دیتی اور مایا کو یہی نصیحت کرتی کہ جتنا جلدی ہو سکے، یہاں سے باعزت طریقے سے کسی اچھے سے رشتے کو قبول کر لے۔

شاویز نے بھی کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ مایا پوری طرح خود کو اس کی بے وفائی کا یقین دلانے کی کوشش کرتی اور ناکام ہو جاتی... کئی کئی پہر روتے ہوئے گزر جاتے۔۔۔

وہ سب خواب جو شاویز نے مایا کی آنکھوں کو سونپے تھے، وہ سب آنسوؤں کے ساتھ روز بہتے... وہ روز خود کو سمیٹتی اور روز ٹوٹ جاتی ... حوصلے تھے کہ ساتھ دینے کو تیار نہیں تھے... وہ دل ہی دل میں شاویز سے گلے کرتی، مگر نفرت چاہتے ہوئے بھی نہ کر پائی... لڑکیاں شاید اپنی محبت میں اتنی ہی بہادر ہوتی ہیں، زمانے بھر کی سزائیں سہ لیتی ہیں، مگر اس انسان سے نفرت نہیں کر پاتیں، جو زمانے کی ٹھوکریں سہنے کے لیے انھیں اکیلا چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔۔۔

اس دن قندیل، مایا سے ملنے کے لیے گھر آئیں۔ مایا کی حالت دیکھ کر وہ بہت رنجیدہ ہوئیں۔

"ایسا کیوں ہوتا ہے قندیل! اپنے برے رویوں کے پھندے ہمارے گلے میں ڈال کر لوگ ہماری موت کو بھی انہونی قرار دیتے ہیں ... یہ میرے خون کے رشتے دیکھیں... آج کس مقام پر مجھے لائے ہیں... انھوں نے مجھ پر زندگی کتنی تنگ کر دی ہے... میں کھل کر رو بھی نہیں سکتی..."

قندیل نے مایا کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور سہلاتے ہوئے بولیں۔

"پتا ہے مایا! غیروں کے ہاتھوں ٹوٹنے کی نوبت ہی تب آتی ہے جب انسان اپنوں سے مایوس ہو کر ہر راہ گزر کو آشیانہ سمجھنے لگتا ہے... محبت پا لینے کی آرزو انھیں در در لیے پھرتی ہے، مگر جن کو اپنوں کے ہی دل تنگ ہیں، ان کے لیے پرائے ٹھکانے کبھی دائمی نہیں ہوتے.."

"اپنوں نے جو بویا، سو کاٹا... وہ انسان بھی میرا نہ بن سکا قندیل! کبھی ایک پل نہیں گزرتا تھا اس کا میرے بغیر اور اب کئی کئی دن بات نہیں کرتا... کوئی اتنا پتھر دل کیسے ہو سکتا ہے... وہ مجھے کھونے سے بھی نہیں ڈرتا شاید.."

"مایا! بعض دفعہ لوگ ہمیں صاف منہ پہ جواب نہیں دیتے... بس ہاتھ پکڑ کر اتنا دور چھوڑ آتے ہیں کہ ہم بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہ جاتے ہیں... اس طرف تو دھیان جا ہی نہیں پاتا کہ یہ فاصلے، یہ دوریاں کوئی مجبوریاں نہیں بلکہ تہ در تہ زنجیریں ہیں، جو ہمیں ہماری حد میں رکھنے کے لیے پہنائی جاتی ہیں.."

"لیکن قندیل... دل کو یقین کیوں نہیں آتا"

مایا اب نظریں جھکائے سوال کر رہی تھی۔

"کیوں وہ خواب نظروں سے اوجھل نہیں ہوتے، جو خواب شاویز نے اپنی محبت میں میری نیندوں کو سونپے تھے... وہ یہ بات کیوں نہیں سمجھتا کہ... بند آنکھوں سے خواب دیکھنے والوں کے خواب بھی ٹوٹ سکتے ہیں اور کھلی آنکھوں سے دیکھنے والوں کے بھی، لیکن بس فرق اتنا ہے کہ کھلی آنکھوں کے خواب پورے ہونے کے بعد ٹوٹتے ہیں، اس لیے ان کی تکلیف کی شدت عمر بھر کے لیے ایک کسک بن کر رہ جاتی ہے..."

"مایا! ایک بات کہوں... دھیان سے سننا! اکثر خواب خوب صورت تتلیوں کی طرح ہوتے ہیں... انسان انھیں بے اختیار پکڑنے کے لیے ان کے پیچھے دوڑتا ہے... ٹھوکر کھا کر گر جاتا ہے، مگر انھیں پالینے کی آرزو اتنی شدید ہوتی ہے کہ وہ خواب گھنے جنگلوں میں لے اترتے ہیں اور پھر تاریکیاں چھاتے ہی وہ خواب ایک دم سے او جھل ہو جاتے یں اور انسان اس جنگل میں بھٹکتا پھرتا ہے... اور یہ دنیاوی آرزوؤں کے خواب ایسے ہی انسان کو پیچھے لیے پھرتے ہیں جب تک کہ وہ پوری طرح گمراہ نہیں ہو جاتا ہے... مایا! اب وقت آگیا ہے کہ تم زندگی کو اس کا صحیح حق ادا کرو۔۔"

"ایک انسان کی محبت میں بہت بھٹک لیا... کتنے سال گنوائے تم نے... پھر بھی اسے لگتا ہے کہ تم نے اس کی محبت کا حق ادا نہیں کیا ہے کبھی سوچا ہے مایا! کتنے سال ہو چکے ہیں ہمیں اس دنیا میں آئے ہوئے، مگر کیا ایک بار بھی اللہ نے حساب لیا اپنی عطاؤں کا... اپنی نعمتوں کا... کیا اس نے کبھی حق مانگا؟ یہی گمراہی ہے مایا! یہیں سے ہم لوگ بھٹک جاتے ہیں... تم اللہ کے سپرد کر کے دیکھو اپنا آپ... پھر دیکھنا، وہ تمھیں کتنا صبر دیتا ہے۔۔"

"میں جانتی ہوں قندیل! اور یہ بھی جانتی ہوں کہ جو صبر انسان کو محبت سکھاتی ہے، وہ صبر زندگی کی کوئی اور آزمائش نہیں سکھا سکتی... محبت کر کے انسان ہر رویہ، ہر سلوک ایسے ہنس کر سہتا ہے جیسے اس صبر کا صلہ دنیا میں ہی دیا جائے گا۔۔۔"

"یہی تو مسئلہ ہے مایا! کہ ہم دنیا ہی میں صلہ مانگتے ہیں حالاں کہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ہر عمل کا جو صلہ ہمیں آخرت میں ملے گا، وہ دنیاوی صلے سے کہیں بڑھ کر ہو گا... تم بس صبر کرو... دیکھنا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا... اب کسی سے کوئی شکایت مت کرو۔۔"

" قندیل!"

"دل صبر کر کے پتھر ہونے لگے، تو کیا کرتے ہیں؟ کبھی کبھی یقین نہیں آتا کہ جو ہمارے ساتھ ہو رہا ہے، کیا وہ ہم ڈیزرو کرتے ہیں اتنا مخلص ہو کے بھی۔۔"

مایا اپنے آنسو روکتے ہوئے بڑی مشکل سے بات کر پائی۔

"مایا! صبر کی ایک صورت وہ بھی ہوتی ہے جس میں ہم اللہ کی رضا سمجھ کر سب کچھ سہ لیتے ہیں... تب دل پتھر نہیں ہوتے، کیوں کہ تب ایک انسان سے امید رکھنے کا عمل ختم ہو جاتا ہے... تب صلہ بھی اللہ دیتا ہے اور حوصلہ بھی۔۔۔"

مایا نے آنسو پونچھتے ہوئے قندیل کی آنکھوں میں دیکھا، جو افسردہ سے چہرے سے اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔

"ایک عام انسان پیغمبروں، ولیوں جتنا صبر کہاں سے لائے؟ کیسے کرے اتنا بڑا دل، جو کسی کا ہر گناہ معاف کر تا جائے یہاں تک کہ وہ اسے اجڑے چمن سا کر دے... خار دار کر دے روح کے گلشن کو... لہجے کی شیرینی میں زہر گھول دے... اکتاہٹ بھر دے لوگوں سے... کیسے کرتے ہیں صبر، ایسے شخص کے ساتھ جب کہ میرے اندر عام انسانوں جتنا ظرف ہو... تو میں کہاں جاؤں... ہزار لمحوں میں کوئی ایک لمحہ تو صبر کی حدود کو توڑ کر اختیار سے دور کھڑا ہو جائے گا ناں! ہونٹوں پر لگے خاموشی کے تالوں کو توڑ کر منہ سے بد دعا نکل ہی جائے گی ناں! کیوں کہ میں ولی تو نہیں ہوں... میں ایک عام سی، بے بس سی بندی ہوں اس رب کی... وہی رب، جو چاہے، تو مجھے ولیوں جتنا صبر دے دے۔۔"

مایا بے اختیار آنسو روکنے کی کوشش میں تھی، مگر لفظ ادا نہ ہوتے کہ پہلے آنسو پلکوں کی حدیں توڑ کر دامن پر آ گرتے... قندیل نے اسے گلے سے لگا کر دلاسا دیا۔

"میں ٹوٹ چکی ہوں قندیل! میں حوصلہ نہیں کر پا رہی۔۔ حقیقت بہت تلخ ہے۔"

"میں تو بس اتنا جانتی ہوں مایا! کہ جو محبتیں ہمیں توڑ کر اللہ سے جوڑتی ہیں... انھیں ہر گز کوسنا نہیں چاہیے... ان کے حق میں دعائیں کرنی چاہییں کہ انھوں نے آپ کو کمزور، بے فیض سہاروں سے محروم کر کے آپ کو اکیلا چھوڑا... آپ کو توڑا تا کہ آپ ٹوٹے ہوئے وجود سے جھکیں، تو سامنے اللہ دکھائی دے... وہ اللہ جو تب بھی وہاں موجود تھا، جب ہم سرابوں میں تھے... وہ تب بھی تھا، جب ہم بت سجائے دلوں میں آسمانوں میں اڑتے تھے اور وہ اب بھی وہیں موجود ہے جب ہم ٹوٹے پروں سے زمین پر گر کر چکنا چور ہو گئے ہیں... ہم تھام کیوں نہیں لیتے، اس مضبوط سہارے کو... آخر یہ ٹوٹنا بکھرنا اور کب تک...؟ مگر نہیں... ہم ذرا سے سنبھلتے ہیں، تو اٹھ کر پھر سے نت نئے چہروں کو دیکھتے ہیں... آرزوئیں کرتے ہیں... ہم دشت میں خود ریت پھانکتے پھرتے ہیں... ورنہ! ہمیں دیس نکالے نہیں ہیں... ہم آج بھی چاہیں، تو اپنے راستے ہدایت والوں کی طرف موڑ دیں اور یقین جانو! رب کی مقرر کردہ حدود میں ہی سکون ہے۔۔۔"

مایا چپ چاپ سر جھکائے قندیل کی باتیں سنتی رہی اور قندیل بہت دھیمے سے لہجے میں اسے پیار سے سمجھاتی گئیں۔

"میں جانتی ہوں مایا! کہ تمھاری تکلیف تم ہی زیادہ بہتر جانتی ہو... میں کیا کوئی بھی اور اس شدت تک، اس انتہا تک نہیں پہنچ سکتا، لیکن کوئی فایدہ ہے اس طرح رونے سے... اگر دکھ بولتے، تو دکھ کو سہنے والے لی تکلیف درد دینے والے کا کلیجہ چیر دیتی... بے آواز آہیں اور کراہیں اللہ کے سامنے سجدوں میں اشکوں سے بیان ہوتی ہیں... اس لیے کچھ حساب اللہ کے حوالے کر دینے چاہییں... خاص کر جب انسان بدلہ لینے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی... بدلہ لینے کی ہمت نہ کر پائے... بس! اب تم اپنے دل سے ڈر نکال دو مایا! اور پرسکون ہو جاؤ... وہ شخص فریب نہیں دے گا... اتنا تو میرا دل بھی کہتا ہے۔۔"

"مجھے اس کے فریب سے ڈر نہیں لگتا قندیل! مجھے تو اپنے حوصلوں سے خوف آتا ہے... یہ سہنے پر تل جائیں، تو صبر کی وہ حد بھی پار کر جاتے ہیں جس کے بعد فریب دینے والا مجرم ہی نہیں لگتا۔۔"

"مایا! چلو اٹھو... میرے ساتھ آؤ... آج مس ارم کے بیٹے کی سال گرہ ہے... انھوں نے اسپیشل تمھیں بھی انوائیٹ کیا ہے... نکلو اپنے کمرے کی دنیا سے اور اپنا کچھ ماحول بدلو... ڈپریشن میں جا رہی ہو تم... چلو اٹھو شاباش۔۔"

قندیل نے مایا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانے کی کوشش کی۔

" نہیں قندیل! میں نہیں جاتی... مجھے اچھی نہیں لگتی ایسی پارٹیاں"

" تم لوگوں سے کتراتی کیوں ہو؟"

"کیوں کہ لوگ مجھے سمجھ نہیں سکتے"

" تو کیا تم نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی؟"

"نہیں قندیل! میں کوئی لاحاصل کوشش نہیں کرنا چاہتی..." مایا نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"مایا! اگر ہر کوشش سے پہلے لوگ یہی سوچ لیں، تو پھر کوئی اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو... لوگوں کا قصور نہیں ہے تم نے اپنی ذات کے گرد اتنی اونچی دیواریں کھینچ لی ہیں کہ لوگ تم تک پہنچ ہی نہیں پاتے... رہی بات لاحاصل کوشش کی تو... شاید کسی لاحاصل کی جستجو نے ہی تمھیں سب سے دور کر دیا ہے۔۔"

" ایسا نہیں ہے... بس امیدیں مار دیتی ہیں قندیل!"

"ہاں! اگر انسانوں سے ہوں تو،"

" لیکن اگر اللہ سے ہوں تو جینا سیکھا دیتی ہیں"

" لیکن قندیل! انسان بھی تو اللہ کی لکھی تقدیر سے ملتے ہیں"

"ہاں مایا! لیکن ہماری آزمائش بن کر، کہ ہم ان سے کہیں وہ امیدیں تو وابستہ نہیں کر لیتے، جو ہمیں دنیا میں مگن رکھتی ہیں... رشتے ہماری آزمائش ہیں مایا! ہمارا سہارا نہیں... سہارا واحد اللہ کا ہے اور بس!"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں قندیل! بالکل ٹھیک کہتی ہیں میں نے اس کے بغیر بھی تو وقت گزارا ہے ناں! اور پھر تنہائی بری نہیں ہوتی... اگر وہ اپنے ساتھ بری یادیں نہ لائے، مگر ایسا ہو نہیں سکتا کہ انسان اکیلا ہو اور کسی اذیت بھرے راستے کا ہاتھ نہ تھامے... سر جھکا کر کسی سراب کے پیچھے نہ چل پڑے۔۔"

" کیوں نہیں ہو سکتا مایا! ہو سکتا ہے، اگر اس تنہائی کو رب کے فراق میں گزارے... اپنے خدا کو یاد کرے"

" قندیل! آپ عام سے ٹوٹے بکھرے انسانوں سے اتنی بڑی توقع کیسے کر لیتی ہیں؟"

"کیوں کہ مایا! ٹوٹے بکھرے انسان اللہ کے بہت قریب ہوتے ہیں... بس! وہ پہلا قدم اٹھاتے ہیں اللہ کی طرف، تو اللہ ان کی تنہائیوں کو بھی سکون کے اجالے سے منور کر دیتا ہے۔۔"

قندیل کی باتیں مایا کے دل میں اترتی گئیں۔ وہ بہت غور سے سب کچھ سن رہی تھی اور دل میں عہد کر چکی تھی کہ اب وہ ضرور اپنے اندر بدلاؤ لائے گی... انسان سچے دل سے ارادہ کر لے، تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے لیے آسانیاں پیدا فرماتا ہے۔ وہ کبھی بھی اپنے بندے پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

اسی طرح مزید ایک ہفتہ اور گزر گیا اور آخر وہ وقت آہی گیا جس کا ڈر مایا کے دل میں گھر کرتا گیا۔

خالہ صغریٰ اور اسد کے بیچ کچھ دیر لمبی بات چیت چلی تھی اور پھر وہ مایا کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"مایا... میری بچی! خالہ بھی ماں جیسی ہوتی ہے... اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھ... تیری خالہ تیرے ہر درد کو سمجھتی ہے... وہ لڑکا شاویز... کبھی بھی تیرے لائق تھا ہی نہیں... ایسے لڑکے بس ٹائم پاس کرتے ہیں... مجھے اسد نے بتایا ہے کہ وہ لوگ کس طرح رشتے کے لیے پچھلے

کئی سالوں سے ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں... لڑکیوں کی ایک عمر ہوتی ہے، اگر وہ گزر جائے، تو کوئی نہیں پوچھتا میری بچی! لیکن تو فکر نہ کر... تیری خالہ ہے ناں! سب ٹھیک ہو جائے گا... اسد سے میری بات ہو گئی ہے... آج جا کر میں عاطف سے بھی بات کر لیتی ہوں۔۔۔"

یہ کہہ کر وہ مایا کے سر پر ہاتھ پھیر کر باہر چلی گئیں۔

مایا کو ایک لمحے کے لیے تو کچھ سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہی تھیں اور جاتے جاتے عاطف کا ذکر کس سلسلے میں کیا تھا۔ اب مایا کا دل ان جانے اندیشوں میں جکڑا جا چکا تھا۔

وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ ردا کمرے میں آئی اور ساتھ ہی سب اندیشوں نے حقیقت کا روپ دھار لیا۔ جب اس نے مایا کو عاطف سے شادی کرنے پر راضی کرنے کی کوشش کی۔

مایا کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔ وہ بلکل کچھ بولنے کی حالت میں نہیں تھی۔

ردا اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"دیکھو مایا! شاویز کے گھر والوں نے جو سلوک تمھارے بھائی کے ساتھ کیا اور جو رویہ اس کی ماں نے اختیار کیا، اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ کبھی تمھیں بیاہ کر لے جانے والے ہی نہیں تھے۔ تین ماہ کا وقت انھیں دیا تھا، لیکن ابھی تک ان کا جواب نہیں آیا۔ اب ہم نے کہیں تو تمھارا رشتہ کرنا ہی ہے ناں! ساری زندگی یوں گھر بٹھا کر نہیں رکھ سکتے اور خالہ صغریٰ تم سے کتنی محبت کرتی ہیں... عاطف گھر کا دیکھا بھالا لڑکا ہے، اس لیے تمھارے بھائی نے انھیں زبان دے دی ہے۔۔"

"بھابی! خدا کا واسطہ... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں... ایسے کیسے کر لوں میں عاطف سے شادی... میری شاویز سے منگنی ہو چکی ہے، آپ کو تو پتا ہی ہے۔"

" حقیقت کو جتنا جلدی تسلیم کر لو مایا! اتنا ہی تمھارے لیے اچھا ہے... بلکہ تمھارے لیے بھی اور ہمارے لیے بھی"

ان کا لہجہ کافی برہم ہو گیا تھا۔

مایا یہ سنتے ہی ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

"مایا! کچھ بھی ہو... لڑکیوں کو سمجھوتا کرنا ہی پڑتا ہے"

"سمجھوتا کرنے کا مطلب جانتی ہیں بھابھی! آپ؟ سیدھا سیدھا گلے انسان کے گلے پر چھری چلا کر اسے خاموشی سے درد سہنے کی نصیحت کرنا... آپ کے اس سمجھوتے میں، میں درد تو سہہ لوں گی، لیکن میری خاموش چیخیں آپ سب کو عمر بھر سنائی دیتی رہیں گی... پھر بھلے آپ مجھے مخمل کے کفن میں بھی وداع کریں گی ناں! تو بھی میری تکلیف میرے سرخ جوڑے کی ایک ایک شکن سے عیاں ہو گی۔ میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں... خدا کا واسطہ... مجھ پر یہ چھری مت چلائیں، جو میرے وجود کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دے، جو میری آوازوں کو ہمیشہ کے لیے دبا دے... میں درد سے چیخوں بھی، تو آپ سب تک میری آواز نہ پہنچ پائے۔"

"مایا! تم کواہ مخواہ بات کو طول دے رہی ہو... ہزاروں لڑکیوں کو سمجھوتا کرنا پڑتا ہے اور بھلا کیا کمی ہے عاطف میں؟"

"کمی؟ بھابھی! پورے خاندان میں کوئی ایک گھر بھی بتا دیں، جو عاطف کو رشتہ دینے کے لیے تیار ہے... آپ لوگ کیسے مجھے ایسے انسان سے شادی کے لیے مجبور کر سکتے ہیں، جو ہر وقت نشے میں دھت رہتا ہے۔"

ردا غصے میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"جو بھی بات کرنی ہے، اپنے بھائی سے کرو، جو خالہ صغریٰ کو زبان دے چکے ہیں... خالہ صغریٰ ایک ماہ کے اندر اندر یہ شادی کرنا چاہتی ہیں اور مایا بی بی! عاطف کی جو بھی عادتیں ہیں، وہ چھڑائی جا سکتی ہیں اور وہ دنیا کا پہلا لڑکا نہیں ہے، جو نشہ کرتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر نکلنے لگیں کہ مایا نے روتے ہوئے سوال کیا۔

"بھابھی! سمجھوتا کرنے میں کیا گارنٹی ہے کہ میری ساری تکلیفوں کا ازالہ ہو جائے گا؟"

"تمھارے اس طرح جلتے رہنے میں کیا گارنٹی ہے کہ ایک دن تمھیں خوشیاں ملیں گی؟"

"بھابھی! میرے اس طرح جلتے رہنے میں کوئی پچھتاوے شامل نہیں... میں اس تنہائی کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہوں"

"مایا! ہماری اپنی بھی بہت ذمہ داریاں ہیں... مہربانی کرو ہمارے حال پر"

"بھابھی!" مایا ان کے جواب سے ٹوٹ کر رہ گئی... پھر ہمت کر کے بولی۔ "اگر میں نوکری کر لوں، تو کیا تب بھی آپ مجھے اس شادی کے لیے مجبور کریں گی؟"

"توبہ... توبہ! تم ہمارے خلوص پر شک کر رہی ہو کہ ہمیں تمھاری کمائی چاہیے... کتنی بری سوچ ہے تمھاری؟ تم یہی احسان کرو ہمارے حال پر کہ اپنا گھر بسا لو... بس!"

یہ کہہ کر وہ باہر چلی گئیں۔ مایا بار بار دل میں اپنے ابو امی کو یاد کر کے روتی رہی۔

"کاش! آپ دونوں ہوتے... امی... ابو! آپ دونوں کہاں ہیں... دیکھیں! میں کس تکلیف سے گزر رہی ہوں... کوئی میرا درد نہیں سمجھتا آپ آجائیں واپس۔۔۔"

وہ مسلسل ان سے باتیں کر کے روتی رہی۔

اکثر اوقات کسی شدید محبت سے چوٹ کھانے کے بعد ہم صبر کا گھونٹ بھر لیتے ہیں اور ساتھ ہی کسی بڑے سمجھوتے کے لیے خود کو تیار کر لیتے ہیں، مگر دل کسی بے لگام گھوڑے کی طرح آپ سے آگے آگے بھاگتا ہے، وہ ہر ممنوعہ سوچ اور یاد کی دہلیزیں پار کر جاتا ہے... اور ایسے حالات میں انسان کئی ٹکڑوں میں بٹ کر رہ جاتا ہے۔

وہ ساری رات بار بار شاویز کا نمبر ملاتی رہی، مگر وہ بند ہی ملتا رہا۔ جتنی بار بھی آنسو پونچھ کر سونے کی کوشش کرتی، دل میں برے برے خیالات آنے لگ جاتے۔

آنکھیں بند کرتی، تو خیال آتا کہ اگر شاویز نے ساتھ نہ دیا، تو۔۔۔

اور پھر سے اٹھ کے بیٹھ جاتی۔۔

آنکھیں زبردستی بند بھی کر لیں، تو نیند تو تب ہی آئے گی جب یادیں دل کے پرانے زخموں کو کرید کے تکلیف کو اس شدت پر لے جائیں گی کہ نیند کو ترسی آنکھیں دل کے لہو سے بھر جائیں گی۔۔۔ اور مایا سع بہتر یہ بات کون جانتا تھا جو ہر روز خون کے آنسو روتی تھی۔۔

مایا کا درد صرف وہ خود ہی سمجھ سکتی تھی اور اس کے ایک ایک آنسو کا گواہ ہر گزرنے والا لمحہ تھا، جو اس کی زندگی کی بدترین آزمائش بنتا جا رہا تھا۔

کبھی کبھی زندگی اتنی مہلت بھی نہیں دیتی کہ پہروں بیٹھ کے بنایا جانے والا اپنی محبت کا تصوراتی محل... دو گھڑی بس دو گھڑی سکون سے دیکھ سکیں... اس تکلیف کی شدت بالکل ویسی ہی ہوتی ہے جیسے کوئی سوتیلی ماں، بچے کے بنائے ہوئے گھروندوں کو بے رحمی سے توڑتی ہوئی گھسیٹتی ہوئی لے جاتی ہے۔ اس وقت جو محرومی اور حسرت بچے کی آنکھوں میں رہ جاتی ہے ناں اور جب وہ گھسٹتے وجود کے ساتھ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے، وہی آنسو جو اس وقت اس کی آنکھوں سے اپنے ٹوٹے گھروندوں کو دیکھ کر بہتا ہے ناں! بالکل وہی ... آنسو ان آنکھوں میں بھی ہوتے ہیں جن کے محبتوں کے تصوراتی محل مسمار کر دیے جاتے ہیں

مایا تمام تر خدشات کو جھٹکتے ہوئے اٹھی اور وضو کر کے نماز ادا کرنے لگی... پھر قرآن مجید کھولا اور ترجمے سے پڑھنے لگی۔

سورۃ بقرۃ کا ترجمہ پڑھتے ہوئے مایا کا دل اور پر سکون ہوتا چلا گیا۔

"صبر اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو... یہ نماز بہت بھاری ہوتی ہے ان لوگوں کے لیے، جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں ۔"

قندیل کی ساری باتوں کا اشارہ جس سکون کی طرف تھا اور جو وہ مایا کو احساس دلانے کی کوشش کر رہی تھیں سب حقیقت سجدے میں رب کے سامنے جھکتے ہی بہت واضح ہو گئی اور بے شک قرآن پاک میں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے زندگی کے ہر پہلو سے متعلق راہ نمائی فرمائی ہے اور قرآن بذاتِ خود دلوں کا سکون ہے... مایا نے سورۃ رحمٰن کی تلاوت کی اور اس کی آنکھوں سے مسلسل ... آنسو بہتے رہے، مگر اس کے بعد جو اطمینان اور حوصلہ مایا نے اپنے اندر محسوس کیا... وہ واقعہ ہی کسی اور سے بات کرنے پر نہ ملتا

کچھ روز گزرے، تو خالہ صغریٰ، عاطف کے ہمراہ مٹھائی کا ڈبا اٹھا کر گھر آ گئیں۔

عبید کو مایا کی حالت کا پتا تھا اور وہ عاطف سے رشتے کے لیے قطعاً راضی نہیں تھا۔ اس نے اسد سے کئی بار بات کرنے کی کوشش کی، مگر اس نے عبید کو بری طرح سے جھڑک دیا۔

عاطف، مایا کو کچن میں دیکھ کر فوراً وہاں دروازے سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور جن چبھتی نظر سے وہ اسے دیکھتا رہا، مایا وہ تمام وقت دل ہی دل میں اسے برا بھلا کہتی رہی۔ اس شخص کے ساتھ زندگی گزارنا تو دور کی بات، دو لمحے کاٹنا بھی بے حد مشکل تھا۔ ابھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اچانک عاطف کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

" اب کہاں گیا تیرا وہ عاشق ؟"

ساتھ ہی اس نے بلند آواز میں قہقہہ لگا کر مایا کے دل کو چھلنی کر کے رکھ دیا۔

مایا نے سخت ناگواری سے اسے دیکھا اور پھر منہ پھیر کر اپنے کام نبٹانے لگی۔

" شاویز! کاش مجھے خبر ہوتی کہ تمھاری محبت مجھے ایک دن یہ وقت بھی دکھائے گی، تو میں کبھی تم پر یقین نہ کرتی۔"

وہ دل ہی دل میں شاویز سے شکوے کرنے لگی۔

بے بسی انتہا کو پہنچ جائے، تو کچھ ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے انسان کی... جس سے گلے کرنا چاہتا ہے، اسے تقدیر اس کی سوچ سے بھی بہت دور لے جاتی ہے۔

صغریٰ خالہ اور عاطف کے جاتے ہی مایا نے ہمت کر کے اسد سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ اسد کے کمرے پر آہستہ سے دستک دے کر اندر داخل ہوئی۔

" بھائی! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

ردا وہیں بیٹھی بچوں کے کپڑے استری کر رہی تھیں جب کہ اسد ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھا۔

اسد نے ردا کی طرف دیکھا اور پھر ماتھے پہ تیوری چڑھاتے ہوئے مایا کو قریب پڑے ہوئے سوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

مایا نے سوفے پر بیٹھتے ہوئے ایک نظر ردا کو دیکھا، جو بڑے انہماک سے مایا کی بات کی منتظر دکھائی دے رہی تھیں۔

" بھائی...! وہ"

مایا نے گلہ صاف کر کے دھیمی آواز میں بولنا شروع کیا۔

" ! میں عاطف سے شادی نہیں کرنا چاہتی... آپ خالہ صغریٰ کو انکار کر دیں... پلیز"

" ! مایا"

اسد نے غصے سے بھرائی ہوئی آواز میں اس کا نام پکارا۔

"تم جانتی ہوناں! میں انھیں زبان دے چکا ہوں اور اگر عاطف سے نہیں کرنی، تو کون سا شہزادہ آسمان سے اترنے لگا ہے تمھارے لیے؟"

اب مایا کی آواز بھر آئی۔

" بھائی! اگر امی ابو ہوتے، تو وہ کبھی ایسا قدم نہ اٹھاتے... آپ ان کا ہی کچھ سوچ لیں بھائی! اگر آپ کو میرا دکھ دکھائی نہیں دے رہا "

"مایا! امی ابو نے پہلے ہی جو ظلم تمھارے ساتھ کیا ہے...شاویز جیسے لڑکے کو تمھارے رشتے کی ہامی بھر کے...تم سوچو ذرا! کتنا غلط فیصلہ تھا ان کا... شکر کرو کہ میں نے تمھاری جان بچالی...ورنہ! اب تک تو پتا نہیں کیا سلوک ہوتا تمھارے ساتھ وہاں اور رہی بات عاطف کی، تو اس میں کوئی خرابی نہیں ہے...پہلے نشہ کرتا تھا، مگر اب کافی حد تک سنبھل گیا ہے۔۔"

اتنا کہہ کر اسد نے ٹی وی کی آواز بلند کر دی اور پوری توجہ سے نظریں اسکرین پر گاڑ دیں۔مایا کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اب وہ اس موضوع پر مزید بات نہیں کرنا چاہتا۔

مایا کے آنسو اب مسلسل بہ رہے تھے۔وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔اسے اپنا وجود اتنا شکستہ لگا کہ دو قدم اٹھانے کی بھی ہمت نہ رہی۔وہ کسی طرح گرتے پڑتے اپنے کمرے تک پہنچ گئی۔

اس کا دل دھاڑیں مار کر رو رہا تھا۔

"ابو! آپ دیکھ رہے ہیں ناں... پلیز! مجھے بچالیں... امی! آپ کی بیٹی پر کیا ظلم ہونے والا ہے... آپ سب دیکھ رہی ہیں... کہاں ہیں آپ دونوں... آپ کو خدا کا واسطہ! کچھ کریں۔"

وہ بار بار اپنے امی ابو کو پکارتی رہی۔کبھی اللہ کے آگے گڑگڑاتی، تو کبھی اپنے ماں باپ کو پکارنے لگتی۔تھوڑی دیر کے بعد اس نے موبائل اٹھایا اور شاویز کا نمبر ملایا۔آج نمبر آن تھا۔کچھ دیر بیل جاتی رہی، لیکن کسی نے فون نہ ریسیو کیا۔مایا کا دل بجھ کر رہ گیا۔آج اتنے دن کے بعد شاویز کا نمبر آن ملا تھا، پھر بھی بات نہیں ہو سکی تھی۔وہ اپنی سوچوں میں ڈوبی خود سے لڑتی رہی کہ اس نے کیوں شاویز پر اعتبار کیا، مگر کچھ باتوں کے جواب ہوتے ہی نہیں ہیں۔

دو گھنٹے گزرے ہی تھے کہ مایا کا موبائل وائبریٹ ہوا۔ اس نے فوراً موبائل اٹھایا اور شاویز کا نمبر دیکھ کر اس کے دل میں امیدوں کے جگنو جاگ اٹھے۔

ایک لمحہ بھی ضائع کیئے بغیر اس نے کال ریسیو کر لی۔

"شاویز! کہاں تھے اتنے دن... کتنی بار تمھیں فون کرتی رہی... تمھارا نمبر بھی بند تھا... کوئی اس طرح بھی اپنوں سے کرتا ہے... یہ محبت ہے تمھاری۔۔"

وہ شاویز کے بولنے کا انتظار کیے بغیر بولتی چلی گئی۔

" میرے برے وقت میں میرا ساتھ چھوڑ دیا شاویز!"

" مایا! کیسی ہو تم؟ میں اتنے دن رابطہ نہیں کر پایا، کیوں کہ میں تمھیں اور اپنے آپ کو کچھ وقت دینا چاہتا تھا"

" تو کیا ملا وقت دے کر... شاویز!"

"بس یہی نتیجہ نکلا مایا! کہ زندگی سے تمھیں نکال کر دیکھوں، تو بے رنگ ہے سب کچھ... بے معنی ہے... بے مقصد ہے مایا! میں نے کبھی خود کو اتنا ادھورا اور نامکمل کبھی نہیں محسوس کیا جتنا تم سے دور رہ کر ہو گیا ہوں... جن راستوں پر بھٹکنے کی خوشی... منزل پہ پہنچنے کی جستجو سے زیادہ بڑی لگے، تو پھر منزل پر پہنچنے کے لیے لمبے لمبے راستے اختیار کر لینے چاہییں... ایسے راستوں کی مسافتیں رفتہ رفتہ سکون دینے لگتی ہیں اور پھر زندگی کو کسک بنا کر جینے کی عادت سی ہو جاتی ہے... میں نے زندگی کو ایک کسک کی طرح جیا ہے... ان گزرے دنوں میں مایا! تمھیں نہ پاسکنے کی تڑپ میں بھی بہت لذت ہے... میں ڈوب گیا تھا مایا! اس درد میں... اس دنیا سے دور ہو گیا تھا۔"

"شاویز! جنھیں سہارا بننے کی خواہش ہوتی ہے، وہی ہمیں بے سہارا کرنے کی وجہ کیوں بنتے ہیں؟ عین اس وقت جب ہم اپنے بل بوتے پر کھڑے ہونے لگتے ہیں، تو وہ ہاتھ بڑھا کر سہارا کیوں دیتے ہیں، کیوں عادی بنا دیتے ہیں اپنا... آنکھ مچولی کھیلتے ہیں اور پھر ہمیشہ کے لیے نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں... تمھارے اور میرے درد کی لذت میں بڑا فرق تھا شاویز! تم اس درد میں اتنے گم تھے کہ تمھیں احساس تک نہ ہوا کہ مایا پر بھی کوئی قیامت ٹوٹ سکتی ہے... کبھی کبھی لگتا ہے کہ تم نے بڑے بڑے دعوے ضرور کیے تھے،

مگر تم ان میں سے کسی بھی دعوے کی گہرائی تک اترنے اور اسے پورا کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے تم... کتنا بدل گیا ہے وقت اور ہمارے جذبات اور احساسات ابھی تک وہی ہیں... ہم بہت لاتعلق ہو چکے ہیں... ہم نے تو اپنے اپنے درد بھی الگ کر لیے ہیں... ہمارے رشتے پر بھی شاید خزاں کا موسم آ گیا ہے... تمھارے لفظوں اور لہجے نے رنگ بدل لیا ہے... محبت کے سبھی رنگ پھیکے پڑ رہے ہیں... مگر اس رشتے کو ٹوٹ کر بکھرتا ہوا دیکھنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے... کاش! کچھ ایسا ہو جائے... اس اجاڑ موسم کا ہر رنگ میری روح میں سما جائے اور پھر میں بھی اس کے ساتھ بکھر جاؤں۔"

"مایا! تمھیں پتا ہے... کسی کا ہونا ہماری زندگی میں سانسوں کی طرح اہم ہوتا ہے، اس لیے نہیں کہ وہ خوشیاں دیتے ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ خوشیوں کی قدر محسوس کرواتے ہیں... میں بھی آج کل تمھارے پیار کی بدولت خوشیوں کی قدر محسوس کرنے لگا ہوں، کیوں کہ جب بھی تم سے بات کرنے کے لیے کوئی اچھی امید لے کر فون کرتا ہوں... تمھارے پاس بس شکائیتیں ہوتی ہیں مجھ سے کرنے کے لیے۔۔"

"میں تمھیں کیا خوشیاں دوں گی شاویز! اور دے ہی کیا سکتی ہوں، کیوں کہ محبت کرنے والوں کی خوشیاں بھی صحرا میں آئی بارش کی طرح کی ہوتی ہیں... دو گھڑی برس جائیں، تو مدتوں پیاسا رکھتی ہیں۔۔۔"

"ایسا نہیں ہے مایا! ہمیں ہمارے نصیب کی خوشیاں ملیں گی... مجھے پورا یقین ہے... میں کل بھی کوشش کرتا رہا پر تمھارے نمبر پر بیل جاتی رہی، تم نے اٹھایا نہیں... شاید تم سو گئی تھیں۔۔۔"

"نہیں شاویز! مجھے تمھاری کوئی کال نہیں آئی اور ویسے بھی میں ساری رات جاگتی ہوں... رات رات بھر جگراتے کاٹنے والی آنکھیں ہی ہوتی ہیں شاید... جنھوں نے ایک عمر خواب دیکھنے میں گنوائی ہوتی ہے اور میری آنکھیں تو ابھی تک خواب ہی دیکھ رہی ہیں شاویز! کبھی کھلی آنکھوں سے، تو کبھی اشکوں سے بھری بھیگی آنکھوں سے... امید تو ٹوٹتی ہی نہیں ہیں شاویز! راستہ دیکھنے والوں کی امیدوں کی عمریں بھی شاید آبِ حیات پینے والوں کی طرح اتنی دراز ہوتی ہیں کہ دنیا ختم ہوتی جائے... وہ راستے ایسے تکتے ہیں کہ جیسے صدیوں بچھڑے شخص نے اگلے ہی پل لوٹ آنا ہے۔"

"مایا! وہ شخص لوٹ آئے گا اور یقین رکھو، تمھارے پاس ہی لوٹے گا... تمھیں کیوں لگتا ہے کہ دیر ہو چکی ہے بس! انتظار کرتے ہوئے امید نہ ٹوٹنے پائے مایا!"

"تمھیں پتا ہے شاویز! تارے گن گن کر انتظار کرنے والے حساب کے بڑے پکے ہوتے ہیں... انھیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ دیر ہو چکی ہے۔ وہ اپنی ایک آس کو سلاتے ہیں، تو دوسری آس کو جگا لیتے ہیں... جیسے جیسے سانس گھٹتی ہے، ویسے ویسے امید بڑھتی جاتی ہے اور پھر ویسے بھی جنھیں محبت پہ بھروسا بڑی مشکل سے آیا ہو... انھیں بے وفائی پر یقین اتنی آسانی سے نہیں آتا... میں انتظار کروں گی، لیکن میرے ضبط کے ٹوٹنے سے پہلے اگر مجھے زندگی نے کسی کڑی آزمائش میں ڈال دیا، تو مجھے معاف کرنا شاویز! کیوں کہ جہاں وصال، وصل کے لمحوں سے طویل ہونے لگتا ہے، تو وہاں انتظار کرتے ہوئے لوگ ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ جہاں نہ دید کی خواہش باقی رہتی ہے اور نہ پریت کی... ساری مسافتیں رائیگاں چلی جاتی ہیں... آج میرا کوئی بھی گلہ، کوئی بھی شکایت تمھیں بے معنی نہیں لگے گی شاویز! کیوں کہ آج تم بھی وہ درد، وہ کرب محسوس کرو گے جس میں میرا وجود جھلس رہا ہے... یہ آگ مجھے جلا کر راکھ کر رہی ہے۔۔۔"

"کیا مطلب ہے تمھارا مایا! پلیز... کھل کر بات کرو"

" اسد بھائی نے میرا رشتہ طے کر دیا ہے خالہ صغریٰ کے بیٹے عاطف سے"

"کیا؟ مایا! تم نے ہاں کر دی؟ اتنا بڑا دھوکا"

"نہیں شاویز! انھوں نے میری ہاں کرنے کی نوبت بھی نہیں آنے دی... میری التجا کرنے کے باوجود، رونے گڑگڑانے کے باوجود انھوں نے میری ایک نہیں سنی... تین مہینے کا وقت دیا تھا، تمھارے گھر والوں کی طرف سے بھی کوئی جواب نہ آیا... میں تمھارا نمبر ٹرائی کرتی رہی، مگر کوئی رابطہ نہ ہوا۔"

"مایا! کاش...! یہ سب کچھ کہنے سے پہلے تم مجھے زہر دے دیتیں... میں ایک بار تو سکون سے مر جاتا... تم نے میری ہر سانس میں کتنا درد بھر دیا ہے... تم نے لوگوں سے میرے کتنے شکوے کیے... آخر سب نے مجھے تمھاری زندگی سے بے دخل کر ہی دیا۔"

"میں نے کبھی تمھاری محبت کے لوگوں سے شکوے نہیں کیے، لیکن لوگ ان جانے ہو کر بھی وہ درد سمجھ لیتے ہیں، جو تم اپنے ہو کر بھی نہیں سمجھ پائے۔۔۔"

"لوگ تو محبت میں عمریں بیتا دیتے ہیں مایا! تم چند سال میں میرے انتظار میں تھک گئیں... بس! کچھ سالوں ہی میں اپنا راستہ بدل ڈالا۔"

شاویز کی آنکھیں ساون بھادوں کی طرح برس رہی تھیں اور اس کی آواز بھرا گئی۔

"شاویز! یہ جو انتظار کرنے والے ہوتے ہیں ناں! ان کی صورتوں کو کبھی غور سے دیکھنا...ان کے چہروں پر ایک ایک پل کی اذیت صاف تحریر ہوتی ہے... جس طرح کوئی ریت کے ذرے سے آنکھ بھر آتی ہے ناں! بالکل اسی طرح وہ ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں آنکھوں میں لیے پھرتے ہیں، جو چبھتی ہیں، تو آنکھوں سے خون کے آنسو بہتے ہیں...میرے سر پر میرے ماں باپ کا سایا ہوتا، تو میں تمھارے لیے ساری زندگی بیٹھ سکتی تھی، مگر میرا کوئی بھی نہیں ہے شاویز! کوئی بھی نہیں، جو میرا درد سمجھ سکے۔"

مایا بے اختیار روتی رہی۔

"مجھے لگا تھا کہ تم میری مدد کروگے، لیکن نہیں... تمھاری انا آج بھی جیت گئی شاویز! تمھارے مسائل آج بھی میری تکلیف سے بڑے ہیں... میرے دیے گئے اللہ کے واسطوں سے اگر تمھارا دل نہیں پگھلتا ناں شاویز! تو میں ایک بات یقین سے کہہ سکتی ہوں، جس کا دل اللہ کے نام سے نرم نہیں پڑتا ناں! اس کے آگے اپنے وجود کو دھول بنا کر بھی اڑا دو... وہ آپ کی تکلیف سے تب بھی بے خبر ہی رہے گا اور تم ان ہی لوگوں میں سے ہو، جو محبت کے دعوے کرتے ہوئے فلک سے چاند تارے توڑ لاتے ہیں، مگر عزت سے گھر نہیں لے جاتے... مجھے لگتا ہے شاویز! مجھے تمھارے وہ سارے چاند تارے توڑ لانے والے جذبات لوٹا دینے چاہییں، کیوں کہ اب میں اس سیپ کی حفاظت نہیں کر سکتی، جو محبت کے نایاب موتی سے خالی ہے... تمھارے دعوے میرے گھر والوں کو بہلانے کے لیے اب ناکافی ہیں۔"

"ٹھیک ہے مایا! اگر میں اتنا ہی برا ہوں، تمھاری نظر میں اور اگر مجھے فریب دے کر تمھارے دل کو سکون پہنچتا ہے، تو شوق سے نیا راستہ چن لو... مگر اتنا یاد رکھنا! اکثر نظر آنے والا سکون راتوں کی نیند اور دن کا چین چھین لیتا ہے، پھر نئے راستوں پر رکھا ایک ایک قدم اتنا بوجھل ہو جاتا ہے کہ انسان وہیں تھک کر گر جاتا ہے۔۔۔"

"سکون...؟ تمھیں لگتا ہے اس جان لیوا سمجھوتے میں سکون ہوگا؟"

"تم کبھی نہیں سمجھو گے شاویز! میں نے تمھاری محبت کے تپتے صحرا میں سفر کرتے کرتے اپنا آپ جلا ڈالا ہے، مگر جس دل میں تمھاری محبت دھڑکتی ہے ناں! وہ دل میرے جھلسے ہوئے وجود میں ابھی بھی ویسے ہی دھڑکتا ہے... میں نے اس پر آنچ بھی نہیں

آنے دی۔ تمھارے دل میں اب مایا ہے یا نہیں، یہ میں نہیں جانتی...یا شاید تم مجھے ان ہی راہوں سے اپنے دل سے واپس میری دنیا میں چھوڑ آئے ہو...اور اب تمھارا دل مایا کے بغیر بھی آباد ہے۔۔۔"

"مایا! دل میں صرف آنے کے راستے ہوتے ہیں... کبھی بھی ان راستوں کے ذریعے واپسی کا سفر ممکن نہیں ہوتا...واپس جانے کے راستے تو لوگ خود دل میں سرنگیں کھود کر نکال لیتے ہیں اور ان کی اس سفاکی سے جتنا بھی ہمارا دل لہولہان ہو جائے، انھیں پروا نہیں ہوتی...انھیں تو بس دل سے نکلنا ہوتا ہے ہر حال میں، ہر قیمت پر...بالکل ویسے ہی مایا! جیسے تم بغیر بتائے راستہ بدل چکی ہو، لیکن میں تمھیں اتنی آسانی سے اپنی زندگی سے نہیں جانے دوں گا...میں کل کی فلائٹ سے واپس آرہا ہوں۔۔۔"

یہ کہہ کر شاویز نے فون بند کر دیا۔مایا کے دل کو بہت تسلی ہوئی۔

اگلے روز شاویز نے پہلی فلائٹ لی اور برمنگھم سے ڈائریکٹ اسلام آباد پہنچ کر مایا کو فون کیا۔

"مایا! میں تم سے ابھی ملنا چاہتا ہوں... میں تمھارے اسکول کے پیچھے روڈ پر تمھارا انتظار کر رہا ہوں...میں گھر تب تک نہیں جاؤں گا جب تک تم سے مل نہ لوں۔۔"

مایا کچھ دیر تک سوچتی رہی اور پھر تھوڑی دیر تک وہ شاویز کے بتائے ہوئے ایڈریس پر پہنچ گئی۔

مایا، شاویز کی حالت دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوئی۔ وہ بالکل بدل چکا تھا۔ جس طرح کسی غم سے انسان ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے، اس کی بڑھی ہوئی شیو اور بکھرے بال اس کے دل کے ارمانوں کے ٹوٹنے کے گواہ تھے۔ آنکھیں اس طرح تھکی ہاریں، جیسے وہ نا جانے کتنے عرصے سے ٹھیک سے سویا نہ ہو۔

حالت تو مایا کی بھی کچھ کم نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں کے گرد مسلسل رونے اور جاگتے رہنے کی وجہ سے گہرے ہلکے پڑ چکے تھے۔

شاویز اور وہ کچھ دیر تک یوں ہی ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ مایا کی آنکھیں آنسوؤں سے پھر سے تر ہونے لگیں جب کہ شاویز کا دل چاہا کہ وہ وہیں اس کے قدموں میں بیٹھ جائے اور ضبط کے سارے سلسلوں کو توڑ ڈالے...اپنی پلکوں سے آنسوؤں کا آخری قطرہ بھی بہا ڈالے...

کچھ محبتیں سمندر میں آئے ہوئے بھنور کی مانند ہوتی ہیں۔ انسان کو تب تک اپنی لپیٹ میں لیے رکھتی ہیں جب تک کہ اس کا وجود پوری طرح بکھر نہیں جاتا۔

" شاویز! تم جانتے ہو ناں کہ میرے لیے ایسے گھر سے نکلنا ممکن نہ تھا... میں بہت مشکل سے آئی ہوں"

مایا نے شاویز کو دیکھتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

" جانتا ہوں مایا! لیکن تم آگئی ناں! بس! میں یہی دیکھنا چاہتا تھا کہ تمھیں مجھ سے کتنی محبت ہے"

"تمھیں خدا کا واسطہ شاویز! بند کر دو اب میرا امتحان لینا... مجھے اب میرے حال پر چھوڑ کر احسان کر دو... میری زندگی میں کبھی لوٹ کر نہ آنا... میں نے تمھیں وقت دیا تھا، مگر تم مجھے وہ خوشیاں دے نہیں پائے، جو وعدے تم نے کیے تھے، جو خواب تم نے مجھے دکھائے تھے... اب میرے اداس ہونے سے یا میرے رونے سے تمھارا واسطہ ختم ہو چکا ہے شاویز!"

"تمھیں کیا لگتا ہے مایا! تم ہاتھ چھڑا کر جاؤ گی اور میں تمھیں جانے دوں گا؟ تم میری محبتیں اپنے قدموں تلے روندتی ہوئی چلی جاؤ گی ، تو کیا میں گلہ تک نہیں کروں گا؟ تم قدم اٹھا کر دیکھو، تو سہی میں تمھارے راستے میں سنگِ راہ بن کر تمھیں ملوں گا... تم جتنی بار ٹھوکر لگا کر گزرو گی، میں اتنی ہی بار تمھارے راستے روکوں گا، اس لیے نہیں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں بلکہ اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ تم میرے بعد محبت نہیں کر پاؤ گی اور کبھی کوئی سمجھوتا میں تمھیں کرنے نہیں دوں گا... کبھی بھی نہیں... مایا، شاویز کی ہے... کسی عاطف کا نام تمھارے نام کے ساتھ میں جڑنے نہیں دوں گا مایا! میں برداشت نہیں کر سکتا... خدارا! سمجھو میرے جذبات کو۔۔"

شاویز، مایا کے سامنے بے تحاشا رو پڑا۔ وہ بالکل ٹوٹ چکا تھا، مگر مایا اسے کیا حوصلہ دیتی، وہ تو خود اسی اذیت کو پچھلے کئی ماہ سے سہہ کر پتھر ہو چکی تھی۔

"میرے نام کے ساتھ کسی غیر کا جڑا نام جس طرح تمھیں تکلیف دے گا، اس سے کہیں زیادہ میرے وجود کو کھا جائے گا، تمھارے خواب ٹوٹیں گے ناں! میرا تو پورا وجود بکھر جائے گا... تم تو اس موت کا تصور تک نہیں کر سکتے، جو سمجھوتے کا زہر پینے کے بعد مجھے نصیب ہو گی... دعا کرو شاویز! میرا ضبط نہ ٹوٹے... ورنہ! میں تمھیں اس سے کہیں زیادہ اذیت میں ڈال جاؤں گی۔۔"

وہ سڑک کے اس پار قبرستان کو دیکھتے ہوئے آنسو بہاتی چلی گئی۔

"پتا ہے مایا! کسی نے دل نہیں توڑا تھا کبھی، اس لیے اس تکلیف سے واقف نہیں تھا میں... پر اب جو ٹوٹا ہوں، تو محبت میں صبر کرنے والے ہر شخص سے محبت کرنے لگا ہوں میں... سمجھ سکتا ہوں کہ کتنے کرب سے گزر کر مسکراتے ہیں لوگ... دیکھو مایا! میں نے بھی ہنسنا سیکھ لیا ہے... میرے چہرے کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں بکھر چکا ہوں۔۔"

"شاویز! کبھی کبھی انسان جس چیز سے جتنا بچتا ہے، وہ اتنی ہی شدت کے ساتھ اس کا تعاقب کرتی ہوئی اس تک پہنچ جاتی ہے اور پھر جدائی اپنے نہ ماننے والوں کو تو انتقاماً میلوں کے فاصلے پر کھڑا کر دیتی ہے... جہاں دور دور تک وصل کا کوئی امکان ہی نہیں ہوتا... اگر واقعہ ہی کچھ نہیں کرسکتے، تو پھر اپنے اندر اتنا حوصلہ پیدا کرلو کہ مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے پرایا ہوتے ہوئے دیکھو..." مایا شاویز کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ کر تڑپ کر بولی۔

شاویز، مایا کے قریب ہوا اور اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر بولا۔

"ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنا محبت کے امر ہونے کی نشانی ہوتا ہے ناں! تو پھر بکھر جانے والوں کے ہاتھ کیا آتا ہے۔۔"

وہ آنسو پونچھتے ہوئے مایا سے پوچھنے لگا۔

"جن کی محبت امر ہو جاتی ہے، ان کی آرزوئیں تو کب کی مٹ چکی ہوتی ہیں اور وہ محبت ہی کیا شاویز! جو ہر آرزو کی طرح ہماری دسترس میں ہو... ہم خالی ہاتھ رہیں گے، تو دل میں ایک کسک، ایک خلش ہمیشہ ہمیں جوڑے رکھے گی۔ ہم کہیں بھی رہیں، جدائی ہوگی، تو ہماری محبت امر ہوتی جائے گی۔"

"اور ہر محبت انتہا تک ضرور پہنچتی ہے بس اتنا فرق ہوتا ہے کہ... کچھ محبتیں رستہ بند ملنے پر واپس لوٹ آتی ہیں اور کچھ اس بند راستے پر آخری سانس تک منتظر بیٹھی رہتی ہیں۔ کوئی ان میں سے تھک کر لوٹ آتا ہے، تو کوئی نئے راستے کے لیے مڑ جاتا ہے، مگر منزل وہی پاتے ہیں، جو اس بند راستے پر فنا ہو جاتے ہیں۔۔۔"

"تو کیا اتنی آسانی سے ہار مان جاؤ گی مایا! کیا ہماری محبت لاحاصل محبت ہے؟"

شاویز ایک عجیب بے یقینی کے ساتھ مایا کو دیکھنے لگا۔

"لاحاصل محبت۔۔۔"

مایا نے گہری سانس بھری اور پھر بولی۔

"جانتے ہو کہ کیا ہوتی ہے؟ وہ محبت جس میں کوئی اندر ہی اندر گھٹ کر مرتا ہے... آتی جاتی ہر سانس زندگی اور موت کے بیچ کھڑے ،تڑپتے انسان کی طرح سینے میں جکڑی رہتی ہے روگ جھیلنے اور پالنے آسان نہیں ہوتے اور اگر وفائیں ثبوت مانگ لیں، تو ہنستے ہنستے سولی پر لٹکنا پڑتا ہے اور پھر بھی موت نہیں آتی... اس سفر پر کبھی نہ ختم ہونے والی تکلیف کو مسکان بنا کر چلنا پڑتا ہے... یہی ہے لا حاصل محبت... بے منزل سفر..." جواب ہمیں کرنا ہے۔۔

"مایا! اگر میں تمھیں یہ کہوں کہ میری تکلیف اس سے کہیں بڑھ کر ہے اور میرا سفر تمھارے بغیر اس سے زیادہ برے کرب سے گزرتا جا رہا ہے، تو تم یقین کرو گی مجھ پر؟" شاویز نے ایک نظر مایا کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں شاویز! کہ آخر کیا وجہ ہے کہ تم اپنی محبت کو کھو دینے کی ہمت کر چکے ہو؟" مایا نے الجھتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں مایا! میں یہ ہمت کر ہی نہیں سکتا... میں اپنی آخری سانس تک تمھیں پانے کے لیے لڑوں گا... ہار جانے والوں میں سے تو میں ہو سکتا ہوں، مگر ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں... تم گھر جاؤ... میں سب کو دیکھ لوں گا... میں کبھی بھی تمھیں اس آگ میں جلنے نہیں دوں گا... چاہے اپنا آپ جلا لوں۔۔"

شاویز کی باتوں سے مایا کا دل بہت مضبوط ہوا اور اسے بہت حوصلہ ملا۔ کچھ دیر وہ شاویز کو دنیا سے بے خبر ہو کر دیکھتی رہی اور خود کو یہ یقین دلاتی رہی کہ اب کوئی تکلیف اسے چھو کر بھی نہیں گزر سکتی اور اسی خوشی میں وہ گھر واپس آئی، تو ایک طوفان برپا تھا۔ خالہ صغریٰ اور عاطف صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مایا کو دیکھ کر وہ سب اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس سے سوال کرنے لگے۔

اسد بہت غصے میں دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے مایا کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا اور بولا۔

"کہاں گئی تھیں تم؟"

مایا نے ایک نظر سب کو دیکھا اور بڑے آرام سے بولی۔

"شاویز سے ملنے۔"

یہ سننا تھا کہ اسد نے ایک زور دار تھپڑ مایا کے چہرے پر جڑ دیا۔ وہ لڑکھڑا کر گر گئی۔

مایانے چہرے پر ہاتھ رکھا اور پوری طاقت سے بولی۔

" بہت ہو گیا اسد بھائی! میں اب کوئی اور ظلم برداشت نہیں کروں گی آپ کا"

اسد، مایا کو مارنے کے لیے آگے بڑھا، تو خالہ صغریٰ نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے پیچھے دھکیلا۔

" نہیں اسد! جوان بہن پر ہاتھ نہیں اٹھاتے"

پھر وہ مایا سے مخاطب ہوئیں۔

" مایا! تم اندر جاؤ"

عاطف سخت غصے میں مایا کو کھاجانے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔

مایا بھاگ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور بے تحاشا رونے لگی۔

"اسد! میرے خیال میں اب جلد سے جلد نکاح کر کے اسے رخصت کر دو، تو اچھا ہے... وہ گھٹیا لڑکا واپس آ چکا ہے اور مایا کوئی ایسا ویسا قدم نہ اٹھالے۔"

" بس خالہ! آپ لوگ تیاری کریں"

اسد نے ہاتھ کے اشارے سے ان کی بات کاٹ دی اور اپنا حتمی فیصلہ سنادیا۔

"ارے بیٹا! تیاری کا کہاں وقت ہے... وہ انیتا کے کچھ کپڑے پڑے ہیں، وہ مایا کو پورے آجائیں گے... ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے... بس مایا کا نکاح سادگی سے کر دو تا کہ گھر کی بات گھر ہی میں رہ جائے... ورنہ! جتنے منہ اتنی باتیں بنیں گی۔ تم سمجھ رہے ہو ناں بیٹا!"

خالہ صغریٰ نے اسد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے عاطف کو بھی اشارہ کر دیا۔

آخر ٹھیک دو دن کے بعد شام چار بجے مایا کے نکاح کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔

☆☆☆

شاویز گھر پہنچا، تو اس کی امی اور بہن دونوں ہی اس کی اچانک واپسی سے حیران رہ گئیں۔ فریش ہوتے ہی شاویز نے ٹی وی لاؤنج کا رخ کیا جہاں صوفے پر موجود ارمینہ، امی سے اسی کے بارے میں بات کر رہی تھی۔ شاویز ان کے برابر والے صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ ماما کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں اور شامیر کی ہر بات کی تصدیق ہو رہی تھی، جو اس نے شاویز کے حلیے اور سنجیدگی کے بارے میں کی تھی۔ وہ حد سے زیادہ بدل چکا تھا۔ بات کرنے میں لہجے میں اتنا بے گانہ پن تھا کہ اس سے بات کر کے لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ وہی شاویز ہے۔

" ماما جانی!" شاویز نے خاموشی توڑتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔ "مجھے کچھ کہنا ہے"

شاویز کسی الجھن میں مبتلا دکھائی دیتا تھا۔

" ہاں شاویز! کہو"

انھیں پتا تھا کہ اب مایا کا موضوع ہی چھڑے گا، اس لیے وہ بھی کچھ سنجیدہ ہو گئی تھیں۔

" ماما جانی! وہ اسد مایا کی شادی کہیں اور"

" ... شاویز! تو کیا اس وجہ سے تم بغیر بتائے یوں ایک دم سے واپس آ گئے"

انھوں نے شاویز کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کاٹ دی۔

" ماما جانی! آپ میری بات تو سن لیجیے"

شاویز التجائیہ انداز میں بولتے ہوئے پھر سے کچھ کہنے کی کوشش کرنے لگا۔

"کیا سنوں شاویز! تمھارے بابا اور میں نے تمھاری کیا تربیت کی ہے...... یہ دن بھی دیکھنا باقی تھا... تمھارے کہنے پر میں ارمینہ کو وہاں لے کر گئی اور جو سلوک اس کے بھائی نے ہمارے ساتھ کیا... کیا اب بھی تم اس لڑکی کے لیے اتنا بڑا کاروبار اور خاندان کی عزت داؤ پر لگانا چاہتے ہو... میں سوچ بھی نہیں سکتی شاویز! کہ تم اس حد تک میری بے عزتی برداشت کر سکتے ہو... اچھا ہوتا کہ میں بھی تمھارے پاپا کے ساتھ ہی۔۔"

"ماما جانی! پلیز... خدا کا واسطہ! ایسے مت بولیں... کیا آپ کو اس لڑکی پر ترس نہیں آتا... اس کے ماں باپ نہیں ہیں اور اس کا بھائی اس کا رشتہ ایک نشہ کرنے والے شخص سے کرنے جا رہا ہے... ماما جانی! میں اسے ایسے حالات میں کیسے چھوڑ دوں... آپ خود انصاف کریں... کتنے سال وہ میرے نام پر بیٹھی رہی ہے اور اب جب اسے میری ضرورت ہے... میں کیسے پیچھے ہٹ جاؤں... ماما جانی! آپ نے میری ایسی تربیت نہیں کی ہے... میں اتنا بے حس نہیں ہو سکتا۔۔۔"

" شاویز! تمھیں جو ٹھیک لگے، وہی کرو... میں اگر واقعہ ہی تمھارے لیے کچھ اہمیت رکھتی ہوں، تو جو ہوا، وہ بہت تھا"

وہ آنسو پونچھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ارمینہ غصے سے شاویز کی طرف دیکھتے ہوئے اٹھی اور پیر پٹختے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

شاویز نے اپنی والدہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

" ماما جانی! پلیز... میری بات سنیں"

وہ بے تحاشا روتے ہوئے ان کے قدموں میں جا گرا۔

"میں مر جاؤں گا ماما جانی! میں مایا کے بغیر نہیں رہ سکتا... میں آپ کو بھی دکھی نہیں دیکھ سکتا... میں کہاں جاؤں... آپ کا شاویز بری طرح سے ٹوٹ چکا ہے... خدارا! آپ تو میرا درد سمجھیں... پلیز۔۔"

وہ زار و قطار روتا چلا گیا۔

ماں کا دل اپنے بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر بہت افسردہ ہوا۔

وہ فوراً جھکیں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھا کر اپنے گلے سے لگا لیا۔ شاویز کے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ آخر وہ شاویز کی بات ماننے پر آمادہ ہو گئیں۔ وہ اس کے ساتھ خوشی سے مایا کے گھر جانے کے لیے تیار ہو گئیں۔

اگلے دن شاویز مایا کا نمبر ملاتا رہا، مگر کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ اب اسے اور زیادہ فکر لاحق ہو گئی۔ وہ کچھ دیر انتظار کرتا رہا، مگر مایا کی طرف سے کوئی رابطہ نہ ہوا۔ عبید کا نمبر بھی مسلسل بند جا رہا تھا۔ اب شاویز سے رہا نہ گیا اور وہ اکیلا ہی مایا کے گھر جانے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

کچھ دیر کے بعد جب وہ مایا کے گھر پہنچا، تو دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا...وہ کافی دیر تک گاڑی میں وہیں بیٹھا رہا، مگر کوئی خبر نہ ملی۔ اس نے ارد گرد کے گھروں سے پوچھا، تو سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ یوں اسے کوئی علم نہ ہو سکا۔

شاویز کے دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ وہ بار بار گاڑی سے نکلتا اور ادھر ادھر کا جائزہ لے کر پھر گاڑی میں بیٹھ جاتا۔ چار گھنٹے کے قریب وہ وہیں بیٹھا رہا، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔

آخر وہ گاڑی موڑ کر وہاں سے نکل پڑا۔ سارے راستے وہ بار بار مایا کا نمبر اور کبھی عبید کا نمبر ملاتا رہا...دونوں نمبروں میں سے کسی پر بھی رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ رات شاویز نے بہت اذیت اور کرب میں گزاری۔ وہ مشکل سے ایک آدھ گھنٹا ہی سو پایا تھا۔

اگلے دن وہ پھر سی بے چینی سے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ مایا کے گھر پہنچا، تو اب بھی تالا لگا ہوا تھا۔ وہ کچھ سوچ کر ہمسائیوں کے گھر دستک دینے لگا۔ کچھ لمحوں بعد ایک خاتون نے دروازہ کھولا۔ شاویز نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

" آنٹی جی! یہ عبید کے گھر کو تالا کیوں لگا ہوا ہے... کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں کہ یہ لوگ کہاں گئے ہیں؟"

وہ خاتون شاویز کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

" آج مایا کا نکاح ہے اور وہ لوگ اپنی خالہ کے ہاں گئے ہیں۔"

شاویز کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ وہ ہمت کر کے بولا۔

" آپ کو ان کی خالہ کا ایڈریس معلوم ہے... مجھے عبید سے بہت ضروری کام ہے"

شاویز نے التجا بھرے انداز میں سوال کیا۔

" ایڈریس تو نہیں معلوم، لیکن وہ لوگ شاید گلی نمبر پندرہ میں رہتے ہیں... اس سے زیادہ مجھے نہیں پتا"

اتنا کہہ کر انھوں نے دروازہ بند کر لیا۔

شاویز وہاں اپنے ٹوٹے وجود کے ساتھ کھڑا رہا۔ اسے یوں لگا کہ جیسے اس کے وجود کو برف کی سلاخ میں منجمد کر دیا گیا ہے۔

وہ وقت ضائع کیے بغیر دوڑتا ہوا گاڑی میں بیٹھا اور تیزی سے موڑ کاٹ کر گلی نمبر پندرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ آگے گلیاں چوں کہ کافی تنگ تھیں، اس لیے اس نے ایک جگہ پر گاڑی پارک کر دی۔ وہ نیچے اترا

اور بھاگ اٹھا۔ دس منٹ میں وہ مطلوبہ گلی میں داخل ہو چکا تھا۔ اب اسے عاطف کا گھر ڈھونڈنا تھا۔ گلی میں بیس کے قریب مکانات تھے۔ وہ ایک دروازے کی بیل بجا کر خالہ صغریٰ کے گھر کا پتا پوچھنے لگا، مگر اسے وہاں سے کوئی پتا نہ چلا۔ اس طرح کوئی تین چار گھروں سے پوچھنے کے بعد اسے خالہ صغریٰ کے گھر کا ایڈریس معلوم ہو ہی گیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ خالہ صغریٰ کے گھر کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اس نے ہمت سے کام لیتے ہوئے دروازے پر دستک دے ڈالی۔

کچھ ہی لمحوں کے بعد دروازہ کھلا۔

دروازہ کھولنے والی خالہ صغریٰ تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ شاویز کو دیکھ کر دروازہ بند کرتیں، شاویز نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا اور گھر میں داخل ہو گیا۔ وہ مایا کا نام لے کر بلند آواز میں پکارتا ہوا کمروں کی طرف بڑھا۔

" مایا...مایا! کہاں ہو تم؟"

کچھ ہی لمحوں میں مایا، شاویز کے سامنے آ گئی۔ اس کے چہرے پر چوٹوں کے نشانات تھے اور سر پر سفید رنگ کی پٹی بندھی ہوئی تھی، جس کے ایک طرف خون کے دھبے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

شاویز کا دل مایا کی یہ حالت دیکھ کر خون کے آنسو رونے لگا۔ وہ بے اختیار بول اٹھا۔

"کس نے کی ہے تمھاری یہ حالت... میں اس کی جان نکال دوں گا مایا!" وہ آگے بڑھا اور مایا کا ہاتھ تھام کر بولا۔ "چلو! میرے ساتھ... میں دیکھتا ہوں کہ کون روکتا ہے... جانور ہیں یہاں سب... ایسا سلوک کوئی کرتا ہے۔۔۔"

وہ بہت غصے میں خالہ صغریٰ کو دیکھتا رہا۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور ردا، اسد اور بچوں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی۔ وہ شاید نکاح کے انتظامات کرنے کے لیے باہر گئے ہوئے تھے۔

خالہ صغریٰ کو مایا کی نگرانی کے لیے گھر میں چھوڑ دیا گیا تھا جب کہ عاطف دوسرے معاملات دیکھنے کے لیے گھر سے باہر تھا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اسد کی نگاہ سب سے پہلے شاویز پر پڑی اور پھر اس کے ہاتھ میں مایا کا ہاتھ دیکھ کر وہ غصے میں غراتا ہوا شاویز کی طرف بڑھا۔

" حرام زادے! تیری یہ ہمت"

اسد نے پورے زور سے شاویز کا کالر پکڑ کر گھسیٹا اور پھر زور دار جھٹکے سے اسے پرے اچھال دیا۔

وہ لڑکھڑاتا ہوا دور جا گرا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، اسد، مایا کا ہاتھ پکڑ کر اسے کمرے میں لے گیا۔ پھر باہر نکل کر دروازے کو کنڈی لگادی۔

شاویز اٹھا اور اسد کے قریب آیا۔ اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی اسد نے شاویز کو بری طرح سے مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔

مایا کمرے کے اندر سے چلا چلا کر کہتی رہی۔

" شاویز کو چھوڑ دیں"

وہ اپنی پوری طاقت سے دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

خالہ صغریٰ اور ردا ایک طرف کھڑی تماشا دیکھتی رہیں۔ پھر اچانک شاویز نے اسد کا ہاتھ پکڑ لیا اور زور دار جھٹکا دے کر اسے پیچھے گرا دیا۔

"بس! بہت ہو گیا اسد!" وہ گرج کر بولا۔ "میں تمھاری بہت عزت کرتا تھا، اس لیے ہاتھ نہیں اٹھایا... میری ماں کے ساتھ جو سلوک تم نے کیا... میں چاہتا، تو اس کا حساب بھی تم سے لے لیتا، مگر میرے والدین نے میری ایسی تربیت نہیں کی ہے، لیکن جو سلوک اس گھر میں مایا کے ساتھ ہو رہا ہے... وہ میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔"

ابھی وہ یہ بات کر ہی رہا تھا کہ گھر میں عاطف داخل ہوا۔

شاویز پر نظر پڑتے ہی اس کی اور اسد کی ہاتھا پائی کا اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ پھر غصے سے کانپتا ہوا شاویز کی طرف بڑھا۔

" تیری اتنی ہمت... تو میرے گھر میں بھی گھس گیا... آج تو، تو میرے ہاتھ سے مر گیا... شاویز! آج تو میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکتا"

شاویز جو خود کو عاطف کے اس رویے کے لیے پہلے ہی خود کو تیار کر چکا تھا۔ اچانک اس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر دھک سے رہ گیا۔

عاطف نے پینٹ کے بیلٹ میں اڑسی ہوئی پستول نکال کر شاویز پر تان لی۔

اتنے میں خالہ صغریٰ دوڑتی ہوئی آئیں۔

”نہیں عاطف! نہیں میرے بچے ایسا نہ کرنا“

”نہیں خالہ! آپ پیچھے ہو جائیں...“ اسد نے خالہ صغریٰ کو پکڑ کر پیچھے کرتے ہوئے گرج دار آواز میں کہا۔ ”ایسے آستین کے سانپوں کو مار ہی دینا چاہیے۔“

”چلاؤ گولی عاطف! رک کیوں گئے؟“

شاویز نے بہت سکون سے عاطف کے کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے اس کی ہمت کا اندازہ لگا لیا تھا۔

خالہ صغریٰ فوراً کمرے کی طرف لپکیں اور مایا کے کمرے کی کنڈی کھولتے ہوئے بولیں۔

”وہ لوگ شاویز کو مار دیں گے... جا! اسے بچالے مایا!“ وہ ہانپتی کانپتی ہوئی بولیں۔

مایا تیزی سے باہر شاویز کی جانب دوڑی۔ عجیب وحشت زدہ ماحول تھا۔ ردا بچوں کو کمرے کی طرف لے جاتے ہوئے مایا کو ایک نظر مڑ کر دیکھتی رہ گئی۔

مایا بھاگتی ہوئی شاویز کے آگے جا کر کھڑی ہو گئی۔

”مارنا ہے، تو مجھے ماریں... چلائیں گولی... ہم دونوں کو ہی ختم کر دیں... میں آج تک ظلم سہتی رہی اسد بھائی! یہ سوچ کر کہ میرا بھائی ہے، جو میرا محافظ بھی ہے... جتنا بھی غصہ کرتا ہے، لیکن دل سے میرا خیر خواہ ہے...“ مایا آنسو روکتے ہوئے بولی۔

مگر آنسو بے اختیار اس کی آنکھوں سے ٹپکتے رہے۔

”امی ابو کے بعد میں نے آپ کے گھر کو اپنا گھر سمجھا، جو کمایا، لا کر آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا، اس لیے نہیں کہ بدلا اتارا بلکہ یہ سوچ کر کہ اگر میرا باپ یا ماں زندہ ہوتی، تو تب بھی میں یہی کرتی... میں نے شاویز کو پسند نہیں کیا تھا، میرے ماں باپ نے کیا تھا اور جس وقت ابو زندگی اور موت کے بیچ کھڑے تھے تب یہی شخص تھا شاویز! جو فرشتہ بن کر آیا... یہی شخص تھا جس نے ہماری مدد بغیر کسی لالچ کے کی... جب سب رشتے منہ پھیر کر جا چکے تھے، یہی تھا، جو اپنی رات کی نیندیں حرام کیے انھیں ہسپتال لے کر جاتا رہا آج وہ اگر آپ کی بہن کو عزت سے اپنانا چاہتا ہے، تو آپ اس کی جان کے دشمن بن جائیں گے... میں کبھی بھی ایسی نہ ہوتی اسد بھائی! اگر مجھے بنایا نہ ہوتا...“

"میں آپ کی عزت پر کبھی آنچ نہیں آنے دوں گی، آج بھی اگر آپ کو لگتا ہے کہ یہ شخص میرے لیے زیادہ بہتر ہے، جو آپ کے سامنے مجھ پر پستول تان کر کھڑا ہے جس نے آج تک مجھے عزت کی نظر سے نہیں دیکھا... جس نے میرے منہ سے اپنے لیے نکلے ہوئے لفظ بھائی کی بھی لاج نہیں رکھی... جس نے ہمارے باپ پر ہاتھ اٹھایا۔۔ اگر آپ کو لگتا ہے اسد بھائی! کہ یہ انسان آپ کی بہن کے دکھ درد کا احساس کرے گا، تو میں آج اسی وقت آپ کے ہر فیصلے کے آگے سر جھکاتی ہوں۔۔"

شاویز نے مایا کی طرف دیکھا، جو روتے روتے ناجانے کیا کیا بولتے جا رہی تھی۔

"ایک بات ہمیشہ یاد رکھیے گا اسد بھائی! یہ جو بھائی ہوتے ہیں ناں! یہ بہنوں کے محافظ ہوتے ہیں... ان کا بس چلے تو آسمان سے چاند تارے توڑ کے بہنوں کے قدموں میں ڈال دیں... مگر آپ... آپ نے تو آج تک بیٹا ہونے کا فرض ادا نہیں کیا... جن ماں باپ نے آپ کو پیدا کیا، پڑھایا لکھایا... آپ نے ان کی زندگیوں میں اتنا درد بھر دیا مگر اسد بھائی! میں نے مرتے مرتے بھی ان کے منہ سے آپ کے لیے بد دعا کا ایک لفظ بھی نہیں سنا... امی تڑپتی رہیں... اپنے آخری وقت میں کہ میرا بیٹا اسد آجائے... مگر آپ... تب بھی اپنی انا میں قید رہے... وہ روتے روتے دنیا سے چلی گئیں، مگر آپ کبھی احساس نہ کر سکے... پتا ہے اسد بھائی! جب ماں باپ اولاد کے آگے ڈر جائیں اور بات کرتے ہوئے سوچیں کہ کہیں ہماری اولاد برہم نہ ہو جائے ہم پہ... وہ وقت اس اولاد کے لیے آخرت کی تباہی کا باعث بنتا ہے... بہت بد قسمت وہ اولاد ہوتی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ آپ نے اپنے ماں باپ کو کس طرح کا وقت دیا تھا اور اب ایک زیادتی میرے ساتھ کرتے ہوئے اگر کوئی خوف نہیں ہے آپ کے دل میں میرے آنسوؤں کا، تو پھر جو چاہے کیجیے اور یقین کریں کہ آپ کے والدین آپ کے اس ظلم کو کبھی معاف نہیں کریں گے... اور خالہ! آپ۔۔"

مایا آنسو پونچھتے ہوئے خالہ صغریٰ کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیسی بہن ہیں آپ... اپنی بہن کی بیٹی پہ اپنے ہاتھوں سے ظلم کر رہی ہیں... اتنا خود غرض کوئی کیسے ہو سکتا ہے خالہ! یہ پیار تھا آپ کا امی کے ساتھ۔۔ وہ تو۔۔ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے آپ کا ذکر کرتی تھیں... آپ سے کتنی محبت کرتی تھیں... آپ نے یہ صلہ دیا ان کی وفاؤں کا۔۔"

"بند کرو یہ ڈراما..." عاطف نے مایا کو جھڑکتے ہوئے کہا۔

پھر وہ مایا کا ہاتھ پکڑ کر اندر زبردستی کھینچنے لگا۔

استنے میں اسد بھاگتا ہوا عاطف کی طرف بڑھا اور ایک زور دار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا اور گرجتے ہوئے بولا۔

"ہاتھ چھوڑ... میں کہتا ہوں... مایا کا ہاتھ چھوڑ۔۔"

عاطف نے منہ پر ہاتھ رکھا اور ساتھ ہی اسد کو الجھے ہوئے انداز میں دیکھنے لگا۔ پھر وہ مایا کا ہاتھ چھوڑ کر تیزی سے گھر سے باہر نکل گیا اور جاتے ہوئے شاویز کو غصے سے گھورتا رہا۔

ردا ایک طرف کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔ اسد نے مایا کو گلے سے لگا لیا اور زار و قطار رونے لگا۔

"مایا! کاش تم نے پہلے احساس دلایا ہوتا... میں اپنے ماں باپ کو اس تکلیف دہ احساسات میں کبھی نہ رکھتا... کاش وقت واپس آجائے مایا! امی ابو مجھے معاف کر دیں... میں بہت برا ہوں۔۔۔

مجھے اچھی طرح اندازہ ہے کہ ان قریب میری اولاد بھی میرے ساتھ یہی سلوک برتنے والی ہے۔۔

مایا بھی رونے لگی اور اسد کے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے حوصلہ دینے لگی۔

" بھائی! آپ برے نہیں ہیں... میرا بھائی برا نہیں ہو سکتا"

عبید جو کہ گھر کے باہر دروازے سے لگ کر کھڑا تھا، کیوں کہ وہ اتنا بے بس تھا وہ سب کچھ جو مایا کے ساتھ ہونے والا تھا، اپنے سامنے ہوتا ہوا دیکھ نہیں سکتا تھا، مگر عاطف کے نکلتے ہی وہ اندر داخل ہوا اسد نے اسے اپنے قریب بلایا اور پھر دونوں بھائی ایک دوسرے کو ... گلے لگا کر بہت روئے۔ اسد کو احساس ہو چکا تھا کہ اس نے خود سے سب کو دور کر دیا تھا... صرف اور صرف اپنے رویے کی وجہ سے خالہ صغریٰ نے مایا کو گلے سے لگا لیا اور اسے بے پناہ دعائیں دیں۔ وہ ابھی مایا کی باتوں سے بہت رو چکی تھیں... شاویز جو کہ ایک طرف سر جھکائے کھڑا تھا، اسد نے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا اور یوں شاویز کے سب دکھ ایک لمحے میں خواب و خیال بن کر رہ گئے۔

☆☆☆

سب کچھ آسانی سے ہوتا چلا گیا۔ پتا ہی نہ چلا اور شاویز کی امی مایا کو ہنسی خوشی بیاہ کر اپنے گھر لے آئیں اور پھر وہ سب خواب جو مایا نے شاویز کے ساتھ دیکھے تھے، پورے ہو گئے۔

جو لوگ ساتھ دینے والے ہوتے ہیں، وہ کبھی کسی حال میں بھی آپ کو تنہا نہیں چھوڑتے... وہ آپ کا ہاتھ تب بھی تھامے رکھتے ہیں جب قسمت آپ کو الگ کرنے کے منصوبے بنا چکی ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے اپنی قسمت خود بناتے ہیں اور جہاں لگن سچی ہو ...وہاں جدائی ایک پل کے لیے بھی نہیں ٹھہر سکتی... یہ سارا کھیل ہی نیت کا ہے۔

جب دل میں محبت کا جذبہ پوری طاقت سے دھڑکتا ہو، تو پھر مرادیں بھی پوری ہوتی ہیں اور دعائیں بھی رنگ لاتی ہیں۔۔ اس لمحے ۔۔خالی ہاتھ لوٹ آنے کا جواز ہی نہیں رہتا۔۔۔

پام جمیرا میں واقع اپنے نئے اپارٹمنٹ میں شاویز، مایا کا ہاتھ تھامے بالکل اسی جگہ کھڑا تھا۔ جہاں سے چودھویں کے چاند کا عکس سمندر کے پانی میں دھندلا سا مگر بہت ہی روشن دکھائی دے رہا تھا۔

مایا سرخ شفون کے جوڑے میں بال کھولے شاویز کے سامنے کھڑی تھی۔ ہلکی ہلکی ہوا اس کے بالوں کو چہرے پہ گراتی اور کبھی ہلکے سے جھونکے سے چہرے سے ہٹا ڈالتی۔ وہ شاویز کی مخمور آنکھوں میں اپنی محبت کا واضح عکس دیکھنے لگی۔ شاویز اس کے قریب ہوا اور اپنے ہاتھ سے اس کے چہرے پر لہراتے بالوں کو پیچھے کی جانب کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ڈوبتا چلا گیا اور پھر اس کا ہاتھ تھامے مایا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

”کہا تھا ناں مایا! تمھارا دل دھڑکنوں کے شور میں میری محبت کی سچائی کا گواہ بنتا رہے گا... لو سنو! اپنی بے ربط دھڑکنیں... اپنی یہ تیز سانسیں... میرے جنون نے تمھیں پا لیا مایا! مجھے میرے رب نے بہت نوازا ہے... میں دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہوں کہ جو آرزو دل میں کرتا ہوں، میرا رب مجھے وہ عطا کرتا ہے۔۔۔“

شاویز اللہ کا بے پناہ شکر ادا کرتا رہا۔ وہ بار بار مایا کو دیکھتا اور دل ہی دل میں سکون سا اترتا ہوا محسوس کرتا اور پھر اس نے مایا کے ماتھے کا بوسہ لیا... پھر وہ سمندر کی بہتی تیز لہروں کے شور میں گم ایک دوسرے سے اپنی محبت کا خاموش اظہار کرتے رہے۔

زندگی بھی کتنی عجیب ہوتی ہے۔ دکھ دینے پر آئے، تو آخری سانس تک کھینچ لیتی ہے اور خوشیاں دینے پر آئے، تو وہ سکھ بھی دے دیتی ہے جسے انسان خواب میں بھی دیکھنا چھوڑ دیتا ہے اور یقیناً اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسا نہیں رکھتے۔ ورنہ! اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو بھلا دکھ میں کیسے اکیلا چھوڑ سکتا ہے۔ وہ

اسے اس کی ہر جائز خواہش اور خوشیاں عطا کرتا ہے جس کے لیے انسان کے دل میں کوئی کھوٹ نہ ہو اس کی نیت صاف ہو۔۔ اور بے شک وہ بے پناہ شانوں والا بادشاہ ہمارا سچا اور کھرا سہارا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ختم شُد

آپکی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔۔